تحریکی تربیت

[آسان اور مختصر روداد جماعت اسلامی]

فہرست

پیش لفظ ۱۱

پہلی پکار، پہلا اجتماع ۱۳
غیر رسمی گفتگو ۱۳
باضابطہ آغاز ۱۳
جماعت اسلامی اور دوسری تحریکوں کے درمیان فرق ۱۴
اسلامی جماعت کو درپیش اندرونی خطرے ۱۶
امت کے اندر اسلامی جماعت کی حیثیت ۱۷
اسلامی تحریک ہر میدان میں ۱۷
مشکلات سے بھرپور راستہ ۱۸
جماعت میں بانی جماعت کی حیثیت ۱۹
جماعت کی تشکیل کا حسین منظر ۲۰
کام کا آغاز ۲۱
ایک کلمہ ایک جماعت ۲۱
جماعتی زندگی کے قواعد ۲۲
جماعت کے خیر خواہ بنیں ۲۲
اللہ کی خاطر جماعت سے جڑیں ۲۲
سازشوں سے دور رہیں ۲۳
آپس میں مشورہ ضرور کرتے رہیں ۲۳
بے جا اصرار کرنے سے پرہیز ۲۴
امیر کا انتخاب ضروری ہے ۲۴
انتخابِ امیر کے اصول ۲۴

امتیازی صفت، تقویٰ اور دیانت	۲۵
صحت مند اختلاف کا تجربہ	۲۶
امیر کو چننے کا مسئلہ	۲۶
پہلے امیر کا انتخاب	۲۸
امیر اور جماعت کا مثالی تعلق	۲۸
فقہی مسائل میں امیر و مامور کا تعلق	۳۰
پالیسی اور پروگرام	۳۱
کاموں کی تقسیم	۳۱
علم و تعلیم کا شعبہ	۳۱
نشر و اشاعت کا شعبہ	۳۱
تنظیم کا شعبہ	۳۲
مالیات کا شعبہ	۳۲
دعوت و تبلیغ کا شعبہ	۳۳
کام کے طریقے کے بارے میں ہدایات	۳۴
مقامی جماعت قائم کرنے کا طریقہ	۳۴
مجلس شوریٰ کا اجلاس اور جائزہ	۴۱
مقصد کے حوالے سے ارکان کی تربیت	۴۱
مقامی امیر اپنی تربیت کی فکر کریں	۴۲
جماعت کے عارضی مرکز کا قیام	۴۳
مرکز جماعت میں کاموں کا نقشہ	۴۳
تعلیم و تربیت	۴۴
علمی تحقیق	۴۴
دعوتِ عام	۴۴
معاشی تدابیر	۴۵
اندرونی آزمائشیں	۴۷
کام کا نقشہ	۵۰
مالی ایثار کی اہمیت	۵۲
عمومی تحریک کے لیے تیاری ضروری ہے	۵۳
عمومی تحریک سے پہلے کرنے کے کام	۵۴

چھوٹے کاموں کے بجائے بڑے پروگرام کو سامنے رکھیں ۵۶
مرکز پر تکیہ نہ کریں، خود کام کرنے والے بنیں ۵۸
صلاحیتوں کے شایانِ شان کام کریں ۵۸
دعوت دینے کا صحیح طریقہ ۶۰

زندہ شہادت بن جائیں ۶۲
تعصبات سے پاک ہوجائیں ۶۳
ہفتہ وار اجتماعات کو مفید بنانے کے طریقے ۶۳
ہفتہ وار اجتماعات کی اہمیت ۶۴
ساری کی ساری توانائی جھونک دیں ۶۴
اجتماعات کا مقصد ۶۵

مطلوبہ صفات ۶۶

جماعت میں آنے سے پہلے جماعت کو سمجھ لیں ۶۶
تبلیغ کا حکیمانہ طریقہ ۶۷
جماعت کے اجتماعات کی امتیازی خصوصیت ۶۸
جماعت کی پکار سن کر دوڑ پڑیں ۶۸
اجتماعات سے لاپروائی بڑی کم زوری کی علامت ۷۰
ٹھنڈے پڑجانے اور پلٹ جانے کا مسئلہ ۷۱
ٹھنڈے پڑجانے اور پلٹ جانے کے اسباب ۷۲
بڑے اقدام سے پہلے اپنی سیرت کو بلند کریں ۷۶
اسلام کی دعوت اور مسلمان ۷۷
دعوت کے لیے مطلوبہ اوصاف ۷۹
انفرادی صفات ۸۰
نفس سے لڑائی ۸۰
رضائے الٰہی کی طرف ہجرت ۸۰
قریبی ماحول سے کش مکش ۸۱
ہم دردی کا رویہ ۸۲
دربارِ رسالت سے رہ نمائی لیں ۸۳
جماعتی صفات ۸۵

اللہ کی راہ میں مجاہدہ کے لیے ضروری صفات	۸۶
صبر	۸۶
ایثار	۸۷
دل کی لگن	۸۸
مسلسل کوشش	۹۰
رائے عامہ بنانے کی اہمیت	۹۰
دعوت کی راہ کے ضروری آداب	۹۳
عصبیت سے پاک ہوجائیں	۹۳
کبر و غرور سے پاک ہوجائیں	۹۵
طنز اور طعنوں سے بالکل دور رہیں	۹۵
ہرانے اور جیت جانے کی خواہشوں سے پاک ہوجائیں	۹۷
اصلاح و دعوت: نبیوں کا طریقہ	۹۷
سخت گیری کی گنجائش نہیں ہے	۹۹
دینی سمجھ پیدا کریں	۹۹
چھوٹے چھوٹے (جزوی) مسائل میں نہ الجھیں	۱۰۰
چھوٹی چیزوں (جزئیات) سے کیا مراد ہے؟	۱۰۱
اصلاح کے کام کی ترتیب	۱۰۲
تبلیغی پالیسی	۱۰۴
دعوت کا اصول جو زیادہ اہم وہ پہلے	۱۰۴
سب سے بنیادی اصول کی فکر کریں	۱۰۴
کام کی رپورٹنگ بڑھا چڑھا کر نہ کریں	۱۰۷
ہمیں دوسری جماعتوں کا حریف نہیں بننا ہے	۱۰۸
عام جلسوں میں شرکت کے بارے میں	۱۰۸
مدارس مقصد حاصل کرنے کا ذریعہ بنیں	۱۰۹
مقامی جماعت کو مضبوط کیسے کریں؟	۱۱۱
مالی ایثار کا جذبہ ابھاریں	۱۱۱
ہفتہ واری اجتماع کی سختی سے پابندی ہو	۱۱۱
مرکز سے رشتہ جوڑ کر رکھیں	۱۱۲
لٹریچر پڑھنے والے تیار کریں	۱۱۳

اعلیٰ روایات ۱۱۵

امیر اور جماعت ایک دوسرے کی طاقت بنیں ۱۱۵
تحریک اسلامی کے اجتماعات کیسے ہوں؟ ۱۱۶
شخصیت پرستی کے بجائے کتاب وسنت کی پیروی ۱۱۹
یہ سنیاسیوں کی جماعت نہیں ہے ۱۲۰
تحریکی مقرر کے مطلوبہ اوصاف ۱۲۳
اپنے مقصد کے لیے بے چینی ۱۲۴
چھوٹی چیزوں (جزئیات) پر بحثوں میں خود کو مشغول نہ کریں ۱۲۵
اصول ونظریہ بھی اہم، طریقہ کار بھی اہم ۱۲۶
جلد بازی کے بجائے پائیدار اثر والے کام کیے جائیں ۱۲۸
سختی سے پرہیز کریں ۱۲۹
شرعی عذر کے بغیر اجتماع سے غیر حاضری تشویش ناک ہے ۱۳۱
زکوٰۃ کے نظم کی پابندی ۱۳۱
علما میں دعوتی کام علما ہی بہتر طور سے کر سکتے ہیں ۱۳۲
سخت مخالفت کیوں نہیں ہوتی؟ ۱۳۲
صبر وبرداشت کے ساتھ حکیمانہ تبلیغ ۱۳۴
کتابیں دینا کافی نہ سمجھیں ۱۳۵
منصب کے ساتھ ہمارا صحیح رویہ ۱۳۶
مالی اعانتوں کے سلسلے میں پالیسی ۱۳۶
اداروں کے سلسلے میں جماعت کی پالیسی ۱۳۷
نیک بننا اور نیکی کی طرف بلانا ۱۳۹
رپورٹوں میں خود کو کم تر بتانا مناسب نہیں ہے ۱۴۰
تنقید کے آداب کا خیال رکھیں ۱۴۰
حق کا احترام شخصیتوں کے احترام سے زیادہ ہو ۱۴۱
عوام میں تبلیغ کے ضروری اصول ۱۴۲
رپورٹ کیسی ہو؟ ۱۴۳
کوتاہی کے اعتراف کا فتنہ ۱۴۴
صرف تیز رفتاری نہیں، صحیح سمت میں تیز رفتاری ۱۴۵
مخالفتوں کا خیر مقدم ۱۴۶

دعوت قبول کرنے میں دیر کیوں ہورہی ہے؟ ۱۴۷
سیاسی جماعتوں کی مخالفت اور ہمارا رویہ ۱۴۹
جماعتی نظم اور ڈسپلن کی پابندی ۱۵۱
جڑ اور شاخ میں فرق کرنا ضروری ہے ۱۵۲
تقویٰ اور دین داری کا صحیح تصور ۱۵۳
تقویٰ کے بناوٹی تقاضے ۱۵۴
حقیقی تقویٰ کیا ہے؟ ۱۵۵

اسلامی تحریک کی اخلاقی طاقت ۱۵۷

ہماری آخری منزل کیا ہے؟ ۱۵۷
باگ ڈور کی اہمیت ۱۵۸
واقعات کی گواہی ۱۵۹
صحیح قیادت قائم کرنا دین کا حقیقی مقصد ہے ۱۶۰
قیادت کے بارے میں اللہ کا قانون ۱۶۳
چڑھاؤ اور گراوٹ کا فیصلہ اخلاق سے ہوتا ہے ۱۶۴
بنیادی اخلاق ۱۶۵
بنیادی اخلاق کی اہمیت ۱۶۶
بنیادی اخلاق کے لیے اسلامی اخلاق کی اہمیت ۱۶۷
اللہ کے قانون کا خلاصہ ۱۶۹
بنیادی اخلاق اور اسلامی اخلاق کی طاقت کا فرق ۱۷۱
بنیادی اخلاق کا محدود اثر ۱۷۲
عمدہ اخلاق کی زبردست طاقت ۱۷۴
اسلامی اخلاق کے چار درجے ۱۷۷
ایمان ۱۷۸
اسلام ۱۸۱
ایمان اور عمل کا تعلق ۱۸۲
تقویٰ ۱۸۳
حقیقی تقویٰ اور بناوٹی تقویٰ کا فرق ۱۸۵
اصل چیز تقویٰ کی حقیقت ہے ۱۸۶
احسان ۱۸۷

سچی وفاداری نہیں تو احسان نہیں ۱۸۸
دین میں اصل اہمیت کس چیز کی ہے؟ ۱۸۹
رسول کس غرض کے لیے بھیجے گئے؟ ۱۹۰
رسولِ کریم ﷺ کے کام کی ترتیب ۱۹۱
اصلی قدر کس چیز کی ہے؟ ۱۹۲

اجتماعات کا معیار ۱۹۵
اجتماع کے آداب ۱۹۵
ذکر الٰہی کا اہتمام ۱۹۵
ذکر کے ساتھ فکر بھی ضروری ہے ۱۹۶
نظم کی پابندی کا خیال ۱۹۷
اجتماعی سفر کے آداب کا خیال ۱۹۸
اجتماعات کا مقصد سامنے رکھیں ۱۹۹
آپس میں تعارف ۱۹۹
فکر کو سمجھنے سمجھانے کا موقع ۲۰۰
اجتماع کے بعد اپنا احتساب ۲۰۰
جماعت اسلامی سے سچے تعلق کی کسوٹی ۲۰۱
اللہ کی یاد، پوری زندگی کا زادِ راہ ۲۰۵

خواتین کا مطلوبہ کردار ۲۰۷

ہندوستان میں کام کا نقشہ ۲۱۴
قومی کش مکش کا خاتمہ کیا جائے ۲۱۴
مسلمانوں کو اسلام کا عملی ترجمان بنائیں ۲۱۵
ذہنی صلاحیتوں کو مقصد سے وابستہ کریں ۲۱۷
ملک کی تمام زبانوں کو وسیلۂ دعوت بنائیں ۲۱۸

تحریکی جذبہ ۲۲۱

روشنی کا سرچشمہ: اللہ کی یاد ۲۲۱
جماعتی سیرت کی تعمیر ۲۲۱
ملک کے حالات اور ہماری ذمہ داریاں ۲۲۵
اللہ پر بھروسا اور اپنی قوت پر اعتماد ۲۲۷

آپ کا عقیدہ آپ کے لیے کسوٹی ۲۲۸
تحریک سے ہم دردی پر اکتفانہ کریں ۲۲۹
عوام میں اپنا اثر بڑھائیں ۲۳۱
تعلیم بالغان کی اہمیت ۲۳۲
اپنے اندر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا جذبہ پیدا کریں ۲۳۳
دوسروں کے اداروں سے ہمارا تعلق ۲۳۴
ذکر کے دوسرے رائج طریقے ۲۳۴
قرآن وحدیث کے ذکر کا ورد ۲۳۶
ہم تو اپنا تزکیہ چاہتے ہیں ۲۳۶
دعوت دین، معیاری اور ترقی یافتہ طریقوں سے ۲۳۷

اسلام کی دعوت کیا اور کیسے؟ ۲۳۹
ہماری دعوت کیا ہے؟ ۲۳۹
ہماری دعوت کے تین نکات ۲۳۹
دعوت قبول کرنے کی آزمائشیں ۲۴۰
دعوت دینے کی آزمائشیں ۲۴۲
تبلیغ میں کن باتوں کا خیال رکھیں؟ ۲۴۳
یہ صبر، برداشت اور لگاتار محنت کا راستہ ہے ۲۴۴

قانونی اور حقیقی اسلام کا فرق ۲۴۶
قانونی اسلام کی ضرورت ۲۴۷
قانونی اور حقیقی اسلام کا فرق آخرت میں ۲۴۸
قانونی اور حقیقی اسلام کا فرق دنیا میں ۲۴۸
دنیا کا ہر طریقہ اخلاص اور قربانی مانگتا ہے ۲۵۰
اللہ کے لیے قربانی دینا اللہ کا حق ہے ۲۵۱
اپنے اسلام کا جائزہ لیں ۲۵۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

روداد جماعت اسلامی حصہ اول تا حصہ پنجم کا شمار جماعت اسلامی ہند کے اہم تربیتی لٹریچر میں ہوتا ہے۔ توقع کی جاتی ہے کہ جماعت اسلامی ہند میں شامل ہونے والا ہر نیا فرد اس کا مطالعہ کرلے تاکہ وہ جماعت اسلامی کی تاریخ، اس کی قدروں اور روایات نیز اس کے تنظیمی کلچر سے بڑی حد تک واقف ہوجائے۔

جماعت اسلامی ہند میں شامل ہونے والے نئے افراد کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے رواں میقات میں تصنیفی اکیڈمی جماعت اسلامی ہند نے منصوبہ بنایا ہے کہ کتاب کے تربیتی پہلو سے زیادہ مفید حصے کو الگ کرکے اسے ممکن حد تک آسان زبان میں منتقل کردیا جائے۔

تلخیص اور تسہیل کے اس عمل کے دوران اس بات کو یقینی بنایا گیا ہے کہ عبارت کا اصل مفہوم باقی رہے، اور اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ کتاب کو زیادہ مفید بنانے کے لیے ذیلی عنوانات کا اضافہ کیا گیا ہے، اور اہم اقتباسات اور نکات کو نمایاں کرکے پیش کیا گیا ہے۔

یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اس کتاب کی حیثیت اصل کتاب سے کشید کیے ہوئے ایک تربیتی وسیلے کی ہے۔ علمی واکیڈمی ضروریات پوری کرنے اور کتاب کے حوالے دینے کے لیے بہرحال اصل کتاب ہی ماخذ بنے گی۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس کوشش کو مفید اور کارآمد بنائے۔ آمین

محی الدین غازی

۲۰/دسمبر ۲۰۲۰

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کے قلم سے "مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش۔ حصہ سوم' میں اسلامی تحریک کی تشریح اور اس کے لیے کام کرنے والی ایک جماعت کی ضرورت سمجھائی جاچکی تھی اور اس ضروری جماعت کو بنانے کا نقشہ بھی پیش کر دیا گیا تھا۔ اس کے چھپنے کے بعد "ترجمان القرآن' ماہِ صفر ۱۳۶۰ھ میں عام لوگوں کو دعوت دی گئی کہ جو لوگ اس نظریے کو مان کر اس طریقے پر عمل کرنا چاہتے ہوں، وہ دفتر کو خبر کریں۔ پرچہ چھپنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد اطلاعات آنی شروع ہوگئیں اور معلوم ہوا کہ ملک میں ایسے لوگوں کی ایک خاص تعداد موجود ہے جو "جماعتِ اسلامی' کو بنانے اور اسے قائم کرنے اور باقی رکھنے کے لیے کوشش کرنے پر تیار ہیں۔ اس لیے یہ طے کرلیا گیا کہ ان تمام لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کرکے ایک جماعتی شکل بنالی جائے اور پھر اسلامی تحریک کو باقاعدہ اٹھانے کی تدبیریں سوچی جائیں۔ اس مقصد کے لیے یکم شعبان ۱۳۶۰ھ (۲۵/ اگست ۱۹۴۱ء) اجتماع کی تاریخ طے ہوئی۔ جن لوگوں نے جماعتِ اسلامی میں شامل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تھا، ان سب کو کہا گیا کہ جہاں ابتدائی جماعتیں بن گئی ہیں، وہاں سے صرف چنے گئے نمائندے آئیں اور جہاں لوگ ابھی اکا دکا ہیں وہاں سے جہاں تک ہو سکے، ہر شخص آجائے۔

۲۸/ رجب سے ہی لوگ آنے شروع ہوگئے اور پہلی شعبان تک لگ بھگ ساٹھ آدمی آچکے تھے۔ باقی سب لوگ بعد میں آئے، اجتماع میں شریک ہونے والوں کی کل تعداد ۷۵ تھی۔

پہلی پکار، پہلا اجتماع

غیر رسمی گفتگو

یکم شعبان ۱۳۶۰ھ کو پہلا دن تھا۔ آنے والوں کا انتظار تھا۔ چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا کر لوگ بیٹھ گئے تھے۔ صبح سے شام تک جماعت اور تحریک کے متعلق باتیں ہوتی رہیں۔ شام کو دیر تک لوگ دفتر ترجمان القرآن کے صحن میں بیٹھے رہے۔ قریب قریب ہر شخص کا دھیان مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی طرف تھا۔ لوگ مختلف قسم کے مسائل پیش کرتے اور مولانا مودودیؒ انھیں حل کرتے۔

باضابطہ آغاز

اگلے روز صبح آٹھ بجے دفتر میں پہلا اجتماع ہوا۔ سب لوگ فرش پر بیٹھے تھے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اصل کارروائی شروع کرنے سے پہلے ایک بہت اہم اور لمبی تقریر کی۔ جس میں موجودہ اسلامی تحریک کی تاریخ پر ضروری اور مفید روشنی ڈالی۔ آپ نے بتایا کہ ایک وقت تھا کہ عام مسلمانوں کی طرح میں خود بھی روایتی اور نسلی مذہب والی سوچ رکھتا اور اس پر عمل کرتا تھا۔ جب ہوش آیا تو محسوس ہوا کہ اس طرح باپ دادا سے ملے ہوئے طریقے کی پیروی ایک بے معنی چیز ہے۔ آخر میں نے اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول کی سنت کی طرف توجہ کی۔ اسلام کو سمجھا اور سوچ سمجھ کر اس پر ایمان لایا۔ پھر آہستہ آہستہ اسلام کے پورے اور تفصیلی نظام کو سمجھنے اور معلوم کرنے کی کوشش کی۔ جب اللہ تعالیٰ نے دل کو اس طرف سے پوری طرح مطمئن کر دیا تو جس حق پر خود ایمان لایا تھا اس کی طرف دوسروں کو بلانے کا سلسلہ شروع کیا اور اس مقصد کے لیے ۱۳۵۲ھ

میں رسالہ "ترجمان القرآن" جاری کیا۔ شروع کے چند سال الجھنوں کو صاف کرنے اور دین کا ایک واضح تصور پیش کرنے میں لگے۔ اس کے بعد دین کو ایک تحریک کی شکل میں جاری کرنے کے لیے قدم بڑھایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری زندگی میں دین داری بس ایک انفرادی رویے کی صورت میں بے جان اور بے حرکت نہ رہ جائے بلکہ ہم اجتماعی صورت میں دینی نظام کو قائم کرنے اور رکاوٹ ڈالنے والی قوتوں کو اس کے راستے سے ہٹانے کے لیے کوشش بھی کریں۔ "ادارہ دارالاسلام" کا قیام اس سلسلے کا پہلا قدم تھا۔ ۱۳۵۷ھ (۱۹۳۸ء) میں یہ قدم اٹھایا گیا اور اس وقت صرف چار آدمی اس کام میں ساتھی بنے۔ اس چھوٹے سے آغاز کو اس وقت بہت معمولی سمجھا گیا، مگر اللہ کا شکر ہے کہ ہم بد دل نہ ہوئے اور اسلامی تحریک کی طرف دعوت دینے اور اس تحریک کے لیے نظری حیثیت سے ذہن ہم وار کرنے کا کام لگاتار کرتے چلے گئے۔ اس دوران میں ایک ایک دو دو کر کے ساتھیوں کی تعداد بڑھتی رہی۔ ملک کے مختلف حصوں میں ہم خیال لوگوں کے چھوٹے چھوٹے حلقے بھی بنتے رہے۔ اور لٹریچر کی اشاعت کے ساتھ ساتھ زبانی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ آخر میں تحریک کے اثرات کا گہرا جائزہ لینے کے بعد محسوس ہوا کہ اب جماعتِ اسلامی کو قائم کرنے اور اسلامی تحریک کو منظم طور پر اٹھانے کے لیے زمین تیار ہو چکی ہے اور یہ وقت دوسرا قدم اٹھانے کے لیے بہت مناسب وقت ہے۔ اس لیے اسی بنیاد پر یہ اجتماع کیا گیا۔

جماعت اسلامی اور دوسری تحریکوں کے درمیان فرق

اس تاریخی تبصرے کے بعد مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بیان کیا کہ مسلمانوں میں عام طور پر جو تحریکیں اٹھتی رہی ہیں، اور جو اب چل رہی ہیں، پہلے ان کے اور اس تحریک کے اصولی فرق کو سمجھ لینا چاہیے:

ا۔ ان میں یا تو اسلام کے کسی حصے کو یا مسلمانوں کے دنیوی مقاصد میں سے کسی مقصد کو لے کر تحریک بنائی گئی ہے۔ لیکن ہم اسلام اور اصل اسلام کو لے کر اٹھ رہے ہیں، اور پورا کا پورا اسلام ہی ہماری تحریک ہے۔

۲۔ ان میں جماعتی تنظیم دنیا کی مختلف انجمنوں اور پارٹیوں کے ڈھنگ پر کی گئی ہے۔ مگر ہم جماعت کا ٹھیک وہی نظام اختیار کر رہے ہیں جو شروع میں رسول اللہ ﷺ کی جماعت کا تھا۔

۳۔ ان میں ہر قسم کے آدمی یہ مان کر بھرتی کر لیے گئے ہیں کہ جب یہ مسلمان قوم میں پیدا ہوئے ہیں تو "مسلمان" ہی ہوں گے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ارکان سے لے کر کارکنوں اور لیڈروں تک بہت زیادہ ایسے آدمی ان جماعتوں کے نظام میں گھس گئے جو اپنی سیرت کے اعتبار سے اعتماد کے قابل نہیں تھے اور کسی امانت کے بوجھ کو سنبھالنے کے لائق نہ تھے۔ لیکن ہم کسی شخص کو یہ مان کر نہیں لیتے کہ وہ مسلمان "ہوگا" بلکہ جب وہ کلمۂ طیبہ کے مطلب اور اس کے تقاضوں کو جان کر اس پر ایمان لانے کا اقرار کرتا ہے تب اسے جماعت میں لیتے ہیں اور جماعت میں آنے کے بعد اس کے جماعت میں رہنے کے لیے اس بات کو ضروری شرط ٹھہراتے ہیں کہ اسلام میں جو کم سے کم ایمانی تقاضے ہیں ان کو پورا کرے۔ اس طرح ان شاء اللہ مسلمان قوم میں سے صرف صالح لوگ ہی چھٹ کر جماعت میں آئیں گے، اور جو جو صالح بنتا جائے گا اس جماعت میں داخل ہوتا جائے گا۔

۴۔ ان تحریکوں کی نظر ہندوستان تک اور ہندوستان میں بھی صرف مسلم قوم تک محدود رہی ہے۔ کسی نے وسعت اختیار کی تو زیادہ سے زیادہ بس اتنی کہ دنیا کے مسلمانوں تک نظر پھیلا دی۔ مگر یہ تحریکیں صرف ان لوگوں تک محدود رہیں جو پہلے سے "مسلم قوم" میں شامل ہیں، اور ان کی دل چسپیاں بھی انھی مسائل تک محدود رہیں، جن کا تعلق مسلمانوں سے ہے۔ ان کے کاموں میں کوئی چیز ایسی نہیں رہی ہے جو غیر مسلموں کو اپیل کرنے والی ہو، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے بہتوں کی سرگرمیاں غیر مسلموں کے اسلام کی طرف آنے میں الٹی رکاوٹ بن گئیں۔ لیکن ہمارے لیے خود اسلام ہی تحریک ہے اور اسلام کی دعوت تمام دنیا کے انسانوں کے لیے ہے، اس لیے ہماری نظر کسی خاص قوم یا کسی خاص ملک کے خاص وقتی مسائل میں الجھی ہوئی نہیں ہے بلکہ تمام انسانوں اور ساری زمین پر پھیلی ہوئی ہے۔ تمام انسانوں کی زندگی کے مسائل

ہمارے مسائل ہیں۔ اور اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت سے ہم ان مسائل کا وہ حل پیش کرتے ہیں، جس میں سب کی کام یابی اور سب کے لیے سعادت ہے۔ اس طرح ہماری جماعت میں نہ صرف پیدائشی مسلمانوں کا صالح حصہ کھنچ کر آئے گا، بلکہ نسلی غیر مسلموں میں بھی جو نیک لوگ موجود ہیں وہ ان شاء اللہ اس میں آتے جائیں گے۔

دوسری تحریکیں	تحریک اسلامی
اسلام کے کسی ایک حصے یا دنیوی مقصد کے لیے ہیں	پورے کا پورا اسلام تحریک اسلامی کا مقصد ہے
طریقہ اور نظام انجمنوں اور پارٹیوں کے ڈھنگ پر	نظام اور طریقہ وہی جو رسول اللہ ﷺ کی جماعت کا تھا
ممبر ہونے کے لیے ''مسلمان'' ہونا کافی ہے	مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ نیک اور صالح ہونا شرط ہے
صرف مسلمانوں کے وقتی مسائل تک سمٹی ہوئی ہیں	دنیا کے تمام انسانوں اور ان کے تمام مسائل کے لیے

اس وضاحت کے بعد مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے فرمایا کہ یہی خصوصیات ہیں جن کی بنا پر ہم اپنی اس جماعت کو ''اسلامی جماعت'' اور اس تحریک کو ''اسلامی تحریک'' کہتے ہیں۔ کیوں کہ جب اس کا عقیدہ، مقصد، نظام اور کام کا طریقہ بلا کسی کمی بیشی کے وہی ہے جو اسلام کا ہمیشہ رہا ہے تو اس کے لیے اسلامی جماعت کے سوا کوئی دوسرا نام نہیں ہوسکتا۔ اور جب یہ اسلام کے مقصد کی طرف اسلامی طریقے ہی پر حرکت کرتی ہے تو اس کی تحریک، اسلامی تحریک کے سوا کچھ نہیں ہے۔ مگر نبوت کے زمانے کے بعد جب کبھی ایسی کوئی تحریک دنیا میں اٹھی ہے، اس کو دو زبردست اندرونی خطرے پیش آئے ہیں:

اسلامی جماعت کو درپیش اندرونی خطرے

ا۔ ایسی جماعت بننے اور ایسی تحریک لے کر اٹھنے کے بعد بہت جلدی لوگ اس غلط فہمی میں پڑ گئے ہیں کہ ان کی جماعت کی حیثیت وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں اسلامی

جماعت کی تھی، دوسرے لفظوں میں یہ کہ جو اس جماعت میں نہیں وہ مومن نہیں ہے اور جو جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم کا ایندھن بنا۔ یہ چیز بہت جلد اس جماعت کو مسلمانوں کا ایک الگ فرقہ بنا کر رکھ دیتی ہے اور پھر اس کا سارا وقت اپنا کام کرنے کے بجائے دوسرے مسلمانوں سے الجھنے اور مناظرے کرنے میں کھپ جاتا ہے۔

۲۔ ایسی جماعتیں جس کو اپنا امیر یا امام تسلیم کرتی ہیں اس کے متعلق ان کو یہ غلط فہمی ہوجاتی ہے کہ اس کی وہی حیثیت ہے جو نبی ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کی تھی، یعنی جس نے اس امام کی بیعت نہیں کی وہ اسلام سے باہر ہے۔ اور اس غلط فہمی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی ساری محنت اور کوشش بس اپنے امیر یا امام کی امامت کو منوانے میں لگ جاتی ہے۔

ہمیں ان دونوں خطروں سے بچ کر چلنا ہے۔

امت کے اندر اسلامی جماعت کی حیثیت

خوب سمجھ لیں کہ ہماری حیثیت ٹھیک اس جماعت کی سی نہیں ہے جو شروع میں کسی نبی کی قیادت میں بنتی ہے، بلکہ ہماری صحیح حیثیت اس جماعت کی ہے جو اصل جماعت کے درہم برہم ہوجانے کے بعد اس کو تازہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ نبی کی قیادت میں جو جماعت بنتی ہے وہ تمام دنیا میں ایک ہی اسلامی جماعت ہوتی ہے اور اس کے باہر صرف کفر ہی ہوتا ہے۔ مگر بعد میں اس نظام اور کام کو تازہ کرنے کے لیے جو لوگ اٹھیں ضروری نہیں کہ ان سب کی بھی ایک ہی جماعت ہو۔ ایسی جماعتیں ایک وقت میں بہت سی ہوسکتی ہیں، اور ان میں سے کسی کو بھی یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ بس ہم ہی اسلامی جماعت ہیں اور ہمارا امیر ہی سب مسلمانوں کا امیر ہے۔ اس معاملے میں تمام ان لوگوں کو جو ہماری جماعت میں شامل ہوں حد سے آگے ہرگز نہیں بڑھنا چاہیے، کیوں کہ ہم کو مسلمانوں میں ایک "فرقہ" بننا نہیں ہے، اللہ ہمیں اس سے بچائے کہ ہم اس کے دین کے لیے کچھ کام کرنے کے بجائے خرابیاں پیدا کرنے والے بن جائیں۔

اسلامی تحریک ہر میدان میں

جماعت اسلامی کے لیے دنیا میں کرنے کا جو کام ہے اس کا کوئی چھوٹا تصور اپنے ذہن میں

قائم نہ کریں۔ اصل میں اس کے لیے کام کا کوئی ایک ہی میدان نہیں ہے، بلکہ پوری انسانی زندگی، چاہے جہاں جہاں تک پھیلی ہو، اس کے کام کے دائرے میں آتی ہے۔ اسلام تمام انسانوں کے لیے ہے، اور ہر چیز جس کا انسان سے کوئی تعلق ہے اس کا اسلام سے بھی تعلق ہے۔ اس لیے اسلامی تحریک ہر میدان تک پہنچنے والی تحریک ہے اور یہ خیال کرنا غلط ہے کہ اس تحریک میں کام کرنے کے لیے صرف خاص قابلیتوں اور خاص علمی معیار کے آدمیوں ہی کی ضرورت ہے۔ نہیں، یہاں ہر انسان کے لیے کام موجود ہے، کوئی انسان بے کار نہیں ہے۔ جو شخص جو قابلیت بھی رکھتا ہو، اس کے لحاظ سے وہ اسلام کی خدمت میں اپنا حصہ ادا کرسکتا ہے۔ عورت، مرد، بوڑھا، جوان، دیہاتی، شہری، کسان، مزدور، تاجر، ملازم، مقرر، قلم کار، ادیب، ان پڑھ اور عالم فاضل، سب اس کے کام آنے والے اور سب فائدہ مند ہوسکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر اسلام کے عقیدے کو اختیار کرلیں، اس کے مطابق عمل کرنے کا فیصلہ کرلیں، اور اس مقصد کو جسے اسلام نے مسلمان کا مقصد قرار دیا ہے اپنی زندگی کا مقصد بنا کر کام کرنے پر تیار ہو جائیں۔

مشکلات سے بھرپور راستہ

یہ بات ہر اس شخص کو، جو جماعت اسلامی میں آئے، اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جو کام اس جماعت کے سامنے ہے وہ کوئی ہلکا اور آسان کام نہیں ہے۔ اسے دنیا کی زندگی کے پورے نظام کو بدلنا ہے۔ اسے دنیا کے اخلاق، سیاست، تمدن، معیشت، معاشرت ہر چیز کو بدل ڈالنا ہے۔ دنیا میں زندگی کا جو نظام اللہ سے بغاوت پر قائم ہے اسے بدل کر اللہ کی اطاعت پر قائم کرنا ہے اور اس کام میں تمام شیطانی طاقتوں سے اس کی جنگ ہے۔ اس کو اگر کوئی ہلکا کام سمجھ کر آئے گا تو بہت جلدی مشکلات کے پہاڑ اپنے سامنے دیکھ کر اس کی ہمت ٹوٹ جائے گی۔ اس لیے ہر شخص کو قدم آگے بڑھانے سے پہلے خوب سمجھ لینا چاہیے کہ وہ کس کانٹوں بھرے راستے میں قدم رکھ رہا ہے۔ یہ وہ راستہ نہیں ہے، جس میں آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹ جانا دونوں برابر ہوں۔ نہیں۔ یہاں پیچھے ہٹنے کے معنی دین میں پیچھے ہٹنے کے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس جماعت سے نکلنے کا مطلب

دین سے نکل جانا ہے، بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں آگے بڑھنے کے بعد مشکلات، مصیبتیں، نقصان اور خطروں کو سامنے دیکھ کر پیچھے ہٹ جانا اپنی روح اور اپنی حقیقت کے اعتبار سے دین میں پیچھے ہٹ جانا ہے۔ اس لیے قدم اٹھانے سے پہلے خوب سوچ لو جو قدم بڑھاؤ اس ارادے کے ساتھ بڑھاؤ کہ اب یہ قدم پیچھے نہیں پڑے گا۔ جو شخص اپنے اندر ذرا بھی کم زوری محسوس کرتا ہو بہتر ہے کہ وہ اسی وقت رک جائے۔

جماعت میں بانی جماعت کی حیثیت

آخر میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے فرمایا کہ اس اجتماع کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اسلامی عقیدے کو جان بوجھ کر قبول کریں اور اس مقصد کے لیے کام کرنے پر تیار ہوں، وہ اپنی الگ الگ حیثیت کو ختم کر کے اللہ اور رسول کی ہدایت کے مطابق ایک جماعت بن جائیں، اور آپس کے مشورے سے جماعتی طریقے پر آئندہ کام کرنے کے لیے ایک نظام بنالیں۔ میرا کام آپ کو ایک جماعت بنا دینے کے بعد پورا ہو جاتا ہے۔ میں صرف ایک بلانے والا تھا، بھولا ہوا سبق یاد دلانے کی کوشش کر رہا تھا، اور میری تمام کوششوں کا مقصد یہ تھا کہ جماعت کا ایسا ایک نظام بن جائے۔ جماعت بن جانے کے بعد میں آپ میں کا ایک فرد ہوں، اب یہ جماعت کا کام ہے کہ اپنے میں سے کسی زیادہ اہل آدمی کو اپنا امیر چنے۔ اور پھر یہ اس امیر کا کام ہے کہ آئندہ اس تحریک کو چلانے کے لیے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق ایک پروگرام بنائے اور اسے عمل میں لائے۔ میرے متعلق کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ جب دعوت میں نے دی ہے تو آئندہ اس تحریک کی رہ نمائی کو بھی میں اپنا ہی حق سمجھتا ہوں۔ ہر گز نہیں۔ نہ میں اس کا خواہش مند ہوں، نہ اس نظریے کا قائل ہوں کہ داعی کو ہی، آخر کار لیڈر بھی ہونا چاہیے۔ نہ مجھے اپنے متعلق یہ خیال ہے کہ اس عظیم تحریک کا لیڈر بننے کی اہلیت مجھ میں ہے۔ اور نہ اس کام کی بھاری ذمہ داریوں کو دیکھتے ہوئے کوئی سمجھ دار آدمی یہ بے وقوفی کر سکتا ہے کہ اس بوجھ کے اپنے کندھوں پر لادے جانے کی خود تمنا کرے۔ میری سب سے بڑی تمنا اگر کچھ ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ ایک صحیح اسلامی جماعت موجود ہو اور میں اس میں

شامل ہوں۔ اسلامی جماعت کے اندر میرے نزدیک ایک چپراسی کی خدمت انجام دینا بھی اس سے زیادہ قابل فخر ہے کہ کسی غیر اسلامی نظام میں صدارت اور وزارت عظمیٰ کا عہدہ مجھے حاصل ہو۔ لہٰذا یہ مان کر نہ چلیں کہ جس طرح جماعت بننے سے پہلے سارے کام میں اپنی ذمے داری میں چلاتا رہا ہوں اسی طرح جماعت بننے کے بعد بھی میں ہی آپ سے آپ امارت کا کام اپنے ہاتھ میں لے لوں گا۔ جماعت بن جانے کے بعد میری اب تک کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ آئندہ کے کام کی پوری ذمے داری جماعت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور جماعت اپنی طرف سے اس ذمے داری کو جس کے بھی سپرد کرنے کا فیصلہ کرے اس کی اطاعت اور خیر خواہی اور اس کے ساتھ تعاون کرنا جماعت کے ہر فرد کی طرح میرا بھی فرض ہوگا۔

جماعت کی تشکیل کا حسین منظر

جماعت کے دستور پر اتفاق کر لینے کے بعد سب سے پہلے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اٹھے اور کلمہ شہادت أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ دہرایا اور کہا کہ لوگو! گواہ رہو کہ میں آج نئے سرے سے ایمان لاتا ہوں اور جماعت اسلامی میں شریک ہوتا ہوں۔ اس کے بعد مولانا محمد منظور نعمانیؒ کھڑے ہوئے اور آپ نے بھی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی طرح ایمان کو تازہ کرنے کا اعلان کیا۔ اس کے بعد حاضرین میں سے باری باری کر کے ہر شخص اٹھا، کلمہ شہادت ادا کیا، اور جماعت میں شریک ہوا۔ اکثر لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ بلکہ کچھ لوگوں پر تو روتے روتے رقت طاری ہوگئی تھی۔ قریب قریب ہر شخص کلمہ شہادت ادا کرتے وقت ذمہ داری کے احساس سے کانپ رہا تھا۔ جب لوگ شہادت ادا کر چکے تو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اعلان کیا کہ اب جماعت اسلامی بن گئی، آئیں ہم سب مل کر اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہماری جماعت کو استقامت اور مضبوطی بخشے اور ہم کو اپنی کتاب اور اپنے رسول کی سنت کے مطابق چلنے کی توفیق دے۔ دعا سے پہلے مولانا مودودیؒ نے اسلامی جماعت کی حیثیت اور اس کے مقصد پر پھر ایک مرتبہ روشنی ڈالی اور حاضرین کو آگاہ کیا کہ انھوں نے آج کتنا بڑا عہد کیا ہے اور اس کو کس طرح نباہنا

چاہیے۔ اس کے بعد مولانا منظور نعمانیؒ نے دعا شروع کی۔ دیر تک لوگ اللہ کے حضور میں روتے اور گڑگڑاتے رہے۔

کام کا آغاز

تیسرے دن صبح آٹھ بجے پھر اجتماع ہوا۔ سب سے پہلے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ایک ایک رکن جماعت کو الگ الگ بلا کر اس سے معلوم کیا کہ وہ اپنے آپ کو جماعت کے کس شعبے کے لیے پیش کرتا ہے۔ پھر جب ارکان جماعت کی شعبہ وار فہرست مکمل ہوگئی تو مولانا مودودیؒ تقریر کے لیے اٹھے اور فرمایا:

ایک کلمہ ایک جماعت

جو لوگ ایک ہی عقیدہ ایک ہی مقصد اور ایک ہی مسلک رکھتے ہوں ان کے لیے ایک جماعت بن جانے کے سوا کوئی راستہ نہیں، اور ان کا ایک جماعت بن جانا بالکل فطری بات ہے۔ کلمہ ایک ہو تو اتحاد ضرور ہوتا ہے۔ اور فرقہ بندی صرف اس جگہ ہوتی ہے جہاں کلمہ الگ الگ ہو۔ کلمہ ایک ہوتے ہوئے بھی نفس کی خواہش کی بنا پر جو فرقہ بندی ہوتی ہے اس کی وجہ بھی اصل میں یہ ہوتی ہے کہ نفس کی خواہش خود ایک کلمہ ہے جو اسلام کے کلمے کی ضد ہوتا ہے اور جو اس کلمے کو دل میں بٹھالیتا ہے وہ باقی تمام باتوں میں دوسروں سے متفق ہونے کے بعد بھی اپنا راستہ الگ بناتا ہے۔ جب آپ نے کلمہ شہادت ادا کیا کہ آپ سب ایک ہی عقیدہ، ایک ہی مقصد، اور ایک ہی راستہ رکھتے ہیں، یعنی آپ کا کلمہ ایک ہے تو آپ خود ایک جماعت بن گئے اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ میں یا آپ میں سے کسی میں وہ نفس کی خواہش ہو جو مومنوں کا راستہ چھوڑنے اور دوسرا کوئی راستہ اپنانے پر کسی کو تیار کرلے۔ اس وقت آپ کی جماعتی زندگی کا آغاز ہو رہا ہے۔ جماعت بنانے کے لیے کوئی قدم اٹھانے سے پہلے آپ کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام میں جماعتی زندگی کے اصول کیا ہیں۔ میں اس سلسلے میں چند اہم باتیں بیان کروں گا۔

جماعتی زندگی کے قواعد

جماعت کے خیر خواہ بنیں

جماعت کے ہر فرد کو جماعت کے پورے نظام کا اور جماعت کے ہر ہر فرد کا سچے دل سے خیر خواہ ہونا چاہیے۔ جماعت کا برا چاہنا، یا افرادِ جماعت سے کینہ، بغض یا حسد رکھنا، ان سے بد گمان ہونا اور انھیں تکلیف پہنچانا وہ سب سے برے جرائم ہیں، جن کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے ایمان کے خلاف قرار دیا ہے۔

اللہ کی خاطر جماعت سے جڑیں

آپ کی اس جماعت کی حیثیت دنیوی پارٹیوں کی سی نہیں ہے جن کا نعرہ یہ ہوتا ہے کہ "میری پارٹی، حق پر ہو یا ناحق پر!" نہیں، آپ کو جس رشتے نے ایک دوسرے سے جوڑا ہے وہ اصل میں اللہ پر ایمان کا رشتہ ہے، اور اللہ پر ایمان کا سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی دوستی اور دشمنی، محبت اور نفرت، جو کچھ بھی ہو، اللہ کے لیے ہو۔ آپ کو اللہ کی فرماں برداری میں ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے، نہ کہ اللہ کی نافرمانی میں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جماعت کی خیر خواہی کا جو فرض آپ پر عائد ہوتا ہے اس کے معنی صرف یہی نہیں ہیں کہ باہری حملوں سے آپ اس کی حفاظت کریں، بلکہ یہ بھی ہیں کہ ان اندرونی امراض سے بھی اس کی حفاظت کے لیے ہر وقت چوکس رہیں جو جماعت کے نظام کو خراب کرنے والے ہیں۔ جماعت کی سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کو سیدھے راستے سے نہ ہٹنے دیا جائے۔ اس میں غلط مقاصد اور غلط خیالات اور غلط طریقوں کے پھیلنے کو روکا جائے۔ اس میں نفسانی دھڑے بندیاں نہ پیدا ہونے دی جائیں۔ اس میں کسی کی من مانی کو نہ چلنے دیا جائے، اس میں کسی دنیوی مقصد یا کسی شخصیت کو بت نہ بننے دیا جائے، اور اس کے دستور کو بگڑنے سے بچایا جائے۔ اسی طرح اپنے رفقائے جماعت کی خیر خواہی کا جو فرض آپ میں سے ہر شخص پر عائد ہوتا ہے اس کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ آپ اپنی جماعت کے آدمیوں کی غلط حمایت کریں اور ان کی غلطیوں میں ان کا ساتھ دیں، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ بھلائی کے کاموں میں ان کے

ساتھ تعاون کریں، اور برائی کے کاموں میں تعاون نہ کرنے ہی پر بس نہ کریں، بلکہ ان کی اصلاح کی بھی کوشش کریں۔ ایک مومن دوسرے مومن کے ساتھ سب سے بڑی خیر خواہی جو کرسکتا ہے وہ یہ ہے کہ جہاں اس کو سیدھے راستے سے بھٹکتے ہوئے دیکھے وہاں اسے سیدھا راستہ دکھائے اور جب وہ اپنے اوپر ظلم کررہا ہو تو اس کا ہاتھ پکڑے۔ البتہ آپس کی اصلاح میں یہ ضرور سامنے رہنا چاہیے کہ نصیحت میں عیب ڈھونڈنے، اور چھوٹی چھوٹی باتیں پکڑنے اور سختی کرنے والی باتیں نہ ہوں، بلکہ دوستانہ دردمندی و اخلاص کا طریقہ ہو۔ جس کی آپ اصلاح کرنا چاہتے ہیں اس کو آپ کے عمل سے یہ محسوس ہونا چاہیے کہ اس کی اخلاقی بیماری سے آپ کا دل دکھتا ہے نہ کہ اس کو اپنے سے نیچے دیکھ کر آپ کے اندر گھمنڈ لذت لے رہا ہے۔

سازشوں سے دور رہیں

جماعت کے اندر جماعت بنانے کی کوشش کبھی نہ ہونی چاہیے۔ سازشیں، جتھے بندیاں، سرگوشی (canvassing) عہدوں کی امیدواری، جاہلانہ جذبے اور نفسانی دشمنیاں، یہ وہ چیزیں ہیں جو ویسے بھی جماعتوں کی زندگی کے لیے سخت خطرناک ہوتی ہیں۔ مگر اسلامی جماعت کے مزاج سے تو ان چیزوں کا کوئی جوڑ ہی نہیں ہے۔ اسی طرح غیبت اور برے القاب سے پکارنا اور بدگمانی رکھنا بھی جماعتی زندگی کے لیے بہت خطرناک بیماریاں ہیں جن سے بچنے کی ہم سب کو کوشش کرنی چاہیے۔

آپس میں مشورہ ضرور کرتے رہیں

آپس میں مشورہ کرنا جماعتی زندگی کی جان ہے۔ یہ کبھی بھولنا نہ چاہیے کہ جس شخص کے اوپر کسی جماعتی کام کی ذمہ داری ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے کاموں میں دوسرے رفیقوں سے مشورے لے۔ اور جس سے مشورہ لیا جائے اس کا فرض ہے کہ اچھی نیت کے ساتھ اپنی حقیقی رائے کا صاف صاف اظہار کرے۔ جو شخص اجتماعی مشورے میں ایسی رائے دینے سے بچتا ہے جسے صحیح سمجھتا ہے وہ جماعت پر ظلم کرتا ہے اور جو کسی مصلحت سے ایسی رائے نہیں دیتا ہے جسے صحیح سمجھتا ہے وہ جماعت کے ساتھ بغاوت کرتا ہے، اور جو مشورے کے موقع پر اپنی رائے چھپاتا

ہے اور بعد میں جب اس کی مرضی کے خلاف کوئی بات طے ہو جاتی ہے تو جماعت کا ماحول خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ بدترین خیانت کا مجرم ہے۔

بے جا اصرار کرنے سے پرہیز

جماعتی مشورے میں کسی شخص کو اپنی رائے پر اس طرح نہ اڑنا چاہیے کہ اس کی بات مانی جائے ورنہ وہ جماعت سے تعاون نہ کرے گا یا فیصلے کے خلاف عمل کرے گا۔ بعض نادان لوگ انجانے میں اس کو حق پرستی سمجھتے ہیں، یہ تو صاف صاف اسلامی احکام اور صحابہ کرامؓ کے متفقہ طریقے کے خلاف ہے۔ کوئی مسئلہ کتاب و سنت کی بات کو سمجھنے اور ان سے کسی حکم کو نکالنے یا دنیوی تدابیر کے بارے میں ہو، دونوں صورتوں میں صحابہ کرام کا طریقہ یہ تھا کہ جب تک مسئلے پر گفتگو ہوتی اس میں ہر شخص اپنے علم اور اپنی صحیح رائے کے مطابق پوری صفائی سے اپنی رائے رکھتا اور اپنے دلائل پیش کرتا تھا۔ مگر جب کسی شخص کی رائے کے خلاف فیصلہ ہو جاتا تو وہ یا تو اپنی رائے واپس لے لیتا یا اسے درست سمجھنے کے باوجود کھلے دل سے جماعت کا ساتھ دیتا۔ جماعتی زندگی کے لیے یہ طریقہ ضروری ہے ورنہ ظاہر ہے کہ جہاں ہر شخص اپنی رائے پر اتنا اڑ جائے کہ جماعتی فیصلوں کو قبول کرنے سے انکار کر دے، وہاں آخر کار جماعت کا پورا نظام درہم برہم ہو کر رہے گا۔

امیر کا انتخاب ضروری ہے

آخری چیز، جو جماعتی زندگی کے لیے اہم ترین ہے، وہ یہ ہے کہ "اسلام بغیر جماعت کے نہیں ہے اور جماعت بغیر امارت کے نہیں ہے۔" اس عام اصول کی رو سے آپ کے لیے ضروری ہے کہ جماعت بننے کے ساتھ ہی آپ اپنے لیے ایک امیر چن لیں۔

انتخابِ امیر کے اصول

امیر کے انتخاب میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ جو شخص امیر بننے کی خواہش رکھتا ہو اسے ہرگز نہ چنا جائے۔ کیوں کہ جس شخص میں اس بڑے کام کی ذمہ داری کا احساس ہو گا وہ کبھی اس بار کو اٹھانے

کی خود خواہش نہ کرے گا، اور جو ایسا کرے گا وہ اصل میں عہدے اور اختیار کا خواہش مند ہوگا، نہ کہ ذمہ داری سنبھالنے کا۔ اس لیے اللہ کی طرف سے اس کی مدد کبھی نہ ہوگی۔ انتخاب کے سلسلے میں لوگ ایک دوسرے سے اچھی نیت کے ساتھ بات چیت کر سکتے ہیں۔ مگر کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف سرگوشی اور دوڑ بھاگ نہیں ہونی چاہیے۔ شخصی حمایت کے جذبات کو دل سے نکال کر بے لاگ طریقے سے دیکھیں کہ آپ کی جماعت میں کون ایسا شخص ہے جس کے تقویٰ، کتاب و سنت کے علم، دین کی سمجھ، سوجھ بوجھ، معاملہ فہمی اور اللہ کے راستے میں ثابت قدمی و استقامت پر آپ سب سے زیادہ بھروسا کر سکتے ہیں۔ پھر جو بھی ایسا نظر آئے اللہ پر توکل کر کے اسے چن لیں۔ اور جب آپ اسے چن لیں تو اس کی خیر خواہی، اس کے ساتھ مخلصانہ تعاون، بھلائی کے کاموں میں اس کی اطاعت، اور برائی کی صورت میں اس کی اصلاح کی کوشش آپ کا فرض ہے۔

امتیازی صفت، تقویٰ اور دیانت

یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیں کہ اسلامی جماعت میں امیر کی وہ حیثیت نہیں ہے جو مغربی جمہوریتوں میں صدر کی ہوتی ہے۔ مغربی جمہوریتوں میں جو شخص صدر چنا جاتا ہے اس میں تمام صفات تلاش کی جاتی ہیں، مگر کوئی صفت اگر نہیں تلاش کی جاتی تو وہ دیانت اور اللہ سے خوف کی صفت ہے۔ بلکہ وہاں کے انتخاب کا طریقہ ہی ایسا ہے کہ جو شخص ان میں سب سے زیادہ عیار اور سب سے بڑھ کر جوڑ توڑ کے فن میں ماہر اور جائز و ناجائز ہر قسم کی چالوں سے کام لینے میں ماہر ہوتا ہے اسی کو اقتدار ملتا ہے۔ اس لیے فطری بات ہے کہ وہ لوگ خود اپنے چنے گئے صدر پر بھروسا نہیں کر سکتے۔ وہ ہمیشہ اس کی بے ایمانی کا خطرہ محسوس کرتے رہتے ہیں اور اپنے دستور میں طرح طرح کی پابندیاں اور رکاوٹیں عائد کر دیتے ہیں تاکہ وہ ڈکٹیٹر نہ بن جائے۔ مگر اسلامی جماعت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے امیر کے انتخاب میں تقویٰ اور دیانت داری ہی کو تلاش کرتی ہے، اور اس بنا پر وہ اپنے تمام معاملات پورے اعتماد کے ساتھ اس کے سپرد کر دیتی ہے۔ لہٰذا مغربی طرز کی جمہوری جماعتوں کی نقل کرتے ہوئے اپنے دستور میں اپنے امیر پر وہ پابندیاں عائد کرنے کی کوشش نہ کریں

جوعام طور پر وہاں صدر پر عائد کی جاتی ہیں۔ اگر آپ کسی کو اللہ سے ڈرنے والا اور دین دار دیکھ کر امیر بناتے ہیں تو اس پر بھروسا کریں، اور اگر آپ کو کسی کے اللہ سے ڈرنے اور ایمان دار ہونے میں اتنا شبہ ہو کہ آپ اس پر بھروسا نہیں کر سکتے تو اس کو سرے سے چنیں ہی نہیں۔

صحت مند اختلاف کا تجربہ

امیر کو چننے کا مسئلہ

اس تقریر کے بعد امیر کو چننے کے مسئلے پر آپسی گفتگو شروع ہوئی، اور تین مختلف نظریے پیش کیے گئے، جن پر دوپہر تک بحث ہوتی رہی اور کسی متفقہ فیصلے پر ختم نہ ہو سکی:

ایک گروہ کا خیال یہ تھا کہ ابھی تو عارضی طور پر کسی خاص مدت کے لیے امیر کا انتخاب کیا جائے۔ کیوں کہ ابھی ہماری جماعت میں اس قدر کم آدمی ہیں کہ انتخاب کی کچھ زیادہ گنجائش نہیں ہے۔ اگر اس وقت ہم اپنی چھوٹی جماعت میں سے کسی اہل تر شخص کا مستقل انتخاب کر لیں گے تو بعد میں جب جماعت بڑھے گی اور زیادہ اہل آدمی آئیں گے، اس وقت مشکل پیش آئے گی۔

اور یہ مٹھی بھر جماعت اگر اس وقت اپنا مستقل امیر چن لے تو باہر جو بہت سے لوگ ہمارے نظریے اور مقصد سے متفق ہیں ان کو جماعت کے اندر آنے میں اس بنا پر جھجک ہوگی کہ اس جماعت میں داخل ہونے کے ساتھ ہی انھیں اس امیر کو بھی تسلیم کر لینا پڑے گا، جس کے انتخاب میں ان کی رائے کا دخل نہ تھا۔ اس طرح ہمارا انتخاب آگے چل کر جماعت کے پھیلنے میں ایک زبردست رکاوٹ بن جائے گا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک بڑی جماعت بننے کے بجائے الگ الگ جماعتیں بننے لگیں گی اور بہت سی امارتوں کے جھنڈے بلند ہوں گے۔

دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ اس وقت سرے سے امیر چنا ہی نہ جائے۔ بلکہ چند آدمیوں کی ایک مجلس کو انتظام اور رہ نمائی کے اختیارات دے دیے جائیں اور اس مجلس کے لیے ایک صدر چن لیا جائے۔ اس گروہ کے شبہات بھی اسی طرح کے تھے جیسے اوپر گزرے، پھر ان کا کہنا یہ بھی تھا کہ ابھی کوئی کامل انسان ایسا نظر نہیں آتا جو نبیوں کی جانشینی والے اس کام کے قابل ہو۔

تیسرے گروہ کا خیال تھا کہ امیر کے بغیر جماعت تو بالکل بے بنیاد چیز ہے۔ رہا متعین مدت کے لیے انتخاب، تو وہ ایک غیر اسلامی طریقہ ہے، جس کا کوئی نشان ہم کو کتاب و سنت میں نہیں ملتا۔ پھر یہ بات حکمت کے خلاف ہے کہ ایک طرف تو ہم وہ انتہائی انقلابی نظریہ لے کر اٹھ رہے ہیں جو تمام دنیا کی شیطانی قوتوں کے لیے اعلانِ جنگ جیسا ہے اور دوسری طرف ہم خود ہی اپنی جماعت کے نظام کو اتنا سست اور ڈھیلا رکھیں کہ وہ کسی بڑی کوشش میں ثابت و قائم نہ رہ سکتا ہو۔ ظاہر ہے کہ امارت کے بغیر یا عارضی امارت کی بنیاد، پر جو نظام بنایا جائے گا وہ ہر گز پختہ نہ ہوگا، اس لیے یہ ضروری ہے کہ امیر کا انتخاب اسی وقت کیا جائے اور عارضی نہیں بلکہ مستقل طور پر کیا جائے۔

کئی گھنٹے کی بحث کے بعد بھی جب اس مسئلے میں اتفاق نہ ہوسکا تو آخر یہ طے ہوا کہ اس مسئلے کو سات آدمیوں کی ایک مجلس کے سپرد کر دیا جائے اور جو کچھ وہ مجلس طے کرے اسے سب قبول کر لیں۔

یہ مجلس خوب غور اور بحث کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی:

۱۔ پہلے گروہ کی اس رائے کو رد کر دیا گیا کہ امیر کا انتخاب عارضی ہو۔

۲۔ دوسرے گروہ کی بھی یہ رائے قبول نہیں کی گئی کہ امیر کا انتخاب نہ کیا جائے، اور صرف انتظامی اغراض کے لیے ایک مجلس بنا دی جائے۔

۳۔ تیسرے گروہ کی اس رائے سے اتفاق کیا گیا کہ کتاب و سنت اور حکمتِ عملی دونوں کا تقاضا یہی ہے کہ جماعت امیر کے بغیر نہ رہے اور امیر کا انتخاب کسی مدت کا پابند نہ ہو۔

پہلے گروہ کے تمام اعتراضات کو ان دو فقروں سے دور کر دیا گیا:

"امیر کی خدا ترسی و احساسِ ذمہ داری سے یہ توقع کی جائے گی کہ اپنے سے زیادہ اہل آدمی کے آجانے پر وہ خود اس کے لیے جگہ خالی کر دے گا۔ نیز ایسی صورت میں جب کہ جماعت اپنے مقصد کے مفاد کے لیے ضرورت محسوس کرے، وہ امیر کو معزول کرنے کا بھی اختیار رکھے۔"

دوسرے گروہ کے اعتراض کو اس فقرے سے رفع کیا گیا:

"جماعت کی نظر میں انتخاب کے وقت جو شخص بھی مذکورہ اوصاف (تقویٰ، علم دین میں بصیرت، اصابت رائے اور عزم و حزم) کے لحاظ سے زیادہ اہل ہوگا اس کو وہ اس منصب کے لیے چنے گی۔"

پہلے امیر کا انتخاب

اس کے بعد سب لوگوں نے ایک رائے ہوکر مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کو اپنا امیر چنا۔ بیعت کا عام طریقہ اختیار نہیں کیا گیا بلکہ پوری جماعت نے ایک ساتھ یہ عہد کیا کہ اوپر بیان کی ہوئی وضاحتوں کے تحت وہ امیر کی اطاعت اور اس کے حکم کی پابندی کریں گے۔ اس "بیعت عام" کی ادائی پر پھر وہی کیفیت طاری ہوئی جو ایک روز پہلے ایمان تازہ کرنے کے موقع پر طاری ہو چکی تھی۔ لوگ پھر اللہ کے حضور میں روئے اور گڑگڑائے اور التجا کی کہ وہ اس جماعت کو اس کے مقصد کے مطابق چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

امیر اور جماعت کا مثالی تعلق

آخر میں امیر جماعت نے کھڑے ہوکر مختصر تقریر کی، جس میں انھوں نے کہا کہ میں آپ کے درمیان نہ سب سے زیادہ علم رکھنے والا تھا نہ سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا، نہ کسی اور خصوصیت میں مجھے برتری حاصل تھی۔ اب جب آپ نے مجھ پر اعتماد کرکے اس بڑے کام کا بوجھ میرے اوپر رکھ دیا ہے تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں اور آپ لوگ بھی دعا کریں کہ مجھے اس بوجھ کو سنبھالنے کی طاقت عطا فرمائے اور آپ کے اس بھروسے کو مایوسی میں تبدیل نہ ہونے دے۔ میں اپنی طاقت بھر آخری حد تک کوشش کروں گا کہ اس کام کو اللہ سے ڈرتے ہوئے اور پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ چلاؤں۔ میں جان بوجھ کر اپنے فرض کو پورا کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ میں اپنے علم کی حد تک اللہ کی کتاب، اللہ کے رسول کی سنت اور خلفائے راشدین کے راستے پر چلنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گا۔ پھر بھی اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو اور آپ میں سے کوئی محسوس کرے کہ میں سیدھے راستے سے ہٹ گیا ہوں تو میرے بارے میں برا گمان نہ کرے کہ میں جان بوجھ کر ایسا کر رہا ہوں، بلکہ اچھے گمان سے کام لے اور نصیحت سے مجھے سیدھا کرنے کی کوشش کرے۔ آپ کا مجھ پر یہ حق ہے کہ میں اپنے آرام اور ذاتی فائدوں پر جماعت کے مفاد اور اس کے کام کی ذمہ داریوں سے اوپر رکھوں۔ جماعت کے نظم کی حفاظت کروں، ارکان جماعت کے درمیان

انصاف اور دیانت کے ساتھ فیصلے کروں، جماعت کی طرف سے جو امانتیں میرے سپرد ہوں ان کی حفاظت کروں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے دل و دماغ اور جسم کی تمام طاقتوں کو اس مقصد کی خدمت میں لگادوں جس کے لیے آپ کی جماعت اٹھی ہے۔ اور میرا آپ پر یہ حق ہے کہ جب تک میں سیدھی راہ پر چلوں آپ اس میں میرا ساتھ دیں، میرے حکم کی اطاعت کریں، نیک مشوروں سے اور جتنا ہو سکے اپنی مدد سے مجھے مضبوط کریں اور جماعت کے نظم کو بگاڑنے والے طریقوں سے پرہیز کریں۔ مجھے اس تحریک کی عظمت اور خود اپنی کمیوں کا پورا احساس ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ وہ تحریک ہے جس کی قیادت عزم والے پیغمبروں نے کی ہے اور نبوت کا زمانہ گزر جانے کے بعد وہ اونچے انسان اس کو لے کر اٹھتے رہے ہیں جو انسانی نسل کے بہترین لوگ تھے۔ مجھے ایک لمحے کے لیے بھی اپنے بارے میں یہ غلط فہمی نہیں ہوئی کہ میں اس عظیم تحریک کی قیادت کا اہل ہوں۔ بلکہ میں تو اس کو ایک بد قسمتی سمجھتا ہوں کہ اس وقت اس عظیم کام کے لیے آپ کو مجھ سے بہتر کوئی آدمی نہ ملا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنی ذمے داریوں کو انجام دینے کے ساتھ میں برابر تلاش میں رہوں گا کہ کوئی مجھ سے زیادہ اہل آدمی اس کا بوجھ اٹھانے کے لیے مل جائے اور جب میں ایسے آدمی کو پاؤں گا تو خود سب سے پہلے اس کے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ میں ہمیشہ ہر اجتماعِ عام کے موقع پر جماعت سے بھی درخواست کرتا رہوں گا کہ اگر اب اس نے کوئی مجھ سے بہتر آدمی پالیا ہے تو وہ اسے اپنا امیر چن لے، اور میں اس عہدے کو خوشی خوشی چھوڑ دوں گا۔ میں ان شاء اللہ اپنی ذات کو کبھی اللہ کے راستے میں رکاوٹ نہ بننے دوں گا اور کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ دوں گا کہ ایک نااہل آدمی اس جماعت کی قیادت کر رہا ہے اس لیے ہم اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔ نہیں، میں کہتا ہوں کہ کامل شخص آئے اور یہ مقام جو آپ نے میرے سپرد کیا ہے ہر وقت اس کے لیے خالی ہو سکتا ہے۔ لیکن میں اس کے لیے تیار نہیں ہوں کہ اگر کوئی دوسرا اس کام کو چلانے کے لیے نہ اٹھے تو میں بھی نہ اٹھوں۔ میرے لیے تو یہ تحریک میری زندگی کا مقصد ہے۔ میرا مرنا اور جینا اسی کے لیے ہے۔ کوئی اس پر چلنے کے لیے تیار ہو یا نہ ہو، مجھے تو اسی راہ پر چلنا اور اسی راہ میں جان دینا ہے۔ کوئی

آگے نہ بڑھے گا تو میں بڑھوں گا، کوئی ساتھ نہ دے گا تو میں اکیلا چلوں گا۔ ساری دنیا مل کر مخالفت کرے گی تو مجھے اکیلے اس سے لڑنے میں بھی باک نہیں ہے۔

فقہی مسائل میں امیر و مامور کا تعلق

آخر میں ایک بات کی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں۔ فقہ اور کلام کے مسائل میں میرا ایک خاص مسلک ہے جس کو میں نے اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر اختیار کیا ہے، اور پچھلے آٹھ سال کے دوران میں جو اصحاب "ترجمان القرآن" کا مطالعہ کرتے رہے ہیں وہ اس کو جانتے ہیں۔ اب کہ میری حیثیت اس جماعت کے امیر کی ہوگئی ہے، میرے لیے یہ بات صاف کر دینی ضروری ہے کہ فقہ و کلام کے مسائل میں جو کچھ میں نے پہلے لکھا ہے اور جو کچھ آئندہ لکھوں گا یا کہوں گا اس کی حیثیت امیر جماعت اسلامی کے فیصلے کی نہ ہوگی بلکہ میری ذاتی رائے کی ہوگی۔ میں نہ تو یہ چاہتا ہوں کہ ان مسائل میں اپنی رائے کو جماعت کے دوسرے اہل علم پر لاگو کروں، اور نہ اسی کو پسند کرتا ہوں کہ جماعت کی طرف سے مجھ پر ایسی کوئی پابندی عائد ہو کہ مجھ سے علمی تحقیق اور اظہار رائے کی آزادی چھن جائے۔ ارکان جماعت کو میں اللہ کا واسطہ دے کر ہدایت کرتا ہوں کہ کوئی شخص فقہی و کلامی مسائل میں میری باتوں کو دوسرے کے سامنے دلیل کے طور پر پیش نہ کرے۔ اسی طرح میرے ذاتی عمل کو بھی، جسے میں نے اپنی تحقیق کی بنا پر جائز سمجھ کر اختیار کیا ہے، نہ تو دوسرے لوگ دلیل بنائیں اور نہ تحقیق کے بغیر بس میرا عمل ہونے کی حیثیت سے اس کی پیروی کریں۔ ان معاملات میں ہر شخص کے لیے آزادی ہے۔ جو لوگ علم رکھتے ہوں وہ اپنی تحقیق پر — اور جو علم نہ رکھتے ہوں وہ جس کے علم پر اعتماد رکھتے ہوں اس کی تحقیق پر — عمل کریں، نیز ان معاملات میں مجھ سے اختلاف رکھنے اور اپنی رائے کا اظہار کرنے میں بھی سب آزاد ہیں۔ ہم سب جزئیات و فروع (دین کے چھوٹے چھوٹے مسائل) میں الگ الگ رائے رکھتے ہوئے اور ایک دوسرے سے بحث کرتے ہوئے بھی ایک جماعت بن کر رہ سکتے ہیں، جس طرح صحابہ کرامؓ رہتے تھے۔

پالیسی اور پروگرام

پہلی شوریٰ میں درج ذیل پالیسی اور پروگرام طے پائے۔

کاموں کی تقسیم

فی الحال جماعت کے کام کو ان شعبوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

علم و تعلیم کا شعبہ

اس شعبے کا کام یہ ہوگا کہ

۱۔ اسلام کے فکری نظام اور نظامِ زندگی کا اس کے مختلف فلسفیانہ، عملی اور تاریخی پہلوؤں سے گہرا تفصیلی مطالعہ کرے۔ دنیا کے دوسرے فکر و عمل کے نظاموں پر بھی وسیع تنقیدی و تحقیقی نظر ڈالے، اور اپنی تحقیق کے نتائج کو ایک ایسے زبردست لٹریچر کی شکل میں پیش کرے جو نہ صرف اسلامی اصول پر ذہنی و فکری تبدیلی برپا کرنے والا ہو، بلکہ اسلامی نظام کے قائم ہونے کے لیے بھی زمین تیار کر سکے۔

۲۔ تعلیم کا ایک ایسا نظریہ اور نظام ترتیب دے جو اسلام کے مزاج سے ٹھیک ٹھیک مناسبت رکھتا ہو، اور دنیا میں اسلامی تبدیلی برپا کرنے کے لیے بنیاد کا کام دے سکے۔ اس سلسلے میں اس وقت دنیا کے رائج تعلیمی نظریات اور نظاموں کا بھی تنقیدی و تحقیقی مطالعہ کرنا ہوگا۔

۳۔ تعلیم کے اپنے نظریے کے مطابق نصاب اور معلمین تیار کرے اور آخر میں ایک درس گاہ قائم کر کے آئندہ نسل کی ذہنی و اخلاقی تربیت کا کام شروع کر دے۔

۴۔ ایک ایسی تربیت گاہ قائم کرے جو دنیا میں اسلامی تبدیلی برپا کرنے کے لیے بہترین کارکن تیار کرے۔

نشر و اشاعت کا شعبہ

علم و تعلیم کے شعبے سے جو لٹریچر تیار کیا جائے اس کو پھیلانے کا کام اس شعبے کے ذمے ہوگا۔ اس کا فرض ہوگا کہ جماعت کے لٹریچر کو جہاں تک ممکن ہو اللہ کے بندوں تک پہنچانے

کی کوشش کرے۔ اس شعبے کے لیے ایسے کارکنوں کی ضرورت ہے جو نشر و اشاعت کے کام میں مہارت رکھتے ہوں، نیز اس شعبے کو ایسے آدمیوں کی بھی ضرورت ہے جو سفر کر کے مختلف مقامات پر جائیں اور مختلف حلقوں میں زبانی تبلیغ بھی کریں اور اپنا لٹریچر بھی پھیلائیں۔

ہر جگہ جماعت اسلامی کے ارکان کے لیے اور مقامی جماعتوں کے لیے اس شعبے کے ساتھ تعاون کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو لوگ طباعت کے کام، یا نشر و اشاعت کے طریقوں میں مہارت رکھتے ہوں، یا اچھے سفری مبلغ بن سکتے ہوں، یا تجارتی پہلو میں اس شعبے کو کامیاب بنانے کی قابلیت رکھتے ہوں وہ اپنی خدمات پیش کریں اور مقامی امرا اس قسم کی صلاحیتیں رکھنے والے اشخاص کی اطلاع ناظم شعبہ نشر و اشاعت کو دیں۔ دوسرے یہ کہ ہر جگہ مقامی جماعت ایک ریڈنگ روم اور بک ڈپو قائم کرے، جس میں ادارے کی مطبوعات جمع کی جائیں۔ جو لوگ پڑھنا چاہیں وہ ریڈنگ روم میں ان کا مطالعہ کریں اور جو خریدنا چاہیں وہ بک ڈپو سے کتابیں خرید لیں۔

تنظیم کا شعبہ

اس شعبے کے فرائض اس طرح ہوں گے:

- ❑ کارکنوں کو ہدایت دینا، جہاں مقامی جماعتیں بن گئی ہوں وہاں کے کام کی نگرانی کرنا، ان سے رپورٹیں طلب کرنا اور ان کو مشورے دینا۔
- ❑ جہاں انفرادی شکل میں جماعت کے ارکان موجود ہوں وہاں مقامی جماعتیں بنانے کی کوشش کرنا۔
- ❑ جو افراد یا ادارے یا جماعتیں عقیدہ اور مقصد میں اس جماعت سے متفق ہوں ان سے ربط قائم کرنے کی کوشش کرنا۔
- ❑ تحریک کی رفتار کا جائزہ لیتے رہنا اور اس کو آگے بڑھانے کی تدبیریں عمل میں لانا۔

مالیات کا شعبہ

جماعت کا مرکزی بیت المال قائم کر دیا گیا جو امیر جماعت کے ماتحت رہے گا۔ نیز ہر جگہ کی

مقامی جماعتوں کے لیے طے کیا گیا کہ ہر جماعت اپنا مقامی بیت المال قائم کر کے مقامی ضروریات کو مقامی آمدنی سے پورا کرے، اپنے سہ ماہی حسابات اپنے حلقے کے نائب امیر کو، یا کوئی حلقہ نہ ہونے کی صورت میں امیر جماعت کو بھیجتی رہے۔ اور جب مرکزی بیت المال کو مدد کی ضرورت ہو تو امیر کی طرف سے حکم آنے پر اپنے پاس موجود رقمیں بھیج دے۔

ابھی آمدنی کی سب سے بڑی مد ادارۂ دارالاسلام کی مطبوعات ہیں اور ان کی زیادہ اشاعت سے ہی جماعت کے کام کی ترقی ہوسکتی ہے۔ اس مد کی تمام آمدنی مرکزی بیت المال میں آنی چاہیے۔ دوسری مد زکوٰۃ ہے۔ تمام ارکان جماعت جو صاحب نصاب ہوں اپنی زکوٰۃ مقامی جماعت کے بیت المال میں داخل کریں یا مقامی جماعت موجود نہ ہو تو مرکز میں بھیجیں۔ تیسری مد اعانت کی رقمیں ہیں۔ جماعت کے مستطیع ارکان کا فرض ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ جس قدر مالی ایثار کر سکتے ہوں کریں اور جماعت کو مالی حیثیت سے مضبوط بنائیں۔ رہے جماعت سے باہر کے لوگ تو ان سے کوئی مدد طلب نہ کی جائے، البتہ اگر وہ خوشی سے اور بلا شرط خود کوئی مدد دینا چاہیں تو قبول کر لی جائے۔ لیکن کوئی بڑی سے بڑی مالی مدد بھی اس صورت میں قبول نہ کی جائے جب کہ یہ اندیشہ ہو کہ اس کے معاوضے میں جماعت کی پالیسی پر اثر ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

دعوت و تبلیغ کا شعبہ

یہ شعبہ اس جماعت کا سب سے اہم شعبہ ہے اور اس جماعت کی کامیابی اس شعبے کی کارگزاری پر ہی ٹکی ہوئی ہے۔ ہر شخص جو جماعت اسلامی کا رکن ہو، لازمی طور پر اس شعبہ کا رکن ہوگا۔ اس کو ہمیشہ ایک مبلغ کی زندگی بسر کرنی ہوگی۔ اس کے لیے لازم ہوگا کہ جہاں جس حلقے میں بھی اس کی پہنچ ہوسکتی ہو، جماعت کے عقیدے کو پھیلائے، اس کے مقصد کی طرف دعوت دے، اور جماعت کے نظام کی وضاحت کرے۔ مگر تبلیغی مصلحتوں کے لحاظ سے یہ ضروری معلوم ہوا کہ کام کرنے کے لیے آٹھ مختلف حلقے طے کر دیے جائیں اور جماعت کا ہر رکن اپنی صلاحیتوں کے لحاظ سے صرف انھیں حلقوں میں تبلیغ کرے جن سے وہ زیادہ مناسبت رکھتا ہو۔ یہ حلقے اس طرح ہیں:

- ❑ شہری عوام کا حلقہ
- ❑ کالجوں اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں کا حلقہ
- ❑ دیہاتی عوام کا حلقہ
- ❑ علماء اور مدارس عربیہ کا حلقہ
- ❑ عورتوں کا حلقہ
- ❑ صوفیہ اور مشائخ طریقت کا حلقہ
- ❑ غیر مسلموں کا حلقہ
- ❑ سیاسی جماعتوں کا حلقہ

ہر کارکن کو اپنے متعلق ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنا چاہیے کہ وہ ان میں سے کس حلقہ یا کن حلقوں میں تبلیغ کا اہل ہے۔ جن حلقوں میں کام کرنے کی اہلیت وہ اپنے اندر نہ محسوس کرتا ہو، یا تجربے سے اس کو معلوم ہو جائے کہ وہ فلاں حلقوں میں ناکام رہے گا تو ان میں تبلیغ کرنے سے اس کو پرہیز کرنا چاہیے تاکہ وہ لوگوں کو قریب لانے کے بجائے دور پھینک دینے کا سبب نہ بن جائے۔

تبلیغ کے سلسلے میں جو مشکلات پیش آئیں ان میں رہ نمائی کے لیے مقامی امرا یا نائبین، یا خود امیر جماعت سے رجوع کیا جائے۔

کام کے طریقے کے بارے میں ہدایات

پروگرام طے ہونے کے بعد ۴ر شعبان ہی کو پھر اجتماع عام ہوا جس میں امیر جماعت نے حاضرین کو اس پروگرام کی تفصیل سے آگاہ کیا اور پھر کام کرنے کے لیے یہ ہدایات دیں:

مقامی جماعت قائم کرنے کا طریقہ

(۱) صالح تر فرد کا انتخاب کریں

ہر وہ بستی جہاں دو آدمی ایسے موجود ہوں جو جماعت اسلامی میں داخل ہو چکے ہوں، وہاں ضروری ہے کہ مقامی جماعت بنالی جائے اور دونوں میں سے ایک زیادہ صالح آدمی مقامی امیر چنا جائے، اور امیر جماعت کو اطلاع دے کر اس کے انتخاب کی منظوری حاصل کی جائے۔ اسی طرح جہاں جماعت میں دو سے زیادہ آدمی ہوں وہاں بھی بلا کسی نفسانیت کے کسی ایسے آدمی کا نام مقامی امارت کے لیے دیا جائے جو زیادہ نیک سیرت، شریعت کا پابند، سوجھ بوجھ والا اور تحریک اسلامی کے مزاج کو سمجھنے والا ہو اور جس کو بستی کے لوگ عام طور پر عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں۔ مگر

مقامی لوگوں کا مقامی امارت کے لیے کسی کو چن لینا کافی نہ ہوگا جب تک کہ امیر جماعت اس کی منظوری نہ دے۔

(۲) امیر جماعت کے فیصلے کا احترام ہو

امیر جماعت اگر اجتماعی مصلحتوں کے لحاظ سے کسی کو مقامی امارت یا کسی دوسرے منصب پر مقرر نہ کرے یا کسی کو معزول کر کے دوسرے کو مقرر کر دے تو اس پر برا نہ ماننا چاہیے۔ اس معاملے میں اصل چیز مقصد کی خدمت ہے نہ کہ شخصی اعزاز۔ جس شخص کو آپ نے اپنی جماعت کا امیر چنا ہے اس پر اعتماد کریں کہ وہ جماعت کی عظیم تر مصلحتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہی تقرر اور معزولی کے فیصلے کرے گا۔

(۳) نئے افراد اپنے ایمان کو تازہ کریں

جماعت میں جب کوئی نیا شخص داخل ہو تو اسے ذمہ داری کا پورا احساس دلا کر نئے سرے سے کلمۂ شہادت ادا کرایا جائے۔ ایمان تازہ کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ جو شخص آج کلمہ ادا کر رہا ہے وہ اب تک کافر تھا اور اب اسلام لا رہا ہے، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جو عہد اس کے اور اللہ کے درمیان پہلے سے موجود تھا آج وہ اسے تازہ اور مضبوط کر رہا ہے۔ ایمان تازہ کرنے کے موقع پر یہ بات ہر نئے داخل ہونے والے رکن کو سمجھا دینی چاہیے کہ یہ اصل میں زندگی کا ایک نیا آغاز ہے۔ آج سے تمھاری ذمہ دارانہ زندگی شروع ہو رہی ہے، آج سے تم نظام کی پابندی کرنے والے ایک مومن کی حیثیت سے اپنی زندگی گزارنے کا عہد کر رہے ہو، آج سے تمھاری زندگی ایک بامقصد زندگی بن رہی ہے۔ اور تم اللہ اور مومنوں کو گواہ بنا رہے ہو کہ تمھاری تمام دوڑ بھاگ اس مقصد کے لیے اور اس نظام کی پابندی کے لیے ہوگی۔

(۴) نئے افراد کا ذہن تیار کیا جائے

جو شخص جماعت میں داخل ہو اس کو تحریک اسلامی کے لٹریچر کا زیادہ تر حصہ پڑھوا دیا جائے، تاکہ وہ اس تحریک کے تمام پہلوؤں سے واقف ہو جائے اور تحریک کے ارکان ذہن و عمل میں ایک

دوسرے کے نزدیک آسکیں۔ اس معاملے میں کسی کے متعلق یہ فرض نہ کرلیا جائے کہ وہ تو پہلے ہی سے سب کچھ سمجھتا ہوگا۔ اگر یہ مان کر ایسے لوگوں کی بڑی تعداد جماعت میں داخل کرلی گئی جو اس تحریک کے لٹریچر پر نظر نہ رکھتے ہوں تو اندیشہ ہے کہ جماعت کے ارکان متضاد باتیں اور متضاد حرکتیں کریں گے۔ جو لوگ تعلیم یافتہ نہ ہوں ان کو زبانی طور پر ضروری باتیں سمجھادی جائیں اور تحریک کے مزاج کے مطابق ان کا ذہن تبدیل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس مقصد کے لیے ہر مقامی جماعت میں کم از کم دو ایسے آدمیوں کا رہنا ضروری ہے جنھوں نے خوب گہری نظر سے ہمارے لٹریچر کا مطالعہ کیا ہو۔

(۵) کام تقسیم کریں اور جائزہ لیتے رہیں

مقامی امرا اپنے حلقے کے ایک ایک رکن جماعت کی صلاحیتوں کا جائزہ لیں اور جو شخص جس کام کا اہل ہو اس کو وہی کام سپرد کریں اور برابر دیکھتے رہیں کہ وہ اپنے ذمے کے کام کو کس طرح انجام دیتا ہے۔ اس معاملے میں ہر رکن جماعت کو خود بھی اپنی قوتوں اور قابلیتوں کا بے لاگ حساب (خود کو گرائے یا بڑھائے بغیر) کرنا چاہیے اور اپنے امیر کو بتادینا چاہیے کہ وہ کیا کام کرسکتا ہے اور کیا نہیں کرسکتا۔

(۶) ہفتہ وار اجتماع کریں

ہر جگہ جہاں مقامی جماعت موجود ہو تمام ارکان جماعت کو جمعہ کے روز صبح یا شام، یا نماز جمعہ کے بعد ایک جگہ جمع ہونا چاہیے۔ اس اجتماع میں ہفتہ بھر کے کام کا جائزہ لیا جائے، آئندہ کام کے لیے آپسی مشورے سے تجاویز سوچی جائیں، بیت المال کے حسابات دیکھے جائیں اور تحریک کے لٹریچر کے متعلق کوئی نئی چیز شائع ہوئی ہو تو اس کا مطالعہ کیا جائے۔

(۷) قرآن وسیرت کا خصوصی مطالعہ کریں

جماعت کے ارکان کو قرآن اور سیرت النبی ﷺ اور سیرت صحابہؓ سے خاص لگن اور رغبت ہونی چاہیے۔ ان چیزوں کو بار بار زیادہ گہری نظر سے پڑھا جائے اور محض عقیدت کی پیاس بجھانے

کے لیے نہیں بلکہ ہدایت ورہ نمائی حاصل کرنے کے لیے پڑھا جائے، جہاں ایسا کوئی آدمی موجود ہو جو قرآن کا درس دینے کی اہلیت رکھتا ہو وہاں درس قرآن شروع کر دیا جائے۔

(۸) اللہ سے تعلق مضبوط کریں

اس تحریک کی جان اللہ سے تعلق ہے۔ اگر اللہ سے آپ کا تعلق کم زور ہو تو آپ اللہ والی حکومت قائم کرنے اور کام یابی کے ساتھ چلانے کے اہل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے فرض عبادتوں کے علاوہ نفل عبادتوں کی بھی پابندی کریں۔ نفل نماز، نفل روزے اور صدقات وہ چیزیں ہیں جو انسان میں خلوص پیدا کرتی ہیں، اور ان چیزوں کو زیادہ سے زیادہ چھپا کر کرنا چاہیے تاکہ دکھاوے کی خواہش نہ پیدا ہو۔ نماز سمجھ کر پڑھیں، اس طرح نہیں کہ ایک یاد کی ہوئی چیز کو آپ زبان سے دہرا رہے ہیں، بلکہ اس طرح کہ آپ خود اللہ سے کچھ عرض کر رہے ہیں۔ نماز پڑھتے وقت اپنے نفس کا جائزہ لیں کہ جن باتوں کا اقرار آپ اللہ کے سامنے کر رہے ہیں کہیں آپ کا عمل ان کے خلاف تو نہیں ہے اور آپ کا اقرار جھوٹا تو نہیں ہے۔ اس جائزے میں اپنی جو کوتاہیاں آپ کو محسوس ہوں ان پر استغفار کریں، اور آئندہ ان خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ عبادات میں اس بات کا خیال رکھیں کہ جس قدر عمل آپ ہر روز پابندی سے کر سکتے ہوں بس اسی کی پابندی کریں۔ اور ان تمام مجاہدوں اور ریاضتوں اور اوراد و وظائف سے پرہیز کریں جو صحیح حدیثوں سے ثابت نہ ہوں۔ حدیث کی صحت کے بارے میں محدثین ہی کی بات مانی جائے گی، نہ کہ دوسروں کی، چاہے وہ کتنی ہی بڑی شخصیت کے بزرگ ہوں۔

زیادہ خطرناک بدعتیں وہ بری چیزیں نہیں، جن کی برائی کو سب جانتے ہیں بلکہ وہ اچھی نظر آنے والی چیزیں ہیں جن کو اچھا سمجھ کر شریعت میں شامل کر لیا جاتا ہے۔

(۹) سیرت و کردار بلند کریں

جماعت کے ارکان کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ایک بہت بڑا دعویٰ لے کر بہت بڑے کام کے لیے اٹھ رہے ہیں۔ اگر ان کی سیرتیں ان کے دعوے کے مقابلے میں اس قدر پست ہوں کہ

صاف طور پر ان کی پستی محسوس ہوتی ہو تو وہ اپنے آپ کو اور اپنے دعوے کو مذاق بنا کر رکھ دیں گے۔ اس لیے ہر شخص کو، جو اس جماعت میں شامل ہو، اپنی دوہری ذمے داری محسوس کرنی چاہیے۔ اللہ کے سامنے تو وہ ذمہ دار ہے ہی، مگر اللہ کے بندوں کے سامنے بھی اس کی ذمے داری بہت سخت ہے۔ جس بستی میں آپ لوگ موجود ہوں وہاں عام آبادی سے آپ کے اخلاق زیادہ بلند ہونے چاہئیں۔ بلکہ آپ کو اخلاق کی بلندی، سیرت کی پاکیزگی اور دیانت و امانت میں نمونہ اور مثال بن جانا چاہیے۔ آپ کی ایک معمولی غلطی نہ صرف جماعت کے دامن پر بلکہ اسلام کے دامن پر دھبہ لائے گی اور بہت سے لوگوں کے لیے گمراہی کا سبب بن جائے گی۔

(۱۰) امت کو جوڑنے والا راستہ اپنائیں

جماعت کے ارکان کو ایسے تمام طریقوں سے پرہیز کرنا چاہیے جو ان کو مسلمانوں میں ایک فرقہ بنانے والے ہوں۔ اپنی نمازیں عام مسلمانوں سے الگ نہ پڑھیں۔ نماز میں اپنی جماعت الگ نہ بنائیں۔ بحث اور مناظرے نہ کریں۔ جہاں تحقیق کے لیے نہیں بلکہ ضد اور مخالفت کی بنا پر اس تحریک پر بحث کی جائے وہاں صبر و ضبط سے کام لیں (جہاں میری ذات پر حملے کیے جائیں وہاں تو ہرگز بچاؤ نہ کریں)۔ میں نہ خود اپنا بچاؤ کرتا ہوں اور نہ اپنے رفیقوں کو چاہتا ہوں کہ وہ اس فضول کام میں اپنا وقت اور اپنی قوتیں ضائع کریں، البتہ جہاں کوئی شخص سنجیدگی سے حقیقت جاننا چاہتا ہو وہاں اپنی تائید میں دلائل سے کام لیا جاسکتا ہے۔ مگر جب بحث میں گرمی آتی محسوس ہو تو بحث بند کر دیں۔ کیوں کہ مناظرہ وہ بلا ہے جس سے ہزار فتنے پیدا ہوتے ہیں اور کوئی ایک فتنہ بھی ختم نہیں ہوتا۔

(۱۱) اسلامی تحریک کا مزاج اختیار کریں

تحریک اسلامی اپنا ایک خاص مزاج رکھتی ہے اور اس کے کاموں کا ایک مخصوص طریقہ ہے جس کے ساتھ دوسری تحریکوں کے طریقے کسی طرح جوڑ نہیں کھاتے۔ جو لوگ اب تک مختلف قومی تحریکوں میں حصہ لیتے رہے ہیں اور جن کی طبیعتیں انھی کے طریقوں سے مانوس رہی ہیں انھیں اس جماعت میں آکر اپنے آپ کو بہت کچھ بدلنا ہوگا۔ جلسے اور جلوس، جھنڈے اور نعرے،

یونیفارم اور مظاہرے، ریزولیوشن اور ایڈریس، بے لگام تقریریں اور گرماگرم تحریریں، اور اس طرح کی تمام چیزیں اُن تحریکوں کی جان ہیں، مگر اِس تحریک کے لیے زہر ہیں۔ یہاں کا طریقہ قرآن اور نبی ﷺ کی سیرت اور صحابہ کی سیرتوں سے سیکھیں اور اس کی عادت ڈالیں۔ آپ کو زبان یا قلم یا مظاہروں سے عوام پر جادو نہیں کرنا ہے کہ ان کے ریوڑ کے ریوڑ آپ کے پیچھے آجائیں اور آپ انھیں ہانکتے پھریں۔ آپ کو انھیں اسلام کی حقیقت سمجھانی ہے، اور حقیقت جان لینے کے بعد ان میں یہ عزم پیدا کرنا ہے کہ اپنی انفرادی زندگی اور آس پاس کی اجتماعی زندگی کو اس حقیقت کے مطابق بنائیں اور جو کچھ باطل ہو اس کو مٹانے میں جان و مال کی بازی لگادیں۔ لوگوں کے اندر یہ گہری تبدیلی جادوگری اور شاعری سے پیدا نہیں ہوا کرتی، آپ میں سے جو مقرر ہوں وہ تقریر کے پچھلے انداز کو بدلیں اور ذمہ دار مومن کی طرح جچی تلی تقریر کی عادت ڈالیں اور جو قلم کار ہیں انھیں بھی غیر ذمے دارانہ انداز تحریر کو بدل کر اس آدمی کی سی تحریر اختیار کرنی چاہیے جو لکھتے وقت احساس رکھتا ہے کہ اسے اپنے ایک ایک لفظ کا حساب دینا ہے۔

(۱۲) اپنے مقصد کی طرف یکسو ہو جائیں

اسلامی تحریک میں کام کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ آپ کے آس پاس دنیا پر مرنے والوں نے جو ہنگامے برپا کر رکھے ہیں اور جن کا آپ کی تحریک کے مقصد سے کوئی تعلق نہیں ہے ان سے آپ اس قدر بے تعلق ہو کر رہیں کہ گویا وہ ہیں ہی نہیں۔ آپ کو اسمبلیوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں اور ان کے الیکشنوں سے اور ہندو اور مسلمان اور سکھ وغیرہ قوموں کے نفسیاتی جھگڑوں سے، اور مختلف پارٹیوں اور مذہبی فرقوں اور مقامی قبیلوں اور برادریوں کے جھگڑوں سے بالکل الگ تھلگ رہنا چاہیے۔ بالکل یکسو ہو کر اپنے مقصد کے پیچھے لگ جائیں اور دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے ہونے دیں۔

جو عمل اللہ کی راہ میں نہیں ہے اس میں لگ کر آپ اپنا وقت اور اپنی قوتیں ضائع کریں گے، آپ کو تو اپنے وقت اور قوتوں کا حساب دینا ہے۔

(۱۳) تبلیغ میں حکمت کا لحاظ رکھیں

تبلیغ میں حکمت اور عمدہ نصیحت کو سامنے رکھیں۔ حکمت یہ ہے کہ آپ مخاطب کے ذہن

کو سمجھیں، اس کی غلط فہمی یا گمراہی کے اصل سبب کو معلوم کریں اور اس کو ایسے طریقے سے سمجھائیں جو زیادہ سے زیادہ اس کے لیے مناسب ہو۔ اور عمدہ نصیحت یہ ہے کہ جس پر آپ تبلیغ کریں اس کے سامنے آپ اپنے آپ کو دشمن اور مخالف کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس کے خیر خواہ اور درد مند کی حیثیت سے پیش کریں، اور ایسے باوقار، بلیغ اور میٹھے انداز سے سیدھے راستے کی طرف دعوت دیں جو کم سے کم کڑواہٹ پیدا کرنے والا ہو۔ اس کے ساتھ دو باتوں کا اور بھی خیال رکھیں، ایک یہ کہ جو شخص اپنے لیے ہدایت کی ضرورت ہی نہیں مانتا ہو اور دنیا کی زندگی میں مست ہو، اس کے پیچھے نہ پڑیں، بلکہ جس میں یہ کیفیت نظر آئے اس سے کنارا کریں۔ دوسرے یہ کہ بے موقع تبلیغ نہ کریں۔ جب کوئی شخص یا کوئی گروہ خیر کی طرف دعوت کو سننے یا کسی نصیحت کو قبول کرنے کے موڈ میں نہ ہو اس وقت اسے دعوت دینا، یا ایک وقت میں، جتنی خوراک وہ قبول کرسکتا ہو اس سے زیادہ خوراک اس کے اندر اتارنے کی کوشش کرنا، یا سختی، ضد، ڈانٹ ڈپٹ اور چمکارنے جیسے طریقوں کو غلط جگہ استعمال کرنا مفید اثر ڈالنے کے بجائے الٹا خراب اثر ڈالتا ہے۔ بعض لوگ کام کرنے کے جوش میں ان حدوں کو نہیں دیکھ پاتے ہیں، اسلام ایک حکمت والا دین ہے، اور اس کے مبلغ کو حکیم و دانا ہونا چاہیے۔

• • •

اہم نکات

- ❑ صالح تر فرد کا انتخاب کریں
- ❑ امیر جماعت کے فیصلے کا احترام
- ❑ نئے افراد تجدید ایمان کریں
- ❑ نئے افراد کی ذہن سازی کریں
- ❑ کاموں کی تقسیم کریں اور جائزہ لیں
- ❑ ہفتہ وار اجتماع کریں
- ❑ قرآن وسیرت کا خصوصی مطالعہ
- ❑ اللہ سے مضبوط تعلق قائم کریں
- ❑ سیرت وکردار بلند کریں
- ❑ امت کو جوڑنے والا راستہ اپنائیں
- ❑ اسلامی تحریک کا مزاج اختیار کریں
- ❑ اپنے مقصد کی طرف یکسو ہو جائیں
- ❑ تبلیغ میں حکمت کا لحاظ رکھیں

مجلس شوریٰ کا اجلاس اور جائزہ

محرم ۱۳۶۱ھ (فروری ۱۹۴۲ء) کو مجلس شوریٰ کے اجتماع میں جماعت کی صورت حال کا جائزہ لے کر اِن باتوں پر اتفاق کیا گیا:

مقصد کے حوالے سے ارکان کی تربیت

جماعت کا جائزہ لینے سے معلوم ہوا ہے کہ جماعت میں بعض ایسے ساتھی بھی پائے جاتے ہیں جو ذہنی حیثیت سے ابھی تک یکسو نہیں ہوئے ہیں اور اس جماعت کے مسلک اور طریقے کو پوری طرح سمجھے بغیر جماعت میں داخل ہو گئے ہیں، اور ان سے کچھ زیادہ تعداد ایسے ارکان کی ہے، جن کی زندگی میں قابل اطمینان تبدیلی نہیں ہوئی ہے، یا جن کے اندر اپنے مقصد کے لیے کام کرنے کا اندرونی جذبہ ابھی تک اتنا گرم نہیں ہوا ہے کہ وہ کسی بیرونی تحریک کے بغیر خود اپنے دل کے جذبے سے سرگرم عمل ہوں۔ اس خامی کو دور کرنے کے لیے مقامی جماعتوں کے امرا کو ان باتوں کی طرف خاص توجہ کرنی چاہیے۔

۱۔ ارکان جماعت کی تعداد میں اضافہ کرنے کی خاطر کچے یا کچے پکے آدمیوں کی بھرتی نہ کی جائے، بلکہ صرف ان لوگوں کو جماعت میں داخل کیا جائے جو جماعت کے مسلک کو اچھی طرح سمجھ چکے ہوں، جن کے خیالات میں بکھراؤ باقی نہ رہا ہو، اور جنھوں نے جماعت کے دستور کی ذمہ داریوں کو بھی سمجھ لیا ہو۔

۲۔ عام طور پر لوگوں کو جماعت میں شامل ہونے کی دعوت نہ دی جائے، بلکہ اس عقیدے اور مقصد کی تبلیغ کی جائے جس پر یہ جماعت قائم ہوئی ہے۔ پھر ان میں سے جو لوگ اس حد تک متاثر ہو جائیں کہ ان کی زندگی میں سچ مچ تبدیلی ہونی شروع ہو جائے اور وہ خود تلاش کرنے لگیں کہ اس مقصد کے لیے کام کرنے کا راستہ کیا ہے، تب ان کے سامنے جماعت کا دستور پیش کیا جائے۔ اور دستور کو دیکھ کر جب وہ جماعت میں شریک ہونے کی خود خواہش کریں تب بھی انھیں فوراً جماعت میں داخل نہ کر لیا جائے بلکہ بار بار سوچنے کا موقع دیا جائے، اور جب وہ خوب سوچ سمجھ کر جماعت میں شریک ہونے کا فیصلہ کریں تو کلمہ شہادت کی ذمہ داریاں پوری طرح

محسوس کرا کے ان سے شہادت کا کلمہ ادا کرایا جائے۔

۳۔ یہ بات ہمیشہ جماعت کے ارکان کے ذہن میں بٹھائی جاتی رہے کہ جماعت میں شریک ہوتے وقت انھوں نے اپنے اللہ سے جو اقرار کیا ہے اسے پورا کرنا اور جو ذمہ داریاں قبول کی ہیں ان کو ادا کرنا اب ان کا اپنا کام ہے۔ انھیں اس بات کا محتاج نہ ہونا چاہیے کہ کوئی دوسرا انھیں اکسائے تو وہ کام کریں بلکہ انھیں خود اپنے ایمانی جذبے سے بھی اپنی زندگی کے مقصد کے لیے سرگرم ہونا چاہیے۔

۴۔ انھیں جماعت کے ارکان کو نماز اور قرآن سمجھ کر پڑھنے اور ہر نماز و تلاوت کے وقت اپنے نفس کا حساب لینے کی نصیحت کرنی چاہیے کیوں کہ اس ذریعے سے نفوس کا تزکیہ بھی ہوگا اور دلوں میں وہ آگ بھڑکے گی جو عمل پر ابھارنے والی ہے۔

۵۔ ہر مقامی امیر کو اپنی جماعت کے ارکان پر گہری نظر رکھنی چاہیے اور ان میں جو خامیاں محسوس ہوں، حکمت کے ساتھ ان کی اصلاح کرنی چاہیے۔

مقامی امیر اپنی تربیت کی فکر کریں

تبلیغ و دعوت کے کام میں ارکان جماعت کی رہ نمائی کرنا، ارکان کی اخلاقی تربیت کرنا اور جماعت کی تحریک کو ٹھیک ٹھیک صحیح راستے پر آگے بڑھانا مقامی جماعتوں کے امرا کا کام ہے، اور ان اہم ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے خود ان کی اپنی تیاری بھی ضروری ہے۔ اس لیے طے کیا گیا ہے کہ مقامی جماعتوں کے امرا ہر سال کم از کم ایک ایک دو دو مہینے کے لیے امیر جماعت کے ساتھ آکر رہیں۔

جماعت کے ارکان کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ایک بہت بڑا دعویٰ لے کر بہت بڑے کام کے لیے اٹھ رہے ہیں۔ اگر ان کی سیرتیں ان کے دعوے کے مقابلے میں پست ہوں تو وہ اپنے آپ کو اور اپنے دعوے کو مذاق بنا کر رکھ دیں گے۔

جماعت کے عارضی مرکز کا قیام

جون ۱۹۴۲ء میں پٹھان کوٹ کے قریب قریہ جمال پور میں عارضی طور پر جماعت کے مرکز کا قیام عمل میں آیا، اور اس میں کام کرنے کے لیے نقشہ بنایا گیا۔

مرکز جماعت میں کاموں کا نقشہ

نئے مرکز میں کام کرنے کے لیے جو نقشہ بنایا گیا ہے اس کو ہم چار عنوانات پر تقسیم کرتے ہیں:

- ❑ تعلیم و تربیت
- ❑ دعوت عام
- ❑ علمی تحقیق
- ❑ معاشی تدابیر

یہاں ہم ان عنوانات کے تحت اس نقشے کو ترتیب سے بیان کریں گے تاکہ ہر کام کی نوعیت اور اس کی عملی صورت اچھی طرح واضح ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس کام کو چلانے اور بڑھاوا دینے کے لیے کس قسم کے آدمیوں اور کن وسائل و ذرائع کی ضرورت ہے۔ ''جماعت اسلامی'' کے تحت جو جماعتیں ہندوستان کے مختلف مقامات پر قائم ہیں، ان کے امرا کو وقفے وقفے سے اپنی مقامی جماعتوں کے ارکان کی صلاحیتوں اور اپنے جماعتی وسائل کا پوری طرح جائزہ لے کر مرکز کو باخبر کرتے رہنا چاہیے کہ کس کس شعبے میں کام کرنے کے لیے ان کے پاس کس قابلیت کے آدمی موجود ہیں۔ اور ہر جماعت ان کاموں کو چلانے کے لیے کیا وسائل مہیا کر سکتی ہے۔ جہاں جماعتیں موجود نہیں ہیں اور صرف ارکان تنہا حیثیت میں موجود ہیں وہاں ہر فرد جماعت خود اس نقشے کو سامنے رکھ کر اپنا اور اپنے ذرائع کا جائزہ لے اور ہمیں بتائے کہ وہ اس سلسلے میں کیا کام کر سکتا ہے یا کیا ذرائع فراہم کر سکتا ہے، نیز جو لوگ جماعت میں شریک نہیں ہیں مگر اس کام سے دل چسپی اور ہم دردی رکھتے ہیں وہ بھی اگر کسی حیثیت سے اس میں حصہ لینا چاہیں تو ہمیں خبر کریں کہ وہ کس طرح کا کتنا حصہ لینے کے لیے تیار ہیں۔

تعلیم و تربیت

سب سے پہلا کام جو ہم یہاں کرنا چاہتے ہیں ایک درس گاہ و تربیت گاہ کا قیام ہے۔ "نیا نظام تعلیم" اور "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے" دونوں میں اس حقیقت کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ کوئی تحریک جو انسانی زندگی میں ایک مکمل اور حقیقی تبدیلی برپا کرنا چاہتی ہو کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ خود اپنے مزاج اور اپنے تقاضوں کے مطابق انسانوں کو ڈھالنے اور بنانے کے لیے تعلیم و تربیت کا ایک نظام قائم نہ کر لے۔ اسی حقیقت کو سامنے رکھ کر چند رفقا کے مشورے سے جو فن تعلیم کو علمی حیثیت سے بھی اچھی طرح جانتے ہیں اور عملی تجربہ بھی رکھتے ہیں، ایک درس گاہ کا خاکہ بھی تیار کیا گیا ہے۔

علمی تحقیق

علمی تحقیق کا شعبہ اصل میں ہماری تحریک کا دل اور دماغ ہوگا۔ اب تک اس تحریک کا علمی کام تنہا ایک ہی شخص کرتا رہا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ایک اکیلا آدمی ایک ایسی زندگی کے ہر میدان اور دنیا کی ہر جگہ پھیلی ہوئی تحریک کے لیے علمی و فکری بنیاد فراہم کرنے کی خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ اگر ہمیں واقعی تمدنی اور اخلاقی نظام میں کوئی تبدیلی پیدا کرنا ہے تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ صرف اردو زبان ہی میں نہیں بلکہ بہت سی دوسری زبانوں اور خاص طور پر دو تین بین الاقوامی زبانوں میں بھی ایسا لٹریچر فراہم کریں جو اسلامی نظام کی پوری شکل و صورت سے دنیا کو آشنا کرے اور اپنی تنقید سے موجودہ تہذیب و تمدن کی جڑیں اکھاڑ کر دلوں اور دماغوں میں اسلامی نظام کی سچائی کا یقین اور اس کو قائم کرنے کی خواہش پیدا کر دے۔ نیز ہمیں قرآن، حدیث، فقہ اور تاریخ اسلام کے متعلق تمام علوم کو، نیز اسلامی نقطۂ نظر سے نئے علوم کو بھی نئے سرے سے تیار کرنا ہوگا۔ یہ کام کیے بغیر ہم ہرگز یہ امید نہیں کر سکتے کہ محض کسی عمومی تحریک سے کوئی حقیقی اسلامی تبدیلی دنیا کے موجودہ تمدنی اور اخلاقی نظام میں آجائے گی۔

دعوتِ عام

ہم ان دونوں تعمیری کاموں کے ساتھ سب کو دعوت دینے کا کام بھی پوری قوت کے ساتھ

چلانا چاہتے ہیں۔ ہماری تعمیری کوششیں بے فائدہ ہو جائیں گی اگر ساتھ ساتھ ان کی پشت پر ایک مضبوط رائے عامہ بھی تیار نہ ہوتی رہے۔ جس طرح اوپر ذکر کیے گئے تعمیری کاموں کے بغیر کوئی اسلامی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی، اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ عام لوگوں میں اسلام کی دعوت پھیلائے بغیر ایسی کوئی تبدیلی برپا ہو سکے۔ ہمیں نہ صرف ہندوستان میں بلکہ جہاں تک ہو سکے دنیا کے کونے کونے میں اپنی آواز پہنچانی ہوگی، کیوں کہ آج کسی ایک ملک میں کوئی حقیقی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ بڑے پیمانے پر بین الاقوامی رائے عامہ اس کی تائید میں تیار نہ کر لی جائے۔ اربوں انسانوں کو ہمارے پیغام سے واقف ہونا چاہیے۔ کروڑوں انسانوں کو کم از کم اس حد تک اس سے متاثر ہو جانا چاہیے کہ وہ اس چیز کو حق مان لیں، جس کے لیے ہم اٹھ رہے ہیں۔ لاکھوں انسانوں کو ہماری پشت پر اخلاقی اور عملی تائید کے لیے تیار ہونا چاہیے، اور ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تیار ہونی چاہیے جو بلند ترین اخلاق کے مالک ہوں اور اس عظیم مقصد کے لیے کوئی خطرہ، کوئی نقصان، کوئی مصیبت برداشت کرنے میں ذرا جھجک سے کام نہ لیں۔ اس قسم کی عام دعوت شروع کرنے کے لیے شروع میں ضروری ہے کہ چھوٹے پیمانے پر ایک محدود حلقے میں کچھ نمونے کا کام کیا جائے اور داعیوں کی اخلاقی و عملی تربیت کر کے اس حلقے میں ان سے کام لیا جائے تاکہ آئندہ بڑے پیمانے پر دعوت پھیلانے کی راہ کھل جائے۔ اس ضرورت کا احساس ہمیں پہلے بھی تھا، لیکن پچھلے ایک سال کے جماعتی کام سے جو تجربہ حاصل ہوا ہے اس کی بنا پر ہم ذرا دیر کیے بغیر اس شعبے کی بنیاد رکھ دینا چاہتے ہیں۔

معاشی تدابیر

ظاہر ہے کہ اوپر جن کاموں کا ذکر کیا گیا ہے ان سب کے لیے مالی ذرائع درکار ہیں اور یہاں وہ پائے نہیں جاتے ہیں۔ اتنے بڑے کاموں کے لیے جس اجتماعی اعانت کی ضرورت ہوتی ہے وہ نہ ہمیں اب تک ملی ہے نہ آئندہ اس کی توقع ہے، نہ ہم وہ تدبیریں اختیار کر سکتے ہیں جن سے وہ ملا کرتی ہے، اور نہ ہمیں ان لوگوں سے کسی مدد کی امید رکھنے کا کوئی حق ہے جن کی زندگی کا مقصد وہ نہیں ہے جو ہمارا ہے۔ چند اہل خیر ایسے ضرور ہیں جو ہماری درخواست کے بغیر محض اللہ کی

رضا کے لیے کچھ نہ کچھ بھیجتے رہتے ہیں، مگر یہ اعانت اب تک کے اجتماعی کاموں کے لیے ہی ناکافی تھی اب آئندہ جو کام سامنے ہیں ان کے لیے یہ کچھ بھی کافی نہیں ہو سکتی۔ اس وقت تک جو کچھ بھی کام ہوا ہے وہ زیادہ تر جماعت کے بک ڈپو کی آمدنی سے ہوا ہے۔ اور وہ بھی کچھ بہت زیادہ نہیں ہے کہ اس کے بل پر کام اتنا پھیلایا جاسکے۔ اب اس عظیم کام کے لیے جن ذرائع کی ضرورت ہے وہ دو ہی صورتوں سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جو لوگ جماعت اسلامی میں شریک ہوئے ہیں اور جو لوگ اس کے مقصد سے ہم دردی رکھتے ہیں وہ اس راہ میں مالی قربانیاں پیش کرنے کے لیے تیار ہو جائیں اور ان باطل پرستوں سے سبق لیں جو آج اپنے نظریات کا اقتدار قائم کرنے یا قائم رکھنے کے لیے کروڑوں پونڈ روزانہ آگ میں جھونک رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ باطل پرستوں کی ان قربانیوں کے مقابلے میں اگر حق پرست کچھ بھی قربانی نہ دیں اور اپنے ذاتی مفاد ہی کی پوجا کرتے رہیں تو فطرت کے قانون کے تحت یہ بالکل ناممکن ہے کہ ہمیں باطل کے مقابلے میں اس حق کو پھیلانے میں کامیابی حاصل ہو جائے جس پر ہم ایمان لائے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہماری جماعت میں جو لوگ کسی قسم کے صنعتی یا تجارتی کام کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں وہ یہاں آئیں اور اپنی قابلیتوں سے کام لے کر دولت پیدا کریں اور ایک حصہ اپنی ذات پر اور دوسرا حصہ اپنی زندگی کے مقصد پر خرچ کریں۔

• • •

اللہ نہ کرے، اگر مقامی امیر سے کوئی شکایت ہو تو اسے فتنہ کا ذریعہ بنانے کے بجائے بے جھجک امیر کے سامنے لانا چاہیے۔ اور پھر مقامی اجتماع میں، اور اگر ضرورت ہو تو امیر جماعت کے سامنے۔

(میاں طفیل محمدؒ، قیم جماعت؛ روداد جماعت اسلامی، حصہ چہارم، ص ۴۴)

اندرونی آزمائشیں*

شوال ۱۳۶۱ھ (اکتوبر ۱۹۴۲ء) کے دوسرے ہفتے میں مجلس شوریٰ کا دوسرا اجتماع دہلی میں ہوا۔ اس اجتماع کا اصل مقصد چند ایسے اختلافات کا حل تلاش کرنا تھا جو بد قسمتی سے ابتدائی مرحلے ہی میں اس نازک موقع پر جماعتی نظام کے اندر پیدا ہو گئے تھے اور جن کی وجہ سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں اقامت دین کی یہ منظم کوشش جو ایک صدی رکی رہنے کے بعد پھر مشکل سے شروع ہوئی ہے، شروع ہوتے ہی ختم نہ ہو جائے اور ایسے مایوس کن اثرات اپنے پیچھے نہ چھوڑ جائے کہ اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی اس کی ناکامی مدتوں تک ایک مثال بن کر سچے دین کو قائم کرنے کی کوشش سے روکتی رہے۔ میں نے ان اختلافات کو سلجھانے کی جتنی کوششیں کیں ان میں مجھے سخت ناکامی ہوئی ہے اور صرف ناکامی ہی نہیں بلکہ گروپ بندی، اختلاف، بد دلی اور بد گمانیوں کا زہر دور و نزدیک کے ارکان میں ہر طرف پھیلنا شروع ہو گیا۔ تب میں نے مجبور ہو کر شوریٰ کے ارکان کو دہلی میں جمع ہونے کی تکلیف دی تا کہ اس الجھن کو دور کرنے میں میری مدد کریں۔

چار پانچ روز ہم لوگ اس کام میں جٹے رہے۔ پہلے میں نے چاہا کہ جن چیزوں میں اختلاف ہے ان پر گفتگو کر لی جائے اور جو لوگ مجھ سے یا میرے کام سے مطمئن نہیں ہیں وہ خفیہ طور سے مہم چلانے کے بجائے جماعت کے سامنے اپنی بے اطمینانی کے اسباب صاف صاف بیان کر دیں۔ پھر اگر جماعت ان کے بیان سے مطمئن ہو جائے تو مجھے قیادت کے عہدے سے ہٹا دیا جائے۔ لیکن ان لوگوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے بعد جماعت کے سامنے تین صورتیں پیش کیں:

---

* امیر جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے قلم سے

۱۔ ایک یہ کہ میں خود استعفا دیتا ہوں، میری جگہ کسی دوسرے شخص کو رہ نما چن لیا جائے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ ایک شخص نہیں ملتا تو تین چار آدمی مل کر اس کام کو سنبھالیں۔

۳۔ تیسرے یہ کہ جماعت کا یہ نظام جو ہم نے بنایا ہے اسے توڑ دیا جائے اور ان سب لوگوں کو جو اس مقصد کی خدمت کا عہد کر چکے ہیں آزاد چھوڑ دیا جائے کہ جس شخص کا جس پر اطمینان ہو اس سے وابستہ ہو کر کام کرے۔ اور جو لوگ کسی دوسرے سے مطمئن نہ ہوں مگر خود اپنے اوپر اطمینان رکھتے ہوں وہ خود اٹھیں اور کام کریں، اور جو لوگ دوسروں سے بھی مایوس ہوں اور اپنے آپ سے بھی وہ پھر "امام مہدی" کے آنے کا انتظار کریں۔

پہلی تجویز اس بنا پر سب کی طرف سے رد کر دی گئی کہ جو لوگ اس وقت جماعت میں شامل ہوئے ہیں ان میں سے کوئی بھی اس بوجھ کو سنبھال نہیں سکتا۔ خود اختلاف کرنے والے لوگ بھی اس بات پر متفق تھے۔

دوسری تجویز بھی سب کی طرف سے رد کر دی گئی کیوں کہ وہ شریعت کی رو سے بھی صحیح نہیں ہے اور عملی لحاظ سے بھی ہمارے مقصد کے لیے مفید نہیں ہے۔

رہی تیسری تجویز تو اختلاف رکھنے والے افراد کی خواہش یہ تھی کہ اسی پر عمل کیا جائے اور خود میرا بھی جھکاؤ اسی کی طرف تھا، کیوں کہ میں ایسے مختلف مزاجوں والے لوگوں کے جمع ہو جانے میں کوئی خیر نہ دیکھتا تھا جو مل جل کر رہنے کے عمل کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوں، اور ان کم سے کم ضروری صفات سے بھی خالی ہوں، جن کے بغیر کوئی کام کرنے والی جماعت نہیں بن سکتی۔ لیکن ارکان شوریٰ کی اکثریت نے اس تجویز سے سخت اختلاف کیا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ اس طرح جماعت کو توڑ کر ہم اپنے مقصد کی خدمت کرنے کے بجائے اس کے ساتھ دشمنی کریں گے اور ہماری یہ حرکت اس بے عملی کو باقی اور جاری رکھنے کے لیے ایک اور دلیل بن جائے گی جو بالاکوٹ کی ٹریجڈی کے بعد سے ایک سو دس برس تک اسلامی تحریک پر طاری رہی ہے۔ اس لیے بجائے اس کے کہ چند افراد کے اختلاف کی وجہ سے جماعت ٹوٹے کیوں نہ وہ افراد جماعت سے ٹوٹ جائیں جو

ساتھ مل کر نہیں چل سکتے۔ یہ دلیل اتنی وزنی تھی کہ آخر اسی کو مان لیا گیا۔ جو لوگ اختلاف سے متاثر تھے ان میں سے بعض واپس آگئے اور صرف چار لوگ ایسے رہ گئے جو اختلاف پر قائم رہتے ہوئے جماعت سے الگ ہو گئے۔

لیکن ان لوگوں کے الگ ہو جانے کے بعد بھی میں جماعت کی قیادت کا بار سنبھالنا اس وقت تک جائز نہ سمجھتا تھا جب تک کہ جماعت کے رفیقوں کو اختلاف کی پوری حقیقت بتا کر یہ معلوم نہ کر لیتا کہ آیا اس کے بعد بھی وہ مجھ پر اعتماد رکھتے ہیں یا نہیں۔ اس لیے میں نے الگ ہونے والوں کی وہ تحریر، جس میں انھوں نے میری ذات اور میرے کام پر اپنے اعتراضات تفصیل کے ساتھ بیان کیے تھے، جماعت کے سامنے پیش کر دی اور ہر اعتراض کا جو جواب میرے پاس تھا وہ بھی بیان کر دیا۔ پھر رفقا سے عرض کیا کہ دونوں پہلوؤں کا بے لاگ موازنہ کر لیں اور آزادی کے ساتھ فیصلہ کریں کہ، جس شخص کو انھوں نے ایک سال پہلے اپنا رہ نما چنا تھا، وہ اب بھی ان کی نگاہ میں اس لائق ہے یا نہیں کہ وہ اس کو رہ نما مانیں۔ جماعت کی طرف سے اس سوال کا جواب ہاں میں تھا۔

. . .

اس وقت ہماری نظر اس چیز پر ہے کہ ہر مقام پر ہمیں ایسے پختہ آدمی مل جائیں جو اس دعوت کے کام کو ذمہ دارانہ اور قابل اعتماد طریقے سے چلانے کے اہل ہوں اور لوگوں کی رہ نمائی و قیادت اسلامی اصولوں پر کر سکتے ہوں۔

(میاں طفیل محمدؒ، قیم جماعت: روداد جماعت اسلامی، حصہ چہارم، ص ۳۹)

کام کا نقشہ*

ہماری تحریک اس وقت ترقی کی طرف آگے بڑھتی ہوئی اس مرحلے پر پہنچ گئی ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی مختلف جماعتیں ہمارے مقصد سے متاثر ہو چکی ہیں اور وہ بات جسے تین چار سال پہلے ہماری مذہبی اور سیاسی جماعتیں زبان پر لانے کے لیے تیار نہیں تھیں اب اسے زیادہ تر جماعتیں اپنا مقصد قرار دینے لگی ہیں۔ لیکن اس چیز سے چاہے ہمیں کتنی ہی خوشی ہو ہمیں اس پر مطمئن نہیں ہو جانا چاہیے کیوں کہ جہاں تک مسلم جماعتوں کا تعلق ہے وہ جس آسانی سے اس مقصد کو قبول کر لیتی ہیں اس آسانی سے اس مقصد کے مخصوص طریق کار اور ذمہ داریوں اور اخلاقی تقاضوں کو قبول نہیں کر سکتیں۔ اس وقت یہ خطرہ سامنے ہے کہ کہیں یہ مقصد ہنگامہ پسند جماعتوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر نہ رہ جائے، اور وہ اس کو ایک سنجیدہ مقصد کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کرنے کے بجائے ایک مذاق نہ بنا دیں۔ اس لیے اب اس پہلو پر زور دینے کی ضرورت ہے کہ اس مقصد کے لیے کوشش کرنا تو دور کی بات، اس کا نام زبان پر لانے کے لیے بھی اونچا کیرکٹر ضروری ہے۔ اس پہلو سے افکار کو پھیلانے کی مہم اس زور سے شروع ہو جانی چاہیے کہ اللہ والی حکومت کا نعرہ بلند کرنے والی جماعتیں دیانت دارانہ طریقے سے اخلاقی ذمہ داریوں کو قبول کرنے پر مجبور ہوں اور اس نعرے کے مطابق کام کریں، یا اگر انھیں کسی دوسرے راستہ ہی پر چلنا ہو تو عوام کو دھوکہ دینے سے باز آجائیں۔

---

* اکتوبر ۱۹۴۳ء میں دربھنگہ کے اجتماع ارکان میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تقریر کے کچھ حصے

خطرے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ پچھلے پچیس تیس سال سے مسلمانوں کی سیاسی تربیت غلط طریقے پر ہوتی رہی ہے۔ ان کا مستقل اجتماعی مزاج یہ بن گیا ہے کہ ایک آئیڈیا پر ٹھوس کام کرنے کے بجائے اور کوئی منصوبہ بنائے بغیر شور مچا دیتے ہیں۔ یہ تحریک کا غلط انداز جو بے عملی سے کچھ کم نقصان دہ نہیں ہے، عوام میں بہت مقبول ہے۔ لیکن ہم اسے ختم کر دینا چاہتے ہیں، ہمیں تحریک کا پورا منصوبہ بنانے سے پہلے دعوت کو ہنگامہ پسند عوام تک پہنچانے سے پرہیز کرنا ہے۔ خوب سوچ لیں کہ جس میدان میں آپ اتر رہے ہیں اس میں دشمن کے مورچے کدھر کدھر اور کس ترتیب سے پھیلے ہوئے ہیں اور اس کے مقابلے میں آپ کو کس طرز پر مورچہ بندی کرنی ہے، آپ کے کم زور پہلو کون کون سے ہیں، آپ کی جمعیت کو کس کس پہلو سے مضبوط ہونا چاہیے، پیش قدمی کدھر سے اور کس رفتار سے ہو۔ غرض یہ کام ہلّڑ مچانے سے نہیں ہوگا۔ اس کے لیے تو ایک ہوشیار جنرل کی دور تک اور ہر طرف دیکھنے والی نگاہ اور اس کے ساتھ اطاعت کے نظام میں جکڑی ہوئی ایک جمعیت کی کوشش مفید ہو سکتی ہے۔

موجودہ مرحلے کی نزاکت کچھ اس وجہ سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ جہاں تک بنیادی افکار کا تعلق ہے ان کو پھیلانے میں تو ہم بڑی حد تک کام یاب ہو چکے ہیں۔ لیکن ہمارے پاس ایسی سیرت اور ایسی اعلیٰ قابلیت رکھنے والا ایک منظم گروہ مہیا نہیں ہو سکا ہے جو دنیا کے سامنے ان عملی تفصیلات کو پیش کر سکے جن کی مانگ ہمارے ان افکار پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے والے لوگ کرتے ہیں۔ جب لوگ ہم سے اجتماعی زندگی کا وہ تفصیلی نقشہ مانگنے لگتے ہیں جو ہمارے فکری نظام کی بنیاد پر بننا چاہیے تو ہم اسے پیش نہیں کر پاتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ ان تفصیلات کو ترتیب دینا ایک تنہا شخص کے بس کا کام نہیں ہے بلکہ اس کے لیے صاحب فکر محققوں کا ایک گروہ چاہیے جو لگاتار محنت اور کوشش سے اس کام کو انجام دیتا رہے۔

ہماری دعوت پر لبیک کہنے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد روشن اور تاریک دونوں پہلو رکھتی ہے۔ روشن پہلو یہ ہے کہ ہماری طرف مسلمانوں کا وہی حصہ کھنچ رہا ہے جو صالح اور کام آنے والا ہے۔

ہماری پکار پر جو لوگ "نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہ" (ہم اللہ کے مدد گار ہیں) کہہ کر جمع ہو رہے ہیں ان میں ایک نہایت خوش گوار اخلاقی بدلاؤ پایا جاتا ہے۔ لیکن اس روشن پہلو کے ساتھ تاریک پہلو یہ ہے کہ ارکان جماعت میں صبر اور اپنے مقصد سے گہرا تعلق اور اپنے "ہول ناک عہد" کی ذمہ داریوں کے احساس میں کمی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے بہت جلدی جذبات ٹھنڈے پڑنے شروع ہو جاتے ہیں، اگر بار بار اکسانے اور گرمانے کا سلسلہ جاری نہ رہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اکسانے والا نہ ہو اور کوئی دل چسپ کام ان کو فوراً نہ بتایا جائے تو الٹے پاؤں پھر جانے کی صورت بہت آسانی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ ہمارے ارکان میں یہ تصور پوری شدت کے ساتھ نہیں پایا جاتا ہے کہ سمجھ بوجھ کر اور ذمہ داری کے احساس کے ساتھ توحید و رسالت کی گواہی ادا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی کا عہد کسی شخص یا جماعت کے ساتھ نہیں بندھ رہا ہے بلکہ اللہ کے ساتھ بندھ رہا ہے۔ اور اس گواہی کے ساتھ مسلمان کی زندگی کا جو مقصد بن جاتا ہے، اس کے لیے کام کرنا گواہی ادا کرنے والے کا اپنا فرض بن جاتا ہے۔ دوسرا تاریک پہلو ہمارے جماعتی نظام میں یہ ہے کہ حکم ماننے میں کمی پائی جاتی ہے، اور ارکان جماعت میں آپس کے تعلق اور تعاون میں زیادہ ترقی نہیں ہوئی اور ابھی تک ایسے لوگ ہم کو نہیں ملے ہیں جو مقامی امارتوں کی ذمہ داریاں اچھی طرح سمجھیں اور مقامی جماعتوں کے ارکان سے صحیح طریقے پر کام لے سکیں۔

مالی ایثار کی اہمیت

ہمارے ساتھیوں میں مالی ایثار کا جذبہ بہت کم بلکہ صفر کے برابر ہے۔ ابھی تک اپنی زندگی کے مقصد کے لیے روپے خرچ کرنا لوگوں نے نہیں سیکھا اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا جذبہ نہیں پایا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اگر دوسری جماعتوں کی طرح چندے کی اپیلوں سے لوگوں کو ٹھیلا جاتا رہے اور چندہ مانگنے کی صدا لگائی جاتی رہے تو یہ کمی پوری ہو جائے، لیکن ہم اسے پسند نہیں کرتے کہ لوگ باہر سے جوش دلانے کے محتاج ہو کر رہ جائیں، ہماری تحریک کا خاص مزاج یہ چاہتا ہے کہ جو کچھ کیا جائے اندر کے جذبے سے کیا جائے۔ جس طرح ایک فرد زندہ رہنے کے لیے

بغیر کسی کے کہے معدے کو غذا پہنچاتا ہے، اسی طرح جماعت کو اپنے جماعتی معدہ یعنی بیت المال کی بھوک کا خود احساس کرنا چاہیے، ورنہ زندگی کی حرکت زیادہ دیر تک باقی نہ رہ سکے گی۔

یہ صحیح ہے کہ ہمارے ارکان زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو معاشی اعتبار سے کچھ زیادہ خوش حال نہیں ہیں۔ لیکن اس بات کو نہ بھولنا چاہیے کہ اس دعوت نے کبھی بھی شروع میں زیادہ خوش حال لوگوں کو اپیل نہیں کیا ہے۔ پہلے بھی زیادہ تر ایسے ہی لوگ اس کی طرف کھنچتے رہے ہیں، جن کی مالی حالت بہتر نہ تھی۔ اصل میں مالی ایثار کے جذبے کا تعلق جیب کے وزن سے اتنا زیادہ نہیں ہے جتنا دل کی لگن سے ہے اور اسی لگن میں کمی معلوم ہوتی ہے۔

عمومی تحریک کے لیے تیاری ضروری ہے

اکثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے ارکان کو اپنی تحریک اور دوسری تحریکوں کے فرق کی پوری سمجھ نہیں ہے۔ حالاں کہ اس فرق کو اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریک عام تحریکوں سے بنیادی فرق رکھتی ہے۔ پہلا فرق یہ کہ اس کے سامنے پوری زندگی کا مسئلہ ہے زندگی کے کسی ایک پہلو کا نہیں۔ دوسرا فرق یہ کہ باہر سے پہلے یہ انسان کے اندر پر بات کرتی ہے، جہاں تک پہلے پہلو کا تعلق ہے ہمارے سامنے کام اتنا بڑا اور اہم ہے جو اسلامی تحریک کے سوا دنیا کی کسی تحریک کے سامنے نہیں ہے اور ہم اس جلد بازی کے ساتھ کام نہیں کر سکتے، جس جلد بازی سے دوسرے کر سکتے ہیں، پھر ہمارے لیے باہر سے بڑھ کر اندرون اہمیت رکھتا ہے، اس وجہ سے محض تنظیم اور محض ایک چھوٹے سے ضابطہ بند پروگرام پر لوگوں کو چلانے اور عوام کو کسی ڈھرّے پر لگا دینے سے ہمارا کام نہیں چلتا۔ ہمیں عوام میں عمومی تحریک (mass movement) چلانے سے پہلے ایسے آدمیوں کو تیار کرنے کی فکر کرنی ہے جو بہترین اسلامی سیرت رکھتے ہوں اور ایسی اونچے درجے کی دماغی صلاحیتیں بھی رکھتے ہوں کہ افکار کی تعمیر کے ساتھ اجتماعی قیادت کے دوہرے فرائض کو سنبھال سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں عوام میں تحریک کو پھیلا دینے کے لیے جلدی نہیں کر رہا ہوں بلکہ میری تمام تر کوشش اس وقت یہ ہے کہ ملک کے ذہین طبقوں کو متاثر

کیا جائے، اور ان کو کھنگال کر صالح ترین افراد کو چھانٹ لینے کی کوشش کی جائے جو آگے چل کر عوام کے لیڈر بھی بن سکیں اور تہذیبی و تمدنی معمار بھی۔ یہ کام ٹھنڈے دل سے کرنے کا ہے اور ایک عمومی تحریک کی طرح فوری ہلچل اس میں نظر نہیں آسکتی ہے۔ اس وجہ سے نہ صرف ہمارے ہم درد اور ہم خیال لوگ بلکہ خود ہمارے ارکان تک بد دل ہونے لگے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ارکان جماعت کام کے اس نقشہ کو اچھی طرح سمجھ لیں اور بد دل ہونے کے بجائے اپنی قوتیں کسی مفید کام میں استعمال کریں۔

یہ اعتراض صحیح ہے کہ عوام کی بڑی تعداد کو اس نقشے کے مطابق اونچی سیرت والا بنانے کے لیے بہت لمبی مدّت چاہیے۔ مگر ہم اپنے انقلابی پروگرام کو عوام کی مکمل اصلاح کے انتظار میں روکے رکھنا نہیں چاہتے۔ ہمارے سامنے صرف یہ نقشہ ہے کہ عوام کی قیادت کے لیے ایک ایسی چھوٹی جماعت فراہم کرلی جائے، جس کا ایک ایک فرد اپنے اونچے کیرکٹر کی کشش سے ایک ایک علاقے کے عوام کو سنبھال سکے۔ اس کی ذات عوام کا مرکز بن جائے اور کسی مصنوعی کوشش کے بغیر بالکل فطری طریقے سے عوام کی لیڈر شپ کا منصب اسے حاصل ہوجائے۔ مگر صرف مرکز ہونے سے بھی کام نہیں چل سکتا، اس سے کام لینے کے لیے دماغی صلاحیتیں بھی ہونی چاہئیں تاکہ ان مرکزی شخصیتوں کے ذریعہ سے عوام کی قوتیں اکٹھا اور منظم ہوکر اسلامی تبدیلی کی راہ میں استعمال ہوں۔ ایک ٹھوس، پائیدار اور ہر جگہ پھیل جانے والی تبدیلی کا شروع کا ضروری مرحلہ یہی ہے۔ اس مرحلے کو صبر سے طے کرنا ہی پڑے گا، ورنہ تحریک کی تباہی یقینی ہے۔ اگر موجودہ حالات میں عوام کو اکسا دیا جائے جب کہ عوام کو سنبھال کر لے چلنے والے مقامی رہ نما (sub-leaders) موجود نہیں ہیں تو عوام بالکل غلط راہیں اختیار کرلیں گے اور اپنے آپ کو نااہل لوگوں کے حوالے کردیں گے۔

عمومی تحریک سے پہلے کرنے کے کام

عمومی تحریک (mass movement) شروع کرنے سے پہلے چند تعمیری کام کرلینے ضروری ہیں۔ ایک کام یہ کہ ہم اپنے تعلیمی پروگرام کی بنیاد رکھ دیں، کیوں کہ ضروری نہیں کہ ہم

اپنی زندگی میں اپنے مقصد تک پہنچ جائیں۔ اس لیے ہمیں ابھی سے یہ فکر کرنی چاہیے کہ ہم اپنی جگہ اپنے سے بہتر کام کرنے کے لیے آئندہ نسل کو تیار کرنا شروع کر دیں۔ دوسرا کام یہ کہ ہمیں اہل قلم کا ایک ایسا لشکر تیار کر لینا چاہیے جو علوم و فنون اور ادب کے ہر پہلو سے موجودہ نظام پر حملہ آور ہو سکے۔ کچھ سیاسی مفکر ہوں جو حال کی کافرانہ سیاست کے مکروہ چہرے کو سامنے لائیں، کچھ معاشی ماہرین ہوں جو موجودہ معاشی سسٹم کی خرابیوں کو کھولیں، کچھ قانون کے ماہرین کی ضرورت ہے جو انسانی قوانین کی خامیوں کو اجاگر کریں، اخلاق و نفسیات کے کچھ حکما چاہئیں جو بتائیں کہ موجودہ دور کے علم نفس اور علم اخلاق کی نگاہ کتنی چھوٹی ہے، اور ان غلط عمارتوں کو گرانے کے ساتھ ساتھ یہ لوگ علوم کی نئی تیاری کا تعمیری کام بھی سنبھال لیں۔ ان مفکروں کو مدد فراہم کرنے کے لیے ادیبوں، افسانہ نگاروں اور ڈرامہ نویسوں کا ایک گروہ بھی ضرور ہونا چاہیے جو فکری میدان میں "گوریلا وار" لڑتا رہے۔ تیسرا تعمیری کام ہمیں یہ کرنا ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے عمومی تحریک کو چلانے کے لیے کارکنوں اور رضاکاروں کی تربیت کی جائے۔ ہمیں مقرروں سے لے کر خاموش کارکنوں تک بالکل نئی قسم کے کارکن چاہئیں جن کے اندر اللہ کا ڈر رچا بسا ہو۔ ان تینوں شعبوں میں جس کم سے کم تعمیری کام کی ضرورت ہے اس کو انجام دینے سے پہلے یہ امید نہ رکھنی چاہیے کہ ہم عوام میں انقلابی دعوت پھیلانے کے لیے کوئی کامیاب قدم اٹھا سکتے ہیں۔

کام کے اس نقشے کو اب تک سمجھا نہیں گیا ہے اور آنکھیں انھی تحریکوں سے واقف ہیں جو پچھلے ۲۰، ۲۵ برس سے چلتی رہی ہیں، اس لیے لوگ بجائے اس کے کہ ان پہلوؤں میں اپنے آپ کو اور اپنی جماعت کو تیار کرنے پر اپنی قوتوں کو لگائیں وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کوئی چلتا پھرتا کام فوراً ہونے لگے اور جب وہ ہوتا نظر نہیں آتا تو ان کے اوپر مایوسی طاری ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ جماعت کے بہت سے ارکان ایسے ہیں جنھوں نے مجھ سے گفتگو میں بھی اور خط کتابت کر کے بھی یہ سوال کیا ہے کہ ہمارا پروگرام کیا ہے، اور ہم کیا کام کریں؟ پروگرام مانگنا اور یہ سوچنا کہ ان لوگوں کو کرنے کے لیے کوئی کام بتایا نہیں گیا، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہمارے رفیق ابھی تک پوری طرح

نہیں سمجھے ہیں کہ جس تحریک کی خدمت کے لیے انھوں نے اپنے آپ کو پیش کیا ہے وہ کس طرح کی ہے۔ مسلمان اگر یہ بات پوری طرح سمجھ لے کہ اس دنیا میں اس کی حیثیت کیا ہے اور اس کی ذمہ داری کتنی بھاری ہے، تو اسے خود معلوم ہو جائے کہ اس کی پوری زندگی کے لیے ایک ایسا مکمل اور ہر طرف پھیلا ہوا پروگرام موجود ہے جس پر اگر وہ پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ عمل کرے تو اسے ایک لمحے کی فرصت بھی نہیں مل سکتی۔

چھوٹے کاموں کے بجائے بڑے پروگرام کو سامنے رکھیں

ہر شخص کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی جسمانی اور ذہنی قوتیں عطا کی ہیں۔ زندگی کے بہت سے سامان اس کو امانت کے طور پر دیے ہیں، بہت سے انسانوں کے ساتھ اسے تعلقات کے رشتوں میں باندھا ہے، اور ان رشتوں کے لحاظ سے مختلف ذمہ داریاں اس پر عائد کی ہیں۔ اللہ کے سامنے ہر شخص کی ذمہ داری اس لحاظ سے ہے کہ وہ اپنی ان قوتوں کو کس طرح استعمال کر رہا ہے اور اللہ کی دی ہوئی امانتوں کے ساتھ وہ کیا کر رہا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے پروگرام یہی ہے کہ وہ ہر وقت اپنا حساب لے کر دیکھتا رہے کہ اس بہت بڑے ٹرسٹ کا ٹرسٹی ہونے کی حیثیت سے وہ اپنے فرائض کو کہاں تک انجام دے رہا ہے، اور ان میں اللہ کی مرضی کو پورا کرنے میں کس حد تک کام یاب ہے؟ مثلاً اگر کوئی شخص اپنی بولنے کی قوت کے حساب ہی پر متوجہ رہے اور مسلسل اس کوشش میں لگا رہے کہ زبان کی طاقت جس مقصد کے لیے اللہ نے اس کو دی تھی، اس کو کہاں تک پورا کر رہا ہے اور اس نعمت کے ساتھ جو ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں ان کو کہاں تک نباہ رہا ہے تو شاید اسی پروگرام سے اس کو اتنی فرصت نہ ملے کہ اس کے بعد کسی دوسرے پروگرام کے پوچھنے کی اس کو ضرورت پیش آئے۔ یہی حال دوسری بے شمار قوتوں کی ذمہ داریوں کا ہے۔

اگر میں چند چھوٹے موٹے کاموں کو پروگرام کے طور پر آپ لوگوں کے سامنے پیش کر دوں تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ اس بڑے اور ہر چیز کو اپنے اندر سموئے ہوئے پروگرام سے، جس کی بے شمار مدیں ہیں اور جس پر زندگی کے ہر سانس میں آپ کو عمل کرنا ہے،

آپ غافل ہوجائیں گے اور سمجھیں گے کہ اصل کرنے کے کام وہ چند ہیں جو ایک چھوٹے سے پروگرام میں آپ کے سامنے پیش کیے گئے ہیں۔ اس لیے شدید اور بار بار کے مطالبوں کے باوجود ایسی کوئی چیز پیش کرنے سے سختی سے بچتا رہا ہوں اور آئندہ بھی بچتا رہوں گا۔

میری آخری حد تک کوشش یہ ہے کہ ہر شخص جو جماعت میں داخل ہو وہ اس بڑے پروگرام کو سمجھے اور اس پر عمل کرے جو اسلام کی سمجھ آنے کے ساتھ ہی اس کی زندگی کے لیے خود طے ہو جاتا ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے جب میں اپنے رفیقوں سے کبھی اس قسم کی باتیں سنتا ہوں کہ "ہمارے لیے کرنے کا کام کیا ہے؟" میں پوچھتا ہوں کہ کیا اپنی تمام کمزوریوں کو آپ دور کر چکے ہیں اور اپنے نفس کو پورے طور پر اللہ کا بندہ بنانے میں کامیاب ہو چکے ہیں؟ کیا ان تمام حقوق کی ادائیگی سے بھی آپ فارغ ہو چکے ہیں جو اللہ اور اس کے دین کی طرف سے آپ کے دماغ پر، آپ کے دل پر، آپ کے ہاتھ پاؤں پر، آپ کی ذہنی و جسمانی قوتوں پر اور آپ کے مال و دولت پر عائد ہوتے ہیں؟ اور کیا آپ کے آس پاس کوئی انسان بھی اللہ سے غافل یا گم راہ یا دین سے ناواقف یا اخلاقی پستیوں میں گرا ہوا باقی نہیں رہا ہے، جس کی اصلاح کا فرض آپ پر عائد ہوتا ہو؟ ——— اگر ایسا نہیں ہے تو آپ کے اندر یہ خیال آ کہاں سے گیا کہ آپ کے لیے کرنے کا کوئی کام نہیں رہا ہے اور آپ کو کچھ اور کام بتایا جائے جس میں آپ لگ جائیں۔ یہ سارے کام تو ابھی ہوئے ہی نہیں ہیں جو آپ سے ہر وقت شدید مصروفیت چاہتے ہیں، اور اگر آپ ان کو اس طرح انجام دینا چاہیں جیسا کہ ان کا حق ہے تو آپ کو ایک لمحے کے لیے دم لینے کی فرصت بھی نہیں مل سکتی۔ مگر آپ کو ابھی تک پچھلی سطحی تحریکوں کے طور طریقوں کی چاٹ پڑی ہوئی ہے اور آپ کے اندر پوری طرح اسلامی تحریک کا احساس نہیں جاگا ہے۔ اس لیے کام نہ ہونے کے اور پروگرام نہ ملنے کی شکایتیں آپ کی زبان پر آتی ہیں۔ ان شکایتوں کو دور کرنے کی صحیح صورت میرے لیے یہی ہے کہ کام اور پروگرام بتانے کے بجائے میں آپ لوگوں میں صرف ذمہ داری کے اس احساس اور اسلام کی اس سمجھ کو جگانے کی کوشش کروں جس کے بعد کبھی نہ ختم ہونے والے کام اور ہمیشہ مصروف رہنے والے پروگرام کا نقشہ خود آپ

کے سامنے آسکتا ہے۔

مرکز پر تکیہ نہ کریں، خود کام کرنے والے بنیں

ارکان جماعت کی طرف سے بار بار یہ خواہش سامنے آتی رہتی ہے کہ مرکز سے مسلسل ان کو ہدایت ملتی رہے اور جماعتی کارروائیوں کے سلسلے میں لوگوں کو بار بار حرکت دی جاتی رہے۔ میں اس طریقے کو صحیح نہیں سمجھتا۔ میری کوشش یہ ہے کہ ہر جگہ مقامی جماعت کے نظام کو چلانے کے لیے ایسے لوگ ہونے چاہئیں جن میں خود کام کرنے کی قوت (initiative) موجود ہو، اور جو اپنے فرائض کو خود سمجھنے اور ادا کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ لگے بندھے کاموں کو بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق انجام دیتے رہنے کی عادت میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ میرا کام یہ ہے کہ میں اصول اور کام کا طریقہ سمجھادوں اور اصولی ہدایات دے کر چھوڑ دوں۔ اس کے بعد ارکان جماعت اور خاص طور پر مقامی جماعتوں کے امرا خود اپنے کام کو سمجھیں اور انجام دیں۔ جہاں کسی قسم کی مشکلات پیش آئیں، کہیں کوئی الجھن ہو یا کوئی نئی اسکیم وہ اپنے حلقے میں لانا چاہتے ہیں وہاں وہ مجھ سے مشورہ کر سکتے ہیں۔ لیکن ہر وقت انتظار میں رہنا کہ ہدایات ملیں اور ٹھیلا اور اکسایا جاتا رہے اور نگرانی اور پوچھ ہوتی رہے، یہ اس تحریک کو چلانے کے لیے کوئی مفید صورت نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ اس راہ پر چلنے کے لیے مستقل طور پر کسی حرکت اور ہدایت دینے والے کے محتاج رہیں گے اور اگر کسی وقت وہ ہٹ گیا تو الٹے پاؤں پھر جائیں گے۔ کم از کم ہمارے شروع کے کارکن جو بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں انھیں تو ایسا ہونا چاہیے کہ ان میں سے ہر شخص کے اندر یہ جذبہ موجود ہو کہ اگر کوئی اس راہ پر چلنے والا نہ ہو تو وہ خود چلے گا اور کوئی اکسانے والا نہ ہو تو نہ صرف وہ خود حرکت کرے گا، بلکہ دوسروں کو بھی حرکت دے گا۔

صلاحیتوں کے شایانِ شان کام کریں

جو غلط فہمیاں آج کل عام طور پر پھیلی ہوئی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگوں میں کچھ خاص طرح کے کاموں کی اہمیت کا غیر متوازن تصور پیدا ہو گیا ہے جس کی وجہ سے یہ مطالبہ کیا

جاتا ہے کہ بس ہر شخص اسی طرح کے کام کرے اور لفظ "کام" کے معنی یہی سمجھے جاتے ہیں کہ ہو تو بس وہی کام ہو، جیسے دیہات کا چکر لگانا یا عوام میں دعوت پھیلانا وغیرہ۔ اب کسی شخص میں دیہاتیوں سے خطاب کرنے اور عوام کی اصلاح کرنے کی اہلیت ہو یا نہ ہو، لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جو شخص بھی کام کرنے کے لیے اٹھے وہ یہی کام کرے۔ اس کے مقابلے میں دوسرے کام جو اپنے وزن اور نتائج کے لحاظ سے دیہاتیوں کی اصلاح اور عمومی دعوت سے کچھ کم اہم نہیں ہیں، بلکہ بہت زیادہ عظیم ہیں، ان کی اہمیت کو نہیں سمجھا جاتا۔

میں دیکھتا ہوں کہ کام کے اس غلط تصور سے ہمارے رفیق بھی بہت کچھ متاثر ہیں اور بعض لوگوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ اپنی صلاحیتوں کو سمجھے بغیر بس وہ کام کریں جسے دنیا کام کا نام دیتی ہے۔ اس چیز کی غلطی اچھی طرح سمجھ لیں اور اس میں پڑنے سے بچیے۔

اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر شخص سے اس عبادت کا مطالبہ کرتا ہے جس کی صلاحیت اس نے اس کے اندر رکھی ہے۔ جو قوتیں اللہ نے کسی شخص کو دی ہیں ان ساری قوتوں سے اس کو عبادت کرنی چاہیے اور جو خاص قوت کسی کو زیادہ عطا فرمائی ہے اس پر عبادت کا حق بھی دوسری قوتوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔ جیسے اگر کسی شخص کو اللہ نے بولنے کی قوت زیادہ دی ہو تو اس کے لیے اصل عبادت یہی ہوگی کہ اپنی زبان کو اللہ کا کلمہ اونچا کرنے میں استعمال کرے، اور جسے لکھنے کی نمایاں صلاحیت دی گئی ہو، سب سے زیادہ اس کے قلم ہی پر عبادت کی ذمہ داریاں عائد ہوں گی۔ غرض ہر شخص کے ذمے وہی کام ہے جس کی قوت خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے اسے دی ہو۔ اگر وہ اس کام کو چھوڑ کر کسی دوسرے ایسے کام میں اپنی قوتیں صرف کرتا ہے جس کی اہلیت اس میں کم ہے تو وہ اجر کا حق دار نہیں بلکہ اس کے گناہ میں پڑنے کا خطرہ ہے۔

جب اللہ کے دین کی خدمت کے بے شمار پہلو ہیں اور ہر پہلو اپنی ایک اہمیت رکھتا ہے تو افراد کی کوششوں کو کسی ایک دائرے میں سمیٹنا بالکل غلط ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم تعلیم و تدریس کے ماہرین، مصنفین، سب کو دیہات میں کام کرنے کے لیے بھیج دیں۔ ایسا ہی ایک تجربہ کمیونسٹ

تحریک کے علم برداروں نے شروع میں روس میں کیا تھا۔ انھوں نے ذہین لوگوں کا ایک بڑا لشکر مزدوروں اور کسانوں میں کام کرنے کے لیے پھیلا دیا، لیکن زیادہ لوگوں کی زندگیاں ایک غلط جگہ پر کھپا دینے کے بعد معلوم ہوا کہ جو کچھ ہوا ہے غلط ہوا ہے۔ یہ نازک دماغ لوگ دیہاتیوں کو تبدیلی کے لیے تیار بھی نہ کر سکے اور دوسری خدمتوں سے بھی محروم رہے۔ ہم اس قسم کا تجربہ دہرانے کی ہمت نہیں رکھتے۔

ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ دیہاتیوں میں کام نہ کیا جائے یا عوام کی اصلاح کا کوئی کام اہمیت نہیں رکھتا۔ جو لوگ اس کام کی صلاحیتیں رکھتے ہوں وہ ضرور اس میدان میں اپنی خدمات کو مصروف رکھیں اور عوام کو اپنے ساتھ کھینچ کر لے چلنے کی محنت کریں۔ پہلے بھی ہمارے کچھ ارکان عوام میں تحریک کو پھیلانے کا تجربہ کر رہے ہیں اور ان تجربوں سے فائدہ اٹھا کر دوسرے مقامات پر بھی یہ مہم شروع ہونی چاہیے۔ مگر جو لوگ دیہاتیوں اور عوام کی نفسیات سے ناواقف اور ان سے خطاب کرنے کی اہلیت سے کورے ہوں اور ذہین طبقہ کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں انھیں اپنی قوتیں اسی طبقے کی اصلاح میں صرف کرنی چاہئیں، اور اس طبقے کی اصلاح کو کوئی معمولی درجے کا کام نہ سمجھنا چاہیے۔ حقیقت میں اس طبقے کے ایک آدمی کی اصلاح عوام کے ہزار آدمیوں کی اصلاح سے زیادہ وزنی ہے۔ علمی اور تعلیمی پہلو سے دین کی خدمت انجام دینے کی قابلیت رکھنے والے لوگ اپنے اوپر اور اپنی زندگی کے مقصد پر ظلم کریں گے اگر ان کاموں کو چھوڑ کر دیہات کے چکر لگانے لگیں گے، یا مزدوروں کی بستیوں میں گھومنا شروع کر دیں گے۔ ہر آدمی اپنی صلاحیتوں کو سمجھے اور ان کے مطابق اپنے کام کا میدان طے کر لے۔ اس طرح ہر پہلو کو مضبوط کر کے ہم کامیابی سے آگے بڑھ سکیں گے۔

دعوت دینے کا صحیح طریقہ

جہاں دعوت کے طریقوں میں کوئی کمزوری پائی جاتی تھی امیر جماعت نے اس پر بھی گرفت کی اور تفصیل کے ساتھ بتایا کہ دعوت کا صحیح طریقہ کیا ہے، نیز دعوت کی راہ میں جو مختلف

رکاوٹیں اور مشکلات بیان کی گئی تھیں ان کو دور کرنے کی تدابیر کیا ہیں۔ جیسے آپ نے ہدایت کی کہ عوام میں ابھی صرف دین کی حقیقت اور دین داری کے اصل مفہوم کی تبلیغ کی جائے، ایسی باتیں جن کا نمبر بہت بعد میں اور آخر میں آتا ہے انھیں پیش کرنے میں ابھی احتیاط سے کام لیا جائے۔ ابھی سارا زور توحید اور اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت پر اور اس بات پر صرف کرنا چاہیے کہ لوگوں کے اندر اللہ کے سامنے اپنی ذمے داری اور جواب دہی کا احساس پیدا ہو جائے۔ دعوت کے سلسلے میں اس بات کا بھی خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہیے کہ داعی اپنے آپ کو کسی خاص جماعت سے تعلق رکھنے والے مبلغ کی حیثیت سے پیش نہ کرے اور نہ جماعت کی طرف اپنی تقریروں یا گفتگوؤں میں عام دعوت دے۔

جو لوگ تعلیم یافتہ طبقے میں کام کریں انھیں بحث و مذاکرہ کے بجائے لٹریچر کی اشاعت میں کوشش صرف کرنی چاہیے ہر شخص کے ذہن کا خیال رکھ کر جماعت کے لٹریچر میں سے خاص چیزیں ایک صحیح ترتیب سے اس کے مطالعے کے لیے تجویز کی جائیں اس کے بعد جن باتوں کو اور زیادہ سمجھانے کی ضرورت پیش آئے ان پر زبانی گفتگو کر لی جائے۔ لیکن جہاں گفتگو کا رخ بحث و مناظرہ کی طرف مڑتا نظر آئے وہاں آگے بڑھنے سے صاف انکار کر دینا چاہیے اور اپنے آپ کو دماغی کشتی کے فتنے میں مبتلا ہونے سے بچانا چاہیے جو لوگ دوسری جماعتوں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں یا اپنے نظری عقیدوں میں غلو رکھتے ہیں انھیں خواہ مخواہ کھینچنے اور ایسی بحثیں چھیڑنے سے سخت پرہیز کیا جائے جو الٹا نقصان پہنچانے والی ہوں۔

جہاں مخالفتیں اور رکاوٹیں پائی جاتی ہوں وہاں دیکھ لیا جائے کہ آیا یہ چیزیں کسی غلط فہمی کی بنا پر ہیں یا ہمارے مقصد اور مسلک کو ٹھیک ٹھیک جان لینے کے بعد جان بوجھ کر مخالفت کی جا رہی ہے۔ اگر پہلی صورت ہو تو اچھے طریقوں سے غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی جائے اور جہاں محسوس ہو کہ دوسری صورت ہے وہاں خوب صورت طریقے سے صبر کیا جائے۔

زندہ شہادت بن جائیں

جو بات میں خاص طور پر آپ کے ذہن میں بٹھانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تبلیغ صرف تقریر یا گفتگو یا تحریر ہی کے ذریعہ سے نہیں ہوا کرتی بلکہ اصل تبلیغ وہ ہوتی ہے جو ایک آئیڈیا کی دعوت دینے والے اپنی پوری زندگی سے ہر وقت کرتے رہتے ہیں، شرط یہ ہے کہ ان کی زندگی اس آئیڈیا کی چلتی پھرتی تصویر اور اس کی زندہ گواہی بن گئی ہو۔ آپ جس آئیڈیا کے داعی ہیں اگر اس کے سانچے میں آپ کی زندگی پوری طرح ڈھل جائے تو اس آئیڈیا کے خلاف چلنے والی دنیا میں آپ کی حالت ایسی ہوگی جیسے ایک گول سوراخ میں چوکھونٹی میخ اپنے پورے وجود سے ہر وقت ہر کونے پر اس گول سوراخ کے پورے وجود کے ساتھ ٹکراتی رہتی ہے اور ہر وقت اپنے اور اس کے اختلاف کا مظاہرہ کرتی رہتی ہے یا جیسے برف خانے میں چند دہکتے ہوئے انگارے جو اگرچہ کوئی آواز بلند نہ کر رہے ہوں تب بھی ان کا ہونا ہی خود برف کے تودوں کے خلاف ایک مستقل اعلانِ جنگ ہے۔ اگر ان کے قریب کوئی آگ پکڑنے والی چیز موجود ہوگی تو وہ کسی نصیحت کے بغیر ان سے اثر لے کر بھڑک اٹھے گا اور برف خانہ انگیٹھی میں تبدیل ہو کر رہے گا۔ ناسمجھی کے اسلام اور منافقانہ اسلام کا معاملہ تو دوسرا ہے لیکن جب کوئی شخص اخلاص کے ساتھ سمجھ بوجھ کر اسلام قبول کر لیتا ہے تو اس کے ساتھ ہی افکار، اخلاق، معیشت، معاشرت، تمدّن غرض زندگی کے ہر شعبے میں اپنے غیر اسلامی ماحول سے اس کا ٹکراؤ شروع ہو جاتا ہے۔ اس کو یہ ماحول اور اس ماحول کو وہ ہر وقت کھٹکتا ہے اس کی پوری ہستی جاہلیت کی فضا کے خلاف ایک احتجاج بن جاتی ہے اور اس فضا میں وہ اس طرح اجنبی و نامانوس ہو کر رہ جاتا ہے جیسے سیاہ چادر پر سفید دھبہ۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کفر اور جاہلیت کے مارے ہوئے ماحول میں آپ یہی کچھ بن کر رہ جائیں تاکہ اپنی زندگی کے ہر لمحے میں اس نظام کے ہر حصے سے ہر ہر قدم پر آپ کا ٹکراؤ ہو اور اپنے پورے وجود سے آپ اس کے خلاف ایک مستقل اعلانِ جنگ اور ایک کبھی نہ رکنے والا احتجاج بن جائیں۔ یہ ہر وقت اور ہر طرف جاری کش مکش اور یہ ہر لمحے کا خاموش ٹکراؤ ہزار واعظوں، تقریروں اور مقالوں سے زیادہ وزنی ہے، بلکہ

حقیقت میں یہی اصل چیز ہے اور اس کے بغیر افکار پھیلانے کی مہم سر انجام نہیں پا سکتی۔

تعصبات سے پاک ہو جائیں

میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ مختلف جماعتوں سے آنے والے لوگ اپنے ساتھ اپنی پچھلی گروہی اور سیاسی زندگیوں کے اثرات لے آئے ہیں ان میں اب تک پچھلے جماعتی تعصب کا اثر موجود ہے۔ جیسے جو گروہ کانگریس سے نکل کر آیا ہے وہ کانگریس کے حق میں تو تعصب نہیں رکھتا ہے، لیکن لیگ کی مخالفت ان کے دماغوں میں واضح طور پر باقی ہے۔ یہی حال لیگ سے آنے والے لوگوں کا ہے۔ پھر جو لوگ مخصوص مذہبی گروہوں سے ٹوٹ کر آئے ہیں ان میں بھی ان گروہوں کے خلاف اچھا خاصا تیز جذبہ پایا جاتا ہے جن سے لڑنے میں ان کی عمریں گزری ہیں۔ یہ مختلف طرح کے تعصب رکھنے والے جب کبھی مل بیٹھتے ہیں اور بحث و مذاکرہ کا سلسلہ چل نکلتا ہے تو کبھی کبھی تو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ ان کی آپس کی گفتگوئیں پچھلی عصبیتوں کو اسی طرح تازہ نہ کر دیں جس طرح اوس و خزرج کے لوگوں میں منافقین کا چھوڑا ہوا ایک شوشہ جنگ بعاث کے اثرات تازہ کر دیتا تھا۔

ہفتہ وار اجتماعات کو مفید بنانے کے طریقے

اپنے اپنے مقام کے ارکان کی صلاحیتوں کا صحیح صحیح اندازہ کر کے ان سے کام لیں اور جمعہ کے اجتماع کی شدت سے پابندی کریں جو لوگ معقول عذر نہ ہوتے ہوئے بھی جمعہ کے اجتماع میں نہ آئیں ان کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ جماعت سے دل چسپی نہیں رکھتے۔ جمعہ کے اجتماعات سے نیچے دیے گئے طریقوں سے فائدہ اٹھایا جائے:

۱۔ جماعت کی طرف سے چھپنے والے لٹریچر کا مطالعہ کیا جائے، نہ صرف تازہ شائع ہونے والی چیزوں کا بلکہ پہلے کی کتابوں کا بھی، تاکہ ان کے مضامین بار بار ذہن میں تازہ ہوتے رہیں۔

۲۔ پیچھے بیٹھ جانے والے رفیقوں کو اٹھانے اور ابھارنے اور ہم دردی و اخلاص کے ساتھ ان کی کم زوریوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

۳۔ دعوت کو مختلف حلقوں میں پھیلانے کی تدابیر پر غور کیا جائے۔

۴۔ ہر فرد نے پچھلے ہفتے میں جو کام کیا ہو اس کو وہ پیش کرے اور دوسرے ارکان یا تو اس سے فائدہ اٹھائیں یا اگر اس کے طریقے میں کوئی غلطی پائیں تو اس کی اصلاح کریں یا اگر اس کو مشکلات پیش آئی ہوں تو ان کا حل تلاش کریں۔

۵۔ دعوت کی راہ میں جو رکاوٹیں پیش آرہی ہوں ان کا جائزہ لیا جائے اور انھیں دور کرنے کی تدابیر سوچی جائیں۔

۶۔ اگر مقامی جماعت میں کوئی صاحب درس قرآن دے سکتے ہوں تو ہفتہ وار درس ہو ورنہ تفہیم القرآن کی مدد سے قرآن میں بصیرت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

ہفتہ وار اجتماعات کی اہمیت

یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہفتہ وار اجتماع کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ یہ ارکان کو جماعت سے جوڑے رکھنے اور ان کے اندر تحریک سے دل چسپی اور آپسی تعاون کی روح کو برقرار رکھنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ اس سے غفلت برتنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جماعت برف خانہ بن جائے گی۔ ہمارے پاس معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ رہے گا کہ ہم میں سے کون لوگ تحریک سے واقعی دل چسپی رکھتے ہیں اور کون نہیں رکھتے۔ ہمارے ارکان ایک دوسرے سے اجنبی رہیں گے، ان کے درمیان نہ دوستی کا رشتہ مضبوط ہو سکے گا نہ وہ جماعت کے کاموں میں حصہ لے پائیں گے، اور نہ ایک دوسرے کی اصلاح میں مددگار بن سکیں گے۔

ساری کی ساری توانائی جھونک دیں

ہمارے رفیقوں کو اپنے کیے ہوئے عہد کی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور ادا کرنے کی فکر کرنی چاہیے اور ہر شخص کو اپنی قوتوں اور قابلیتوں کا پورا جائزہ لے کر ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ کیا کام کر سکتا ہے۔ پھر جس کام کی اہلیت و صلاحیت اسے اپنے اندر محسوس ہو اس کو انجام دینے میں بس لگ جانا چاہیے۔ یہ وقت وہ ہے جو ہم سے اپنی آخری حد تک محنت اور کوشش کا مطالبہ کر رہا ہے۔ ضرورت ہے کہ ایک لمحے کا انتظار کیے بغیر ہم میں سے ہر شخص اٹھے اور جس سے جو کچھ ہو سکتا ہے کر لے۔ جو اہل علم ہیں وہ غلط افکار مٹانے اور صحیح افکار تعمیر کرنے کی مہم میں مصروف

ہوں۔ جو اہلِ تعلیم ہیں وہ نئی نسل کی تیاری کے لیے چوکس ہوجائیں۔ جو ادیب ہیں وہ ادب کی مختلف راہوں سے موجودہ نظام پر حملہ آور ہوں اور اسلامی نظام کی دعوت پھیلائیں۔ جو مضمون نگار ہیں وہ اخباروں اور رسالوں میں اپنی باتیں لکھنا شروع کردیں۔ جو بات چیت سے لوگوں پر اثر ڈالنے کی قوت رکھتے ہیں وہ انفرادی تبلیغ کی مہم میں لگ جائیں۔ جنھیں دیہاتوں میں کام کرنے یا عوام کو خطاب کرنے کا تجربہ ہو وہ دیہات میں گھومیں اور عوام کی اصلاح کے لیے کوشش کریں۔ جن کو اللہ نے بہتر معاشی حالات دیے ہوں وہ بیت المال کو مضبوط کرنے کی فکر کریں۔ غرض کسی قوت کی ایک سانس بھی ضائع نہ ہونے پائے۔ رہا یہ سوال کہ آپ کتنا کام کریں اور کس حد تک کریں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا بہترین فیصلہ آپ کا اپنا ضمیر ہی کرسکتا ہے۔ آپ اتنا کام کریں اور اس حد تک کیے چلے جائیں جس کے بعد آپ کا ضمیر مطمئن ہوجائے کہ اللہ جب آپ سے آپ کے وقت اور قوتوں کا حساب لے گا تو آپ اس کارنامے کو پیش کرکے مغفرت کی امید کرسکیں گے۔

• • •

اجتماعات کا مقصد

- ارکان ایک دوسرے کو جانیں، اور جڑیں۔
- وہ ایک دوسرے سے قریب ہوں۔
- وہ باہمی مشورے سے تعاون کی صورتیں نکالیں۔
- وہ کام کو آگے بڑھانے اور اس راہ کی مشکلوں اور مسائل کو حل کرنے کی تدبیریں سوچیں۔
- اپنے کام کا جائزہ لیں، کم زوریوں کو سمجھیں، اور انھیں دور کریں۔
- دوسرے لوگ خود آکر ہماری دعوت اور کام کو سمجھیں۔

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، روداد جماعت اسلامی، حصہ سوم، ص ۵۲)

مطلوبہ صفات*

جماعت میں آنے سے پہلے جماعت کو سمجھ لیں

ہمارے یہاں جماعت کی شرکت میں تو کوئی مشکل نہیں ہے مگر جماعت میں آنے سے ذمے داریوں کا جو بھاری بوجھ اٹھانا پڑتا ہے اس کے وزن کو آگے بڑھنے سے پہلے محسوس کر لینا چاہیے۔ رکنیت کی ذمے داریوں کا صحیح صحیح اندازہ کیے بغیر جو لوگ ہماری طرف بڑھ آئے ہیں وہ مقصد میں ہمارے ساتھ ہونے کے باوجود زیادہ دیر تک ہمارا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شروع میں تو طریقے کے فرق پر گہری نظر نہیں ہوتی، لیکن جوں جوں وقت گزرتا ہے یہ فرق ابھرنے لگتا ہے اور لوگ اپنے اپنے پسندیدہ طریقے کی محبت کے جوش میں آکر جماعت کے نظم کو توڑ بیٹھتے ہیں اور کبھی تو بنیادی مقصد تک سے بے پروا ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ لوگوں نے بہت اچھی طرح سے ہمارے طریقے کو سمجھ لیا ہے اور اس کے ساتھ دوسرے طریقوں اور ہمارے طریقے کا فرق ذہن میں بیٹھ گیا ہو، نیز آپ خوشی اور شوق سے دوسرے طریقوں کو چھوڑ کر ہمارا طریقہ اختیار کرنے پر تیار ہوں تو آئیں، بسم اللہ! ورنہ جلدی نہ کریں۔ ہمارے لٹریچر کا غور سے مطالعہ کرتے رہیں اور ہمارے کام کو اور کچھ عرصہ دیکھ کر آخری رائے بنائیے۔

الحمد للہ کہ مسلمانوں میں ابھی تک صحیح عقیدہ رکھنے والوں کی ایک خاصی تعداد پائی جاتی ہے۔ ان لوگوں کے پاس حق موجود ہے۔ مگر فرق صرف اتنا ہے کہ عام طور پر مختلف گروہ حق کے کسی ایک حصے کو لے کر چل رہے ہیں، جب کہ ہم پورے حق کو لے کر چلنا چاہتے ہیں۔ آپ لوگوں

* امیر جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تقریر کی اہم باتیں، پٹھان کوٹ، مارچ ۱۹۴۴ء

کے ساتھ پہلے حق کا جو حصہ تھا وہ اسی طرح ساتھ رہے گا، مگر اسے کافی نہ سمجھیں۔ اب آپ کو حق کے دوسرے حصے بھی اس کے ساتھ شامل کر لینے ہیں۔

تبلیغ کا حکیمانہ طریقہ

جہاں تک مسلک کی تبلیغ کا تعلق ہے عام طور پر مسلمانوں کی جماعتیں سختی سے کام لیتی ہیں اور جذبات کی شدت اور مناظرانہ داؤں پیچ اور زبان کی تیزی کے مظاہرے سے لوگوں کو اپنے اندر شامل کرتی ہیں۔ لیکن ہمارے مسلک کی تبلیغ کے لیے یہ طریقہ مناسب نہیں ہے۔ اس معاملے میں بے حد صبر سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ یہ تحریری اور تقریری مناظرے اور بحثیں جو عام طور پر رائج ہیں ان میں تبلیغ کرنے والا انجانے میں اپنے نفس کے لیے غصے میں مبتلا ہو جاتا ہے اور محسوس تک نہیں کرتا کہ میں خود اپنے محبوب مقصد کی جڑوں پر کلہاڑا رکھ رہا ہوں۔ جب کہ ہمیں ایک ڈاکٹر کی طرح کام کرنا ہے جو آخر دم تک کوشش کرتا ہے کہ بیمار حصہ تندرست ہو جائے۔ اور اگر اسے کاٹ کر جسم سے الگ کرتا ہے تو اس وقت جب کہ وہ دوسری تمام تدابیر کو آزما چکنے کے بعد اس کے علاج سے مایوس ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ حال ہے کہ ہمارے ڈاکٹر سب سے پہلے بیمار حصے کو کاٹ پھینکنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔

یاد رکھیے کہ یہ عوام کا جو مجمع آپ کے آس پاس پھیلا ہوا ہے، ان میں سے جو لوگ کفر، شرک یا فسق کے مریض ہیں ان کا علاج غصہ اور تلخی سے کرنے کے بجائے صبر اور ہم دردی سے کرنا ہے۔ ان بیمار حصوں کو فوراً کاٹ کر نہیں پھینک دینا ہے بلکہ ان پر تمام دوسری تدابیر کو آزما لینا ہے۔

عوام کی معذوری کا اندازہ اس سے کریں کہ ان لوگوں میں بہت سے مشرکانہ عقائد اور رسوم خود دین داری ہی کے مقدس دروازے سے داخل ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اصلاح کا مسئلہ بہت مشکل ہو گیا ہے اور اس کام کو صبر اور ٹھنڈے دل سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ عرب میں بھی یہی حالات تھے اور وہاں بھی ٹھنڈے طریقوں سے تبلیغ کا کام کیا گیا۔

جماعت کے اجتماعات کی امتیازی خصوصیت

ہمارے اجتماع کی نوعیت "جلسوں" سے بالکل مختلف ہے۔ جلسوں اور کانفرنسوں میں زیادہ تر تقریریں ہوتی ہیں، جلوس نکلتے ہیں، نعرے بلند کیے جاتے ہیں، لیکن اس طرح کی کوئی چیز یہاں نہ ہوئی ہے نہ کبھی ہوگی۔ ہمارے ان اجتماعات کا اصل مقصد ہنگامے کرنا نہیں ہے اور نہ عوام کی توجہ کو اپنی طرف کھینچنا ہے۔ بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے سے واقف ہوں، ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہوجائیں، آپس میں تعاون کے راستے نکالیں۔ ذمہ دار آپ سے اور آپ ذمہ دار سے ذاتی طور پر واقف ہوں۔ اور اسے آپ کی قوتوں اور صلاحیتوں کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو تاکہ وہ آپ سے منظم کام لینے کی کوشش کرے۔ وقفہ وقفہ سے ہم اپنا اور اپنے کام کا جائزہ لیتے رہیں، اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کو سمجھیں اور انھیں دور کرنے کی فکر کریں۔ اور آپس کے مشوروں سے اپنے کام کو آگے بڑھانے کی تدبیریں سوچیں۔ ہمارے یہ اجتماعات اپنے اندر عملی روح رکھتے ہیں، ان میں جلسوں کی قسم کی کوئی چیز نہ آپ پاسکتے ہیں اور نہ آپ کو پانے کی خواہش کرنی چاہیے۔ اگر ابھی تک جلسہ بازی کی پرانی عادتوں کا کچھ اثر آپ میں موجود ہو، اور ان چیزوں کی کوئی پیاس آپ اپنے اندر پاتے ہوں تو اسے بھی نکالنے کی کوشش کریں۔ ان ہنگاموں میں کچھ نہیں رکھا ہے۔ فضول کاموں میں ذرہ برابر وقت ضائع نہ کریں۔ بس کام کی بات کریں اور پھر اپنا فرض ادا کرنے میں لگ جائیں۔ آج صبح سے میں مختلف مقامات کی جماعتوں اور اشخاص کے ساتھ گفتگو کرتا رہا ہوں۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ کبھی کبھی غیر ضروری باتیں کرنے کی خواہش لوگوں میں لوٹ آتی ہے اور کبھی کبھی یہ بیان حقیقت کے مطابق نہیں رہتا۔ یہ ایک کمزوری ہے جسے دور کرنا چاہیے۔ اس میں شک نہیں کہ جو عادتیں لمبی مدت سے جڑ پکڑے ہوئی ہیں وہ چھوٹتے چھوٹتے ہی چھوٹیں گی۔ مگر انھیں چھوڑنے کی طرف آپ کی توجہ اور کوشش ضروری ہے۔

جماعت کی پکار سن کر دوڑ پڑیں

میں سمجھتا ہوں کہ ہماری بہت زیادہ احتیاط کے باوجود اچھے خاصے ایسے لوگ ہماری جماعت

میں داخل ہوگئے ہیں جنھیں اس کام سے کوئی گہری دل چسپی نہیں ہے۔ دل چسپی نہ ہونے کی نمایاں علامت یہ ہے کہ یہاں اجتماع کے لیے عام دعوت دی گئی تھی اور اعلان کیا گیا تھا کہ زیادہ سے زیادہ ارکان شریک ہونے کی کوشش کریں۔ مگر بہت سے ارکان کسی معقول وجہ کے بغیر نہیں آئے، بلکہ بہت سوں نے عذر پیش کرنے کی بھی ضرورت نہ سمجھی۔ لوگوں کے لیے ان کے معمولی کام، روز کے ان کے مشغلے، ان کے گھریلو معاملات، ان کے دنیوی مفاد اس سے بڑھ کر اہمیت رکھتے ہیں کہ وہ جماعت کی پکار پر لبیک کہیں۔ اور اسی بنا پر وہ معذور نہ ہونے کے باوجود بیٹھے رہ گئے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارے رفیقوں کو اس کام سے حقیقی دل چسپی اور تعلق نہیں ہے۔ اگر وہ جانتے ہوتے کہ یہ اجتماع کیا معنی رکھتا ہے اور جماعت کی پکار سے ان کے لیے کیا ضروری ہوجاتا ہے، اور جو عہد انھوں نے اپنے رب سے کیا ہے اس سے کیا ذمے داریاں ان پر پڑتی ہیں تو وہ اپنے بڑے سے بڑے دنیوی فائدے اور سخت سے سخت مشغولیت کو بھی یہاں کی حاضری سے زیادہ اہم نہیں سمجھتے۔ جب آج ان کا یہ حال ہے تو کیا امید کی جاسکتی ہے کہ کل کوئی بڑی مہم سامنے ہو اور ہم انھیں پکاریں تو ہماری پکار پر لبیک کہیں گے۔ نظامِ جماعت سے جڑ جانے کے بعد آدمی کے لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ جماعت کی پکار سن کر دوڑ پڑے اور سارے کام چھوڑ دے۔ سوائے ان حالات کے جن میں اللہ اور رسول نے خود رخصت دی ہے، باقی تمام حالات میں جماعت کی شرکت کے لیے دوسری ہر مشغولیت سے نظر ہٹالینا ضروری ہے۔ جب تک جماعت کے ارکان میں یہ کیفیت پیدا نہیں ہوگی، جماعت کا نظام بالکل بے جان ہوگا۔ کسی کا یہ خیال کرکے بیٹھ جانا کہ اس وقت کوئی خاص کام نہیں ہے، اجتماع کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اگر اس وقت میں شریک نہ ہوا تو کوئی نقصان نہ ہوگا، حقیقت میں ایک غلط خیال ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہاں سرے سے کوئی کام نہ ہوتا بلکہ آپ کو صرف جمع ہوجانے کے لیے پکارا جاتا، تب بھی آپ کو ایک آواز پر جمع ہوجانا چاہیے تھا۔ کیوں کہ شروع کے اس مرحلے میں یہ خود ایک اہم کام ہے کہ آپ کو ایک آواز پر جمع ہوجانے کی تربیت دی جائے۔ اس ڈسپلن کے بغیر آپ جماعت کا کون سا کام کرسکیں گے؟

اجتماعات سے لاپروائی بڑی کم زوری کی علامت

یہ ٹھنڈا رویہ جو اس اجتماع کے موقع پر سامنے آیا ہے، کوئی اتفاقی چیز نہیں ہے جو اس وقت یونہی ہوگئی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بہت سے مقامات پر ہماری جماعت کے بعض یا اکثر ارکان ہفتہ وار اجتماعات میں شریک نہیں ہوتے، یا شریک ہوتے ہیں تو پابندی کے ساتھ نہیں، بلکہ بے قاعدہ طریقے سے کہ جب دنیا کی کوئی چھوٹی بڑی مشغولیت انھیں نہ ہوئی اور تفریح کو بھی جی چاہا تو مقامی جماعت کے اجتماع میں آگئے۔ بعض مقامات پر تو ہفتہ وار اجتماع ہونا ہی سرے سے بند ہوگیا ہے اور بہت سے ارکان ایسے بھی ہیں جو جماعت میں داخل ہونے اور جان بوجھ کر اللہ سے غلامی کا عہد تازہ کرنے کے بعد ویسے ہی ٹھنڈے، بے روح، بے جان اور بے حرکت ہیں جیسے اس سے پہلے تھے۔ نہ ان کی زندگی میں کوئی بدلاؤ آیا، نہ جاہلیت کے ماحول سے ان کی کوئی جنگ ٹھنی، نہ اللہ کی طرف دعوت دینے کے لیے کوئی سرگرمی ان میں پیدا ہوئی اور نہ ہم سفر رفیقوں کے ساتھ کوئی تعلق ان کے اندر پایا گیا۔ ہم نے شروع میں جماعت قائم کرتے وقت بھی کہہ دیا تھا اور اس کے بعد بھی بار بار کہتے رہے ہیں کہ ہمیں زیادہ تعداد دکھانے کے لیے ارکان کی فضول بھرتی نہیں کرنی ہے۔ ہمیں وہ موٹاپا مطلوب نہیں ہے جو جسم کو طاقت ور بنانے کے بجائے الٹا بھاری بنادے۔ ہمیں صرف ان لوگوں کی ضرورت ہے جنھیں سچ مچ کچھ کرنا ہے اور جو کسی باہری دباؤ سے نہیں بلکہ اپنے ایمان کے اندرونی تقاضے سے اللہ کے دین کو قائم کرنا چاہتے ہوں۔ لیکن افسوس ہے کہ بار بار یہ باتیں صاف صاف بتانے کے بعد بھی اس قسم کے لوگ ہمارے اس نظام میں بھی داخل ہوگئے جو اس سے پہلے محض مسلمانوں کے گروہ سے متعلق ہونے ہی کو نجات کے لیے کافی سمجھ لینے کے عادی رہے ہیں۔ ان سے میں عرض کروں گا کہ اگر آپ کو یہی کچھ کرنا تھا تو اس غریب جماعت کو خراب کرنا کیا ضروری تھا۔ آپ کو اگر سچ مچ اس مقصد سے ہم دردی تھی جس کی خدمت کے لیے یہ جماعت بنی ہے اور اسی ہم دردی نے آپ کو ہم سے تعلق پیدا کرنے پر تیار کیا تھا، تو آپ کی ہم دردی کا

کم سے کم تقاضا یہ ہونا چاہیے تھا کہ آپ اس جماعت کو خراب کرنے سے پرہیز کرتے اور وہ بیماریاں اسے نہ لگاتے جن کی وجہ سے مسلمان لمبی مدت سے کوئی صحیح کام نہیں کر سکے ہیں۔

ٹھنڈے پڑجانے اور پلٹ جانے کا مسئلہ

پچھلے دو سال کے دوران میں کئی ساتھی ہماری جماعت کے نظام سے الگ ہوئے ہیں اور ایک دو کو چھوڑ کر سبھی الگ ہونے کے بعد اپنی پرانی حالت کی طرف پلٹ گئے ہیں۔ آپ جانتے ہیں اور جو شخص بھی ہمارے طریقے سے واقف ہے اس بات کو جانتا ہے کہ ہم نے جماعت میں لینے سے پہلے ہر شخص کو سوچنے سمجھنے کا موقع دیا ہے۔ دین کو اور اس کے تقاضوں اور مطالبوں کو، اپنے مقصد کو اور اس کے پانے کے طریقے کو اچھی طرح کھول کر بیان کیا ہے۔ پھر جماعت میں داخلے کے موقع پر بھی ایک ایک شخص کے سامنے صاف طور پر ان ذمے داریوں کو پیش کر دیا ہے جو توحید و رسالت کو سمجھ کر اقرار کرنے سے اس پر آتی ہیں۔ اس کے بعد رکنیت کے ہر امیدوار سے معلوم کر لیا ہے کہ آیا وہ اس اقرار کے وزن کو پوری طرح محسوس کرتے ہوئے اپنی خوشی اور خواہش سے یہ بوجھ اٹھانے کے لیے تیار ہے؟ اس طرح ہر شک و شبہ اور ہر غلط فہمی کے بغیر جن لوگوں نے اقرار کیا صرف وہی جماعت میں لیے گئے۔ ایسے سوچے سمجھے اور جچے تُلے اقرار کے بعد جماعت سے کسی شخص کے الگ ہونے کی اگر کوئی معقول صورت ہو سکتی تھی تو وہ یہی تھی کہ وہ ہم میں نفاق کی بو محسوس کر کے، یا ہمارے نظام میں کوئی لاعلاج کمزوری پا کر ہم سے الگ ہوتا اور پھر ہم سے زیادہ بہتر طریقے سے، زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ اس مقصد کی طرف بڑھتا جس کو اس نے خوب اچھی طرح سمجھ بوجھ کر اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا تھا اور اس صورت میں بہت ممکن تھا کہ اس کو اپنے سے آگے پا کر ہم خود اس سے جا ملتے۔ لیکن یہاں جو صورتِ حال دیکھنے میں آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے جلد بازی میں نہیں، بلکہ خوب سوچ سمجھ کر، ہم سے نہیں بلکہ اپنے اللہ سے اقرار کیا تھا، وہ جماعت سے الگ ہوئے اور الگ ہو کر ان میں سے کچھ تو بے حرکت اور بے جان ہو گئے، اور کچھ ان گروہوں کی طرف پلٹ گئے جن کے بارے میں وہ کہتے تھے کہ ان کے طریقوں کو غلط

پاکر اور ان سے مایوس ہوکر وہ پوری بصیرت کے ساتھ ادھر آئے ہیں۔ اور بعض ظالم تو ایسے پلٹے کہ جو دین داری اور شریعت کی پابندی انھوں نے اختیار کی تھی اور اخلاقی اصلاح کے جو اثرات قبول کیے تھے، ان کے زیادہ تر حصے کو مٹاڈالا اور وہی سب کچھ کرنا شروع کر دیا جو پہلے کرتے تھے۔ بعض ساتھیوں کے اندر الٹے پیر لوٹ جانے کی شدت کا یہ حال دیکھ رہا ہوں کہ نماز تک چھوڑ بیٹھے ہیں۔ جن حرام چیزوں سے پرہیز کرنے لگے تھے ان میں اب پہلے سے بھی کچھ زیادہ پائے جارہے ہیں، اور معروف اخلاقی ذمے داریوں تک سے بے پرواہوتے جارہے ہیں۔ میں آپ سے بیان نہیں کرسکتا کہ ان حالات کو دیکھ کر مجھے کس قدر دکھ ہوتا ہے۔

ٹھنڈے پڑجانے اور پلٹ جانے کے اسباب

ہمیں سوچنا چاہیے کہ اس صورت حال کے اسباب کیا ہیں؟

(۱) طاقت ور کیرکٹر کی کمی

میرے نزدیک پہلی اور بنیادی خرابی یہ ہے کہ جس قوم کے لوگوں میں کام کرنے کے لیے ہم اٹھے ہیں صدیوں کی مسلسل گراوٹ نے اس کے اخلاق کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں۔ ان میں کیرکٹر کی وہ طاقت بہت ہی کم باقی رہ گئی ہے جس کی مضبوط چٹان پر اٹل فیصلے، مستقل ارادے، ثابت عزائم اور بھروسے کے قابل عہد ہوتے ہیں۔ ان میں لمبی مدت سے یہ کم زوری پل رہی ہے کہ ایک چیز کو حق جانیں اور دل سے اسے حق مانیں، مگر اس کے لیے کوئی قربانی گوارا نہ کریں—نہ وقت کی، نہ مال کی، نہ خواہشاتِ نفس کی، نہ اپنے پسندیدہ افکار و نظریات کی، نہ جاہلیت کی اپنی پسند وناپسند اور دل چسپیوں کی اور نہ کسی اور چیز کی۔ انھیں وہ حق پرستی تو بہت اپیل کرتی ہے جس میں حق کو زبان سے حق کہنا اور اس پر لفظی عقیدتوں کے پھول نچھاور کرنا اور اس کے لیے چند دکھاوے کے کام کر دینا کافی ہو، اور اس کے بعد انھیں اس حق کے خلاف ہر طرح اپنے کاروبار، اپنے ادارے اور اپنی زندگی کے سارے معاملات چلانے کی پوری آزادی حاصل رہے۔ اسی لیے وہ نام کی دین داری کے ان راستوں کی طرف خوشی خوشی لپک جاتے ہیں جہاں دین داری اور کوشش اسلام

اور جاہلیت کے ساتھ سمجھوتے (compromise) پر قائم ہوتی ہے۔ لیکن ایسی حق پرستی ان کے لیے سکت سے زیادہ بھاری بوجھ ہے جو کفر و اسلام، حق و باطل اور اطاعت و بغاوت کے درمیان دوٹوک فیصلہ چاہتی ہو اور جس میں ہر اس شخص سے جو حق کو ماننے کا اقرار کرے پہلا مطالبہ یہ ہو کہ وہ یکسو ہو جائے، اور پھر اگلا مطالبہ یہ ہو کہ جس چیز کو اس نے حق مانا ہے اس کے لیے اپنی پوری شخصیت کو تج دے اور عمر بھر کے لیے تج دے۔ وقت کی، مال کی، خواہشاتِ نفس کی، رغبتوں اور دل چسپیوں کی، امنگوں اور تمناؤں کی، توقعات اور امیدوں کی، گہرے سے گہرے تعلقات کی، قوتوں اور قابلیتوں کی، غرض ہر قسم کی قربانیاں گوارا کرے۔ اور ایک دو دن کے لیے نہیں، چار چھ مہینوں کے لیے نہیں، کسی خاص مدت کے لیے نہیں، بلکہ جب تک جینا ہے اس وقت تک گوارا کرتا رہے۔ آپ اس گئے گزرے زمانے میں بھی ایسے مسلمان بہت پا سکتے ہیں جو خوشی خوشی جان دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے، سینے پر گولیاں کھالیں گے، سروں پر لاٹھیوں کی بارش سہہ لیں گے، جیل کی سختیاں برداشت کر لیں گے، یہ سب ان کے لیے چھوٹے اور ہلکے کام ہیں جنھیں یہ آسانی سے برداشت کر لیں گے، لیکن اپنی پوری زندگی کو ایک ضابطے میں کس دینا، عمر بھر ایک مقصد کے پیچھے صبر سے کام کیے جانا، جیتے جی اپنی خواہشات پر ایک بریک لگائے رکھنا، اپنی عادتوں اور ذہنوں کو بدل ڈالنا اور کسی خارجی دباؤ کے بغیر اخلاقی ذمے داریوں کو قبول کرنا اور نباہنا، یہ اُن کی برداشت سے بہت زیادہ بھاری بوجھ ہے جس کی سہار اُن کے لیے سخت دشوار ہے۔ یہ نمائشی ہنگاموں میں ایک عمر گزار سکتے ہیں مگر کسی ایسے عہد کو سال دو سال بھی مشکل سے نباہ سکتے ہیں جو ایثار اور قربانی مانگتا ہو۔ ان کے ارادے کم زور ہو چکے ہیں، ان کی فیصلے کی قوت ڈھیلی پڑ گئی ہے۔ ان میں عادات و خواہشات کو کنٹرول میں رکھنے اور عقیدہ و عمل کو یکساں رکھنے اور کسی نظام کی پابندی میں مسلسل کام کرنے کی قوت باقی نہیں رہی ہے۔ ان کی مثال اس جنگلی گھوڑے کی سی ہے جو پیدائش کے دن سے آزاد پھرنے کا عادی رہا ہو اور کسی گاڑی میں جُت کر ایک طے شدہ راستے پر سیدھا چلنے کے لیے تیار نہ ہو۔ ایسے گھوڑے کو اگر کسی طرح رام کر کے باندھ بھی لیا جائے تو بہت جلدی وہ بندشوں سے اکتانے لگتا

ہے، اور ایک دن رسّی تڑا کر ایسا بھاگتا ہے کہ پہلے سے بھی زیادہ دور نکل جاتا ہے۔

(۲) دین کی صحیح سمجھ سے محرومی

دوسری بنیادی کمزوری جسے میں روز بروز زیادہ شدت کے ساتھ محسوس کرتا جارہا ہوں یہ ہے کہ ہمارے عوام تو دین کی سمجھ اور اس کی روح کو جاننے سے محروم ہیں ہی، مگر ہمارے درمیان جو لوگ مذہبی جھکاؤ رکھنے والے ہیں وہ اس معاملے میں کچھ ان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ مخلص اور نیک نیت لوگوں تک کا یہ حال ہے کہ وہ دین داری اور دین داری کے فن اور دین داری کے پیشے کے فرق کو نہیں جانتے۔ دین کی حقیقی قدروں کو انھوں نے دوسری قدروں سے بدل لیا ہے یا گڈمڈ کرلیا ہے۔ جو چیزیں دین میں نہایت اہم ہیں بلکہ بنیادی اہمیت رکھتی ہیں وہ ان کی نگاہ میں، ہماری تمام کوششوں کے بعد بھی بس کسی دوسرے درجے کی اہمیت حاصل کرسکی ہیں کیوں کہ ایک لمبی مدت سے سنتے سنتے ان کی سوچ کو کچھ ایسا ہی بنادیا گیا ہے۔ اور جو چیزیں دین میں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں یا کسی قدر رکھتی بھی ہیں تو بس کسی چھوٹے درجے کی اہمیت، وہی ان کے نزدیک دین کا مدار ہیں۔ کیوں کہ دین داری کے فن اور دین داری کے پیشے میں ان کو یہی مرتبہ دیا گیا ہے۔ عالم ہوں یا عام لوگ یا دونوں کے بیچ کے لوگ، ان کے درمیان کم ہی ایسے شخص پائے جاتے ہیں جو صحیح دینی سمجھ بوجھ کی بنا پر جانتے ہوں کہ اللہ کے دین میں کون سی چیزیں کس درجے میں ضروری ہیں، کس کس چیز پر کتنا زور دینا چاہیے اور کون سی چیز کس چیز کی خاطر چھوڑی جاسکتی ہے۔ یہ اختلاف جو قدروں کے تناسب میں ہمارے اور عام مذہبی میلان رکھنے والے لوگوں کے درمیان موجود ہے، میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ بھی ٹھنڈے پڑجانے اور پلٹ جانے کا سبب ہے۔ مگر ہم مجبور ہیں کہ دین کو خوب جان کر اور سمجھ کر ہم نے اقامتِ دین کا جو مقصد اپنے سامنے رکھا ہے اس کے ساتھ ہم بے وفائی نہیں کرسکتے اور اگر لوگوں میں سرگرمی پیدا کرنا یا پلٹنے والوں کو پلٹنے سے باز رکھنے کے لیے یہی کرنا ضروری ہو کہ دینی قدروں کے حقیقی تناسب کو بدل دیا جائے، تو نہ ہمیں ایسی سرگرمی چاہیے اور نہ کسی پلٹنے والے کی واپسی، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔

(۳) اس جماعت کو ٹھیک سے نہ سمجھنا

اس صورت حال کا ایک اور بنیادی سبب یہ ہے کہ بہت سے لوگ جماعت کی رکنیت اور عام انجمنوں اور پارٹیوں کی رکنیت کے فرق کو نہیں سمجھتے۔ انھوں نے ابھی پوری طرح محسوس نہیں کیا ہے کہ اس جماعت میں آنے کا مطلب کیا ہے۔ وہ ابھی تک اس گمان میں ہیں کہ یہ بھی کوئی انجمن ہے جس میں کسی ذرا سی کشش کی بنا پر شامل ہو جانا اور شامل ہو کر دل چسپی نہ لینا اور پھر کسی چھوٹی یا بڑی وجہ سے الگ ہو جانا، آدمی کے دین و ایمان سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ جماعت عام انجمنوں اور پارٹیوں سے بالکل مختلف ہے۔ یہ جماعت صرف اور صرف دینِ حق کو قائم کرنے کے لیے بنی ہے۔ اس کا مقصد وہی ہے جس کے لیے سارے نبی دنیا میں بھیجے گئے تھے۔ اس میں داخل ہوتے وقت ہر شخص سے پوری سمجھ کے ساتھ وہی عہد لیا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خریداری کا معاملہ کہا ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ:۱۱۱)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔

ایسی جماعت میں داخل ہونے کا جو شخص ارادہ کرے، اسے پہلے اچھی طرح جانچ پڑتال کر کے دیکھ لینا چاہیے کہ آیا اسی طرح کی اور اسی مقصد کی جماعت ہے اور یہی کام اس کے سامنے ہے؟ اگر تحقیق سے اس کو ان باتوں پر اطمینان حاصل نہ ہو تو سرے سے جماعت میں شامل ہونا ہی غلط ہے۔ لیکن اگر اسے اطمینان حاصل ہو جائے اور وہ یہ یقین رکھتے ہوئے جماعت میں داخل ہو کہ اس جماعت کا مقصد یہی ہے جو دستور میں بیان کیا گیا ہے اور اس یقین کی بنا پر وہ اللہ سے خوب سوچ سمجھ کر خریداری کا سودا کرے تو اس کے بعد آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ ایسی شرکت اور ایسے خریداری کے معاہدے کی یہ حیثیت ہرگز نہیں ہو سکتی کہ ایک کوٹ ہے جسے جب چاہا پہنا اور جب چاہا اتار دیا۔ ادھر قدم بڑھانے سے پہلے اپنی واپسی کی کشتیاں جلا دیں۔ یہ سمجھتے ہوئے آگے بڑھیے کہ اب پلٹ کر جانے کے لیے کوئی جگہ آپ کے لیے نہیں ہے۔ اللہ سے عہد باندھنے کے بعد جس

جان ومال کو آپ بیچ چکے اب آپ اسے واپس نہیں لے سکتے۔ اس معاہدہ کے ساتھ ہی آپ سر دھڑ کی بازی لگا چکے ہیں۔ اب آپ کو جان لڑا کر یہ کام کرنا ہے، خود اس راہ پر چلنا ہے اور دوسروں کو چلانا ہے۔ کوئی خرابی پیدا ہوتی نظر آئے تو بھاگنے کی فکر نہ کریں بلکہ کم از کم اسی جذبے کے ساتھ اسے دور کرنے کی فکر کریں جس طرح آپ کے گھر میں آگ لگ جائے تو اسے بجھانے کی فکر کریں گے۔ آگے والا اگر نہ چلے تو پیچھے سے سرک نہ جائیں بلکہ اسے یا تو چلنے پر مجبور کریں یا اسے ہٹا کر کنارے کر دیں اور خود آگے بڑھیے۔ یہاں آکر اگر آپ اس کام میں دل چسپی نہ لیں گے، یا وقت، مال، محنت اور دل ودماغ اور جسم وجان کی قوتیں اس راہ میں صرف کرنے سے جی چرائیں گے یا دوسرے کاموں کو اس کام کے اوپر رکھیں گے تو اللہ سے بے وفائی کریں گے۔ آپ کا عہد کسی انسان سے نہیں، اللہ سے ہے۔ شرکت کے وقت جو عہد آپ نے کیا ہے اس کے ساتھ ہی آپ اپنا سب کچھ اور خود اپنے آپ کو اللہ کے ہاتھ بیچ چکے ہیں۔ اب آپ کی ہر چیز پر پہلا حق اللہ اور اس کے کام کا ہے، باقی تمام چیزیں اس سے پیچھے ہیں۔

بڑے اقدام سے پہلے اپنی سیرت کو بلند کریں

یہ ساری باتیں میں آپ سے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آپ اس کام کی عظمت کو اچھی طرح محسوس کرلیں جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ مجھ سے اکثر تقاضے ہوتے رہتے ہیں کہ تم جلدی سے کوئی بڑا اقدام کر ڈالو۔ لیکن ابھی میں نے جن کم زوریوں کا ذکر آپ کے سامنے کیا ہے ان کو دیکھنے اور جاننے کے باوجود اگر میں کوئی بڑا اقدام کر بیٹھوں تو مجھ سے بڑا نادان کوئی نہ ہوگا۔ سیرت واخلاق کی ان خامیوں اور سوچ سمجھ کی ان کوتاہیوں کے ساتھ دنیا میں کوئی بڑا کام نہیں کیا جاسکتا، پھر وہ کام کیسے کیا جاسکتا ہے جو دنیا میں سب سے بڑا کام ہے۔ دنیا کی زندگی کے ہر حصے میں جو تبدیلی لانا ہمارے سامنے ہے اس کے لیے ایک اور ہی قسم کا ذہن اور سیرت چاہیے، جسے ڈھالنے اور تیار کرنے کا کوئی انتظام ہمارے یہاں ایک لمبی مدت سے نہیں ہوا ہے۔ جو سانچے ہمارے یہاں مدتوں سے بنے ہوئے ہیں وہ اخلاق وعادات اور ذہنوں اور سیرتوں کو کسی اور ڈھنگ پر ڈھالتے رہتے ہیں

جو اس کام کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں رکھتا۔ اس سے پہلے کہ ہم اپنے کام کی طرف کوئی بڑا قدم اٹھائیں ہمیں ان پرانے ہو چکے سانچوں کو توڑنا ہے اور نہایت صبر کے ساتھ مسلسل کوشش سے نئی سیرتیں، نئے ذہن، نئی عادتیں اور نئی اخلاقی صفات پیدا کرنی ہیں جو حقیقت میں تو نئی نہیں بلکہ سب کی سب پرانی ہیں مگر بد قسمتی سے آج ہمارے لیے نئی ہوگئی ہیں۔ خوب سمجھ لیں کہ کسی بگڑے ہوئے اور بگاڑ پھیلانے والے گروہ کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک اپنی زمین کے انتظام اور اپنی مخلوق کی قیادت کے منصب پر نہیں پہنچنے دیتا جب تک دنیا ایک نیک اور نیکی پھیلانے والے گروہ (بکھرے ہوئے افراد نہیں بلکہ منظم گروہ) سے بالکل ہی خالی نہ ہو جائے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق قیادت کے منصب اور زمین کے انتظام میں کوئی بنیادی بدلاؤ بھی اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ایک بہترین امت وجود میں نہ آجائے جو لوگوں پر گواہ ہونے کے لائق ہو، جس کا جینا اور مرنا صرف اللہ اور اس کے دین کے لیے ہو اور جو اپنی اخلاقی صفات کے اعتبار سے تمام دنیا کی امتوں سے اوپر ہو۔

اسلام کی دعوت اور مسلمان

اس موقع پر میں ایک بات نہایت صفائی کے ساتھ کہہ دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس قسم کی ایک دعوت کا، جیسی کہ ہماری یہ دعوت ہے، کسی مسلمان قوم کے اندر اٹھنا اس کو ایک بڑے سخت امتحان میں ڈال دیتا ہے۔ جب تک حق کے بعض بکھرے ہوئے حصے باطل کی ملاوٹ کے ساتھ آتے ہیں، ایک مسلمان قوم کے لیے ان کو قبول نہ کرنے اور ان کا ساتھ نہ دینے کا ایک معقول سبب موجود رہتا ہے اور اس کا عذر قابل قبول ہوتا رہتا ہے، مگر جب پورا حق بالکل بے نقاب ہو کر اپنی خالص صورت میں سامنے رکھ دیا جائے، اور اس کی طرف اسلام کا دعویٰ رکھنے والی قوم کو دعوت دی جائے، تو اس کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ یا تو اس کا ساتھ دے اور اس خدمت کو انجام دینے کے لیے اٹھ کھڑی ہو جو امتِ مسلمہ کی پیدائش کا ایک ہی مقصد ہے، یا نہیں تو اُسے رد کر کے وہی پوزیشن اختیار کر لے جو اس سے پہلے یہودی قوم اختیار کر چکی ہے۔ ایسی صورت میں ان دو راہوں

کے سوا کسی تیسری راہ کی گنجائش اس قوم کے لیے باقی نہیں رہتی۔ یہ تو ممکن ہے کہ اس دوٹوک فیصلے میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کو ڈھیل دے اور اس طرح کی ایک کے بعد ایک کئی دعوتوں کے اٹھنے تک دیکھتا رہے کہ وہ ان کے ساتھ کیا برتاؤ اختیار کرتے ہیں۔ لیکن اس دعوت کی طرف سے منہ موڑنے کا انجام آخر وہی ہے جو میں نے آپ سے عرض کر دیا۔ غیر مسلم قوموں کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ لیکن اگر مسلمان حق سے منہ موڑیں اور اپنی زندگی کے مقصد کی طرف صحیح دعوت کو سن کر الٹے پاؤں پھر جائیں تو یہ وہ جرم ہے جس پر اللہ نے کسی نبی کی امت کو معاف نہیں کیا ہے۔

اب یہ دعوت ہندوستان میں اٹھ چکی ہے اس لیے کم از کم ہندی مسلمانوں کے لیے تو امتحان کا وہ خوف ناک لمحہ آ ہی گیا ہے۔ رہے دوسرے ممالک کے مسلمان تو ہم ان تک اپنی دعوت پہنچانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اگر ہمیں اس کوشش میں کام یابی ہوگئی تو جہاں جہاں یہ پہنچے گی وہاں کے مسلمان بھی اسی امتحان میں پڑ جائیں گے۔ میں یہ دعویٰ کرنے کے لیے تو کوئی بنیاد نہیں رکھتا کہ یہ آخری موقع ہے جو مسلمانوں کو مل رہا ہے۔ اس کا علم صرف اللہ کو ہے، ممکن ہے کہ ابھی کچھ اور مواقع مسلمانوں کے نصیب میں ہوں، لیکن قرآن کی بنیاد پر میں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ مسلمانوں کے لیے یہ ایک نازک وقت ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے اس وقت صرف دو قسم کی دعوتیں ہیں۔ ایک طرف ہماری یہ دعوت ہے جو مسلمانوں کو ٹھیک اس کام کے لیے بلا رہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مسلم امت کا تنہا مقصد قرار دیا ہے اور دوسری طرف وہ دعوتیں ہیں جن کے سامنے مسلمانوں کے دنیوی مفاد کی خدمت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ان دو آمنے سامنے کی پکاروں میں سے دوسری پکار کی طرف مسلمانوں کا فوج در فوج لپکنا اور پہلی پکار کو امت کی بڑی اکثریت کا بہرے کانوں سے سننا، امت کے بڑوں اور بزرگوں کا اس سے لاپروائی برتنا یا اس کی کھلی یا چھپی مخالفت پر اتر آنا اور ایک چھوٹے گروہ کا اس کی طرف بڑھنا بھی تو رکتے جھجکتے اور پس و پیش کرتے ہوئے بڑھنا، میرے نزدیک ایک نہایت بُری علامت ہے۔ اور ایک بڑا خطرہ ہے جس میں یہ مسلمان قوم اپنے

آپ کو ڈال رہی ہے۔ خوب جان لیں کہ اگر اس وقت اس قوم میں سے کچھ آدمی بھی ایسے نہ نکلے جو بہترین امت اور اللہ کے لیے گواہ بننے کے قابل ہوں اور وہ خدمت انجام دے سکیں، جس کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی زمین پر ایک نیک اور نیکی پھیلانے والے گروہ کو تیار دیکھنا چاہتا ہے تو پھر:

فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ [المائدۃ:۵۴]

دور نہیں کہ اللہ کسی دوسری ایسی قوم کو لے آئے جو اللہ کو محبوب ہو اور اللہ اُسے محبوب ہو جو اہل ایمان پر نرم اور کفار پر سخت ہو جو اللہ کی راہ میں کوشش کرے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے اللہ عطا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت رکھنے والا اور علیم ہے۔

آپ حضرات یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ آپ اصل میں بہترین امت بننے کے امیدوار ہیں۔ آپ کا مقصود یہ ہے کہ اس اونچے مقام کو حاصل کریں۔ اتنے بڑے منصب کی امیدواری کے لیے اٹھ کھڑا ہونا، پھر نہ اس کی عظمت کو محسوس کرنا، نہ اس کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا، ایک بہت بڑی بے خبری ہے۔ اور اس سے بڑھ کر بے خبری یہ ہے کہ ایک طرف تو آپ نے ان کم سے کم صفات کو بھی ابھی تک اپنے اندر پیدا نہیں کیا جو اس عظیم کام کے لیے ضروری ہیں اور دوسری طرف آپ تقاضا کریں کہ فوراً ہی کوئی بڑا قدم اٹھا دیا جائے۔ کیا آپ اتنا نہیں سمجھتے اور اس سے ڈرتے نہیں کہ اگر آپ نے کوئی ایسا قدم اٹھایا جس کے لیے ضروری تیاری آپ نے اپنے اندر پیدا نہیں کی ہے تو آپ منہ کی کھا کر پسپا ہوں گے اور اس راہ میں پیچھے ہٹنا میدانِ جنگ سے بھاگ جانے کی طرح ہے جو اللہ کی شریعت میں بہت بڑا گناہ ہے۔

دعوت کے لیے مطلوبہ اوصاف

میں مختصر طور پر آپ کو بتاؤں گا کہ وہ کم سے کم ضروری صفات کیا ہیں جو اس دعوت کے لیے کام کرنے والوں میں ہونی چاہئیں۔ ان صفات کی تین قسمیں ہیں: ایک وہ جو شخصی حیثیت سے

ہر فرد میں ہونی چاہئیں، دوسری وہ جو ایک صالح جماعت بنانے کے لیے ضروری ہیں، اور تیسری وہ جو اللہ کی راہ میں مجاہدے کے لیے ضروری ہیں۔

انفرادی صفات

نفس سے لڑائی

شخصی صفات میں پہلی اور بنیادی صفت یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے نفس سے لڑ کر پہلے اسے مسلمان اور اللہ کا فرماں بردار بنائے۔ یہ وہی بات ہے جسے حدیث میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

المجاهد من جاهد نفسه فی طاعة الله (مسند احمد)
حقیقی مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس سے کش مکش کرے۔

یعنی اس سے پہلے کہ آپ باہر کی دنیا میں اللہ کے باغیوں سے مقابلے کے لیے نکلیں، اس باغی کو فرماں بردار بنایئے جو خود آپ کے اندر موجود ہے اور اللہ کے قانون اور اس کی خوشی کے خلاف چلنے کے لیے ہر وقت مانگ کرتا رہتا ہے۔ اگر یہ باغی آپ کے اندر پل رہا ہے اور آپ پر اتنا قابو پائے ہوئے ہے کہ آپ سے اللہ کی مرضی کے خلاف اپنے مطالبے منوا سکتا ہے تو یہ بالکل بے تکی بات ہے کہ آپ باہر کے باغیوں کے خلاف جنگ کا اعلان کریں۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ گھر میں شراب کی بوتل پڑی ہے اور باہر شرابیوں سے لڑائی ہو رہی ہے۔ یہ تضاد (contradiction) ہماری تحریک کے لیے نقصان دہ ہے۔ پہلے خود اللہ کے آگے سر جھکایئے پھر دوسروں سے اطاعت کا مطالبہ کریں۔

رضائے الٰہی کی طرف ہجرت

جہاد کے بعد دوسرا درجہ ہجرت کا ہے۔ ہجرت کا اصل مقصد گھر بار چھوڑنا نہیں ہے، بلکہ اللہ کی نافرمانی سے بھاگ کر اللہ کی مرضی کی طرف بڑھنا ہے۔ اصل مہاجر اگر وطن چھوڑتا ہے تو اس لیے کہ اس کے وطن میں اللہ کے قانون کے مطابق زندگی بسر کرنے کے موقعے نہیں ہیں۔ لیکن اگر کسی

شخص نے گھر بار چھوڑا اور اللہ کی فرماں برداری ہی اختیار نہ کی تو اس نے حماقت کی۔ یہ حقیقت بھی احادیث میں اچھی طرح واضح کر دی گئی ہے، جیسے ایک حدیث کو لیں۔ آں حضورؐ سے پوچھا گیا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَيُّ الْهِجْرَةِ أَفْضَلُ؟ "یارسول اللہ! کون سی ہجرت افضل ہے؟"

جواب ملا:

أَنْ تَهْجُرَ مَا كَرِهَ رَبُّكَ عَزَّ وَجَلَّ (نسائی، کتاب البیعۃ، باب ہجرۃ البادی) "یہ کہ تو ان چیزوں کو چھوڑ دے جو اللہ کو ناپسند ہیں۔"

اندر کا باغی اگر فرماں بردار نہ ہو تو آدمی کا وطن چھوڑ دینا اللہ کے نزدیک کوئی وزن نہیں رکھتا۔ اسی لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ لوگ باہر کی قوتوں سے پہلے اپنے اندر کی سرکش قوتوں سے لڑیے اور کافروں کو مسلمان بنانے سے پہلے اپنے نفس کو مسلمان بنایئے۔ اس بات کو ایک حدیث کی روشنی میں اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اپنے آپ کو اس گھوڑے کی طرح بنایئے جو ایک کھونٹے سے بندھا ہوا ہے اور چاہے کتنا ہی گھومے پھرے وہ کبھی اس حد سے آگے نہیں جاسکتا، جہاں تک رسی اسے جانے دیتی ہے: مَثَلُ الْمُؤْمِنِ وَمَثَلُ الْإِيمَانِ، كَمَثَلِ الْفَرَسِ فِي آخِيَتِهِ يَجُولُ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى آخِيَتِهِ۔ (مسند احمد) ایسے گھوڑے کی حالت آزاد گھوڑے سے بالکل مختلف ہوتی ہے جو ہر میدان میں گھومتا ہے، ہر کھیت میں گھس جاتا ہے اور جہاں ہری گھاس دیکھتا ہے وہیں پوری بے صبری کے ساتھ ٹوٹ پڑتا ہے۔ اس لیے آپ آزاد گھوڑے کی سی کیفیت اپنے اندر سے نکالیں اور کھونٹے سے بندھے ہوئے گھوڑے کی سی کیفیت اپنے اندر پیدا کریں۔

قریبی ماحول سے کش مکش

اس کیفیت کو پیدا کرنے کے ساتھ دوسرا قدم یہ اٹھایئے کہ اپنے قریبی ماحول سے، جسے میں ہوم فرنٹ (home front) کہوں گا، لڑنا شروع کر دیں۔ گھر کے لوگ، عزیز و اقارب، دوست اور سوسائٹی جس سے آپ کا گہرا رشتہ ہے ان سب سے ایک عملی کش مکش شروع ہو جانی چاہیے۔ کش مکش اس معنی میں نہیں کہ آپ اپنے تعلق والوں سے کشتی لڑیں، یا ان سے تو تو میں میں اور مناظرہ شروع کر دیں، بلکہ یہ کش مکش اس طرح ہونی چاہیے کہ آپ ایک فرد اور ایک جماعت کی

حیثیت سے اپنے مقصد کے اتنے دل دادہ اور اپنے اصولوں کے اتنے پابند ہو جائیں کہ آس پاس کے جو لوگ کسی مقصد کے بغیر بے اصول زندگیاں بسر کر رہے ہیں، وہ آپ کی اصولوں کی پابند زندگی کو گوارا نہ کر سکیں۔ آپ کی بیویاں، آپ کی اولاد، آپ کے والدین، آپ کے رشتے دار اور دوست آپ کے رویے کی مخالفت کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ آپ اپنے شہر میں اجنبی ہو کر رہ جائیں، جہاں آپ روزی کمانے کے لیے کام کرتے ہوں وہاں آپ کا وجود صاف طور پر کھٹکنے لگے۔ دفتر کی آرام کرسی جس پر بیٹھ کر ترقی اور بلندی کے خواب دیکھے جاتے ہیں، آپ کے لیے انگاروں کی انگیٹھی بن کر رہ جائے۔ غرض جو جتنا زیادہ قریبی ہو اس سے اتنا ہی پہلے ٹکراؤ شروع ہونا چاہیے۔ جس شخص کے گھر میں جنگ کا میدان موجود ہو وہ آخر چند میل کے فاصلہ ہی پر کیوں لڑنے جائے۔ پہلی جنگ تو گھر ہی سے شروع ہونی چاہیے۔ اب تک جہاں جہاں سے اس کش مکش کی خبریں آرہی ہیں وہاں کے لوگوں سے میں مطمئن ہو رہا ہوں، اور جہاں سے ایسی خبریں نہیں آرہی ہیں وہاں کے لیے بے چینی سے منتظر ہوں کہ ایسی کوئی خبر ملے۔

ہم دردی کا رویہ

مگر میں اسی وقت یہ بھی واضح کر دوں کہ یہ ساری کش مکش اس ذہن کے ساتھ ہونی چاہیے کہ جس کے ساتھ ایک ڈاکٹر بیماروں سے کش مکش کرتا ہے۔ اصل میں وہ بیمار سے نہیں لڑتا بلکہ بیماری سے لڑتا ہے، اور اس کی تمام تر کوشش ہم دردی کے جذبے کے ساتھ ہوتی ہے۔ وہ اگر بیمار کو کڑوی دوائیں پلاتا ہے یا اس کے کسی حصے پر نشتر چلاتا ہے تو یہ سب اخلاص ہوتا ہے دشمنی نہیں ہوتی۔ اس کی نفرت اور اس کا غصہ پورا مرض کے خلاف ہوتا ہے نہ کہ مریض کے خلاف۔ بالکل اسی طرح اپنے ایک گم راہ بھائی کو ہدایت کی طرف لائیے۔ وہ کبھی کسی بات سے یہ محسوس نہ کرے کہ اسے حقیر سمجھا جا رہا ہے، یا اس کی ذات سے دشمنی کی جا رہی ہے، بلکہ وہ آپ کے اندر انسانی ہم دردی، محبت اور بھائی چارے کو کام کرتا ہوا پائے۔ اصلی تبلیغ تقریروں اور تحریری مناظروں سے نہیں ہوا کرتی۔ یہ کام کرنے کے بہت ہی کم درجے کے طریقے ہیں۔ اصل تبلیغ یہ ہے کہ آپ اپنی دعوت کی تصویر اور نمونہ ہوں۔ جہاں کہیں لوگوں کی نگاہوں کے سامنے سے یہ نمونے گزر جائیں

وہ آپ کے عمل سے پہچان لیں کہ یہ ہیں اللہ کی راہ کے راہی۔ جس طرح کوئی "کانگریس کے لیے زندگی لگا دینے والا" آدمی سامنے آتا ہے تو کانگریسیت کی پوری تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے اسی طرح آپ اسلام میں اس طرح فنا ہو جائیں کہ جہاں آپ سامنے آئیں اسلامی تحریک کا پورا نقشہ واضح ہو جائے۔ یہی وہ چیز ہے جسے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ الَّذِينَ إِذَا رُؤُوا ذُكِرَ اللَّهُ (ابن ماجہ، ابواب الزہد) "جب ان پر نگاہیں پڑیں تو اللہ یاد آجائے۔"

میں یہ نہیں کہتا کہ ایسا فوراً ہو جانا چاہیے۔ یہ مقام تو درجہ بہ درجہ ہی حاصل ہوگا، اللہ کی راہ میں جب اپنے ماحول سے مسلسل آپ کا ٹکراؤ ہوتا رہے گا اور آپ ہر وقت، ہر لمحہ اپنے مقصد کے لیے کوشش کرتے ہوئے قربانیاں دیتے رہیں گے، تو ایک مدت میں جا کر اس راہ میں فنا ہو جانے کی کیفیت آپ پر طاری ہوگی، اور آپ اپنی دعوت کی زندہ تصویر بن سکیں گے۔

دربارِ رسالت سے رہ نمائی لیں

اس مقصد کے لیے قرآن و حدیث کا گہری نظر سے بار بار مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ اسلام کس قسم کا انسان چاہتا ہے اور حضور ﷺ کس طرز کے آدمی تیار کیا کرتے تھے۔ وہ کیا صفات تھیں جو اس تحریک کے کارکنوں میں پہلے پیدا کی گئیں اور اس کے بعد جہاد کا اعلان کیا گیا۔ آپ میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے مربیؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو انسان تیار کیے تھے انھیں پندرہ برس کی تیاری کے بعد میدان میں لایا گیا۔ اس تیاری کی تفصیلات معلوم کریں اور دیکھیں کہ یہ کس ترتیب کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس میں کن صفات کی پیروی پہلے درجے میں تھی، اور کن کی بعد کے درجے میں، کون سی صفات کس درجے میں مطلوب تھیں اور انھیں کس حد تک ترقی دی گئی تھی۔ اور کس مقام پر پہنچ کر اس جماعت سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اب تم دنیا کا بہترین گروہ بن گئے ہو اور اس قابل ہو گئے ہو کہ سارے انسانوں کی اصلاح کے لیے نکلو۔ یہی نمونہ خود اپنی تیاری کے لیے بھی آپ کے سامنے ہونا چاہیے۔

یہ تو شخصی اصلاح کا پروگرام ہوا۔ اس سے آگے جماعتی حیثیت سے کچھ دوسری اخلاقی صفات کی ضرورت ہے۔

دعوت کے لیے مطلوبہ صفات

انفرادی صفات

نفس سے لڑائی: ہر شخص اپنے نفس سے لڑ کر پہلے اسے مسلمان اور اللہ کا فرماں بردار بنائے۔ اس باغی کو فرماں بردار بنائیں جو خود آپ کے اندر موجود ہے اور اللہ کے قانون اور اس کی خوشی کے خلاف چلنے کے لیے ہر وقت مانگ کرتا رہتا ہے۔

رضائے الٰہی کی طرف ہجرت: ہجرت کا اصل مقصد گھر بار چھوڑنا نہیں، بلکہ اللہ کی نافرمانی سے بھاگ کر اللہ کی مرضی کی طرف بڑھنا ہے۔ اندر کا باغی اگر فرماں بردار نہ ہو تو آدمی کا وطن چھوڑ دینا اللہ کے نزدیک کوئی وزن نہیں رکھتا۔

قریبی ماحول سے کش مکش: کش مکش اس معنی میں نہیں کہ آپ اپنے تعلق والوں سے کشتی لڑیں، یا ان سے تو تو میں میں اور مناظرہ شروع کر دیں، بلکہ یہ کش مکش اس طرح ہونی چاہیے کہ آپ ایک فرد اور ایک جماعت کی حیثیت سے اپنے مقصد کے اتنے دل دادہ اور اپنے اصولوں کے اتنے پابند ہو جائیں کہ آس پاس کے جو لوگ کسی مقصد کے بغیر بے اصول زندگیاں بسر کر رہے ہیں، وہ آپ کی اصولوں کی پابند زندگی کو گوارا نہ کر سکیں۔ آپ اپنے شہر میں اجنبی ہو کر رہ جائیں۔

ہم دردی کا رویہ: یہ ساری کش مکش اس ذہن کے ساتھ ہونی چاہیے جس طرح ایک ڈاکٹر بیماروں سے کش مکش کرتا ہے۔ وہ بیمار سے نہیں لڑتا بلکہ بیماری سے لڑتا ہے، اور اس کی تمام تر کوشش ہم دردی کے جذبے کے ساتھ ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح اپنے ایک گم راہ بھائی کو ہدایت کی طرف لائیے۔

سیرت رسول ﷺ سے رہ نمائی لینا: قرآن و حدیث کا گہری نظر سے بار بار مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ اسلام کس قسم کا انسان چاہتا ہے اور رسول اللہ ﷺ، جو دنیا کے سب سے بڑے مربی ہیں، کس طرز کے آدمی تیار کیا کرتے تھے۔

جماعتی صفات

جماعتی نظم کو مضبوط اور کارگر بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ارکان جماعت کے درمیان محبت اور ہم دردی ہو۔ آپس میں اچھا گمان ہو، بے اعتمادی کی جگہ اعتماد ہو، آپس میں مل کر کام کرنے کی صلاحیت ہو، ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرنے کی عادت ہو۔ خود آگے بڑھیں اور دوسروں کو اپنے ساتھ آگے بڑھائیں۔ یہ صفات ہر جماعتی نظم کے لیے ضروری ہیں۔ ورنہ اگر الگ الگ سب لوگ اعلیٰ درجے کی اچھی صفات اپنے اندر پیدا کرلیں، لیکن وہ منظم اور جڑے ہوئے نہ ہوں، آپس میں ایک دوسرے کے مددگار نہ ہوں، کندھے سے کندھا ملا کر چل نہ سکیں، تو ہم دنیا میں باطل کی فوج کا بال تک بیکا نہیں کرسکتے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ شخصی حیثیت سے بہترین انسان ہم میں ہمیشہ موجود رہے ہیں، اور آج بھی موجود ہیں۔ اور اگر آج دنیا بھر کو ہم چیلنج دے کر کہیں کہ ایسے لوگ کسی کے پاس نہ ہوں گے تو شاید اس چیلنج کا جواب کسی قوم سے نہ دیا جاسکے گا۔ مگر یہ معاملہ صرف انفرادی اصلاح کی حد تک ہے۔ جن لوگوں نے اپنی انفرادی اصلاح پوری طرح کرلی ہے، انھوں نے زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ چند سو یا چند ہزار افراد تک اپنا اثر پھیلا دیا اور پاکیزگی کی چند یادگاریں چھوڑ کر رخصت ہوگئے۔ یہ طریقہ بڑے کام کرنے کا نہیں ہے۔ بڑے سے بڑا پہلوان جو بھاری بوجھ اٹھانے اور کئی کئی آدمیوں کو کشتی میں پچھاڑنے کی طاقت رکھتا ہو، ایک مضبوط رجمنٹ کے مقابلے میں بے کار ہے۔ اسی طرح اگر ہم میں سے کچھ لوگ انفرادی تزکیے کا پورا سفر طے کرچکے ہوں، لیکن ان میں اجتماعی تعلق اور تعاون نہ ہو تو ان کی حیثیت اسی پہلوان کی سی ہے جو کسی رجمنٹ کا حصہ بن کر کام نہیں کرتا بلکہ اکیلے ہی ایک رجمنٹ کو لڑنے کی دعوت دیتا ہے۔ انفرادی تزکیے کے لحاظ سے ہماری اپنی جماعت میں بھی ایسے رفیقوں کی کمی نہیں ہے جن کی حالت پر خود مجھے رشک آتا ہے، لیکن جہاں تک جماعتی تزکیے کا تعلق ہے، حالات افسوس ناک ہیں۔

قرآن میں اس مسئلہ پر اصولی باتیں بتائی گئی ہیں، اور حدیث میں ان اصول کی تفصیلی وضاحتیں موجود ہیں۔ پھر نبی ﷺ کی سیرت اور صحابہؓ کی سیرت کے مطالعہ سے مطلوبہ اجتماعی اخلاق

کے عملی نمونے بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان کا مطالعہ کریں اور ناپ تول کر دیکھیں کہ کس پہلو سے ہمارے اجتماعی نظم میں کیا اور کتنی کمی ہے اور اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔

صاف بات ہے کہ اجتماعی نظم میں ایک فرد کو دوسرے افراد سے ضرور سابقہ پیش آتا ہے۔ اگر اچھا گمان، ہم دردی، ایثار اور رواداری نہ ہو تو مزاجوں کا فرق آپس کے اس رشتے کو ایک دن بھی جاری نہیں رہنے دے گا۔ جماعتی نظم چلتا ہی اس اصول پر ہے کہ دوسروں کے لیے آپ اپنا کچھ چھوڑیں اور دوسرے آپ کے لیے کچھ چھوڑیں۔ اس ایثار کی ہمت نہ ہو تو کسی تبدیلی کا نام بھی زبان پر نہ لانا چاہیے۔

اللہ کی راہ میں مجاہدہ کے لیے ضروری صفات

تیسری قسم کی صفات وہ ہیں جو اللہ کی راہ میں مجاہدے کے لیے ضروری ہیں۔ ان کا بھی قرآن و حدیث میں تفصیل سے ذکر موجود ہے۔ یہی نہیں، بلکہ ایک ایک صفت کی وضاحت کی گئی ہے کہ وہ کس طرح کی اور کس درجے کی ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں احکام و ہدایات کو جمع کریں اور سمجھیں کہ اللہ کی راہ میں مجاہدے کے لیے کیا کیا تیاریاں کرنی ہیں۔ میں ان کی طرف بھی اشارہ کر دینا چاہتا ہوں۔

صبر

سب سے پہلی صفت جس پر زور دیا گیا ہے صبر ہے۔ صبر کے بغیر اللہ کی راہ میں کیا کسی راہ میں بھی مجاہدہ نہیں ہوسکتا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور قسم کا صبر چاہیے، اور دنیا کے لیے مجاہدہ کرتے ہوئے اور قسم کا صبر چاہیے، مگر ہر حال میں صبر ہے ضروری۔ صبر کے بہت سے پہلو ہیں۔ ایک پہلو یہ ہے کہ جلد بازی سے شدید پرہیز کیا جائے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ کسی راہ میں کوشش کرتے ہوئے دشواریوں اور مخالفتوں کے مقابلے میں جم جایا جائے اور قدم پیچھے نہ ہٹایا جائے۔ تیسرا پہلو یہ ہے کہ کوششوں کا کوئی نتیجہ اگر جلدی حاصل نہ ہو تب بھی ہمت نہ ہاری جائے۔ اور مسلسل کوشش جاری رکھی جائے۔ ایک اور پہلو یہ ہے کہ مقصد کی راہ میں بڑے سے بڑے خطرات، نقصانات اور ڈر اور لالچ کے موقع بھی پیش آجائیں تو قدم پھسلنے نہ پائے اور یہ بھی صبر ہی کا ایک پہلو ہے کہ جذبات کے بھڑکنے کے سخت سے سخت موقع پر بھی آدمی اپنے

ذہن کا توازن نہ کھوئے۔ جذبات میں آکر کوئی قدم نہ اٹھائے۔ ہمیشہ سکون، صحت مند عقل اور ٹھنڈے دل اور ٹھنڈی قوتِ فیصلہ کے ساتھ کام کرے۔ پھر حکم صرف صبر ہی کا نہیں، صبر میں مقابلہ کرنے کا بھی ہے۔ یعنی مخالف طاقتیں اپنے باطل مقاصد کے لیے جس صبر کے ساتھ ڈٹ کر کوشش کر رہی ہیں اسی صبر کے ساتھ آپ بھی ڈٹ کر ان کا مقابلہ کریں۔ اسی لیے "اِصْبِرُوْا" کے ساتھ "صَابِرُوْا" کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ جن لوگوں کے مقابلے میں آپ حق کے لیے اٹھنے کا جذبہ رکھتے ہیں ان کے صبر کا اپنے صبر سے مقابلہ کریں اور سوچیں کہ آپ کا صبر ان کے مقابلے میں کتنا ہے۔ شاید ہم ان کے مقابلے میں دس فیصد کا دعویٰ کرنے کے قابل بھی نہیں ہیں۔ باطل کو غالب کرنے کے لیے جو صبر وہ دکھا رہے ہیں اس کا اندازہ کرنے کے لیے موجودہ جنگ کے حالات پر نظر ڈالیں۔ کس طرح وقت آپڑنے پر ان لوگوں نے اپنے ان کارخانوں، شہروں اور ریلوے اسٹیشنوں کو اپنے ہاتھوں سے پھونک ڈالا جن کی تیاری میں برسوں کی محنتیں اور بے شمار روپیہ صرف کیا گیا تھا۔ یہ ان ٹینکوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو جاتے ہیں جو فوجوں کو اپنے آہنی پہیوں تلے کچل ڈالتے ہیں۔ یہ دشمن کے ان بم بار طیاروں کے سائے میں جم کر کھڑے رہتے ہیں جو موت کے پر لگا کر اڑتے ہیں۔ جب تک ان کے مقابلے میں ہمارا صبر ۱۰۵ فیصد نہ ہو جائے ان سے کوئی ٹکر لینے کی جرأت نہیں کی جا سکتی۔ جب سامان کے لحاظ سے ہم ان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تو پھر سامان کی کمی کو صبر ہی سے پورا کیا جا سکتا ہے۔

ایثار

دوسری چیز جو مجاہدے کے لیے ضروری ہے وہ ایثار کی صفت ہے۔ وقت کا ایثار، محنتوں کا ایثار، اور مال کا ایثار۔ ایثار کے اعتبار سے بھی باطل کا جھنڈا اٹھانے والی طاقتوں کے مقابلے میں ہم بہت ہی پیچھے ہیں۔ حالاں کہ سامان نہ ہونے کی کمی پوری کرنے کے لیے ہمیں ایثار میں بھی ان سے میلوں آگے ہونا چاہیے۔ مگر یہاں صورت یہ ہے ایک شخص بیس، پچاس، سو اور ہزار روپے ماہانہ تنخواہ کے عوض اپنی پوری صلاحیتیں خود اپنے دشمن کے ہاتھ بیچ دیتا ہے اور اس طرح ہماری قوم کا کارآمد جوہر بے کار ہو جاتا ہے۔ یہ دماغی صلاحیتیں رکھنے والا طبقہ اتنی ہمت نہیں رکھتا کہ ایک بڑی

آمدنی کو چھوڑ کر یہاں صرف ضرورت کے برابر تھوڑے معاوضے پر اپنی خدمات پیش کر دے۔ پھر فرمائیں کہ اگر یہ لوگ اتنا ایثار بھی نہیں کریں گے اور اس راہ میں پتہ مار کر کام نہ کریں گے تو پھر اسلامی تحریک کیسے پھل پھول سکتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ کوئی تحریک محض والنٹیروں کے بل پر نہیں چل سکتی۔ جماعتی نظم میں والنٹیروں کو اسی درجے کی اہمیت حاصل ہے جیسی ایک آدمی کے جسمانی نظام میں ہاتھ اور پاؤں کو ہے۔ یہ ہاتھ اور پاؤں اور جسم کے دوسرے حصے کس کام کے ہو سکتے ہیں اگر ان سے کام لینے کے لیے دھڑکنے والے اور سوچنے والے دماغ موجود نہ ہوں۔ دوسرے لفظوں میں ہمیں والنٹیروں سے کام لینے کے لیے اعلیٰ درجے کے قائد چاہئیں۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ جن کے پاس دل اور دماغ کی قوتیں ہیں وہ دنیوی ترقیوں کے دیوانے ہیں اور مارکیٹ میں اسی کی طرف جاتے ہیں جو زیادہ قیمت پیش کرے۔ مقصد سے ہماری قوم کے بہترین افراد کا تعلق ابھی اس درجے کا نہیں ہے کہ وہ اس کی خاطر اپنے منافع کو بلکہ منافع کے امکانات تک کو قربان کر سکیں۔ اس ایثار کو لے کر اگر آپ یہ توقع کریں کہ وہ دنیا میں بگاڑ پھیلانے والے جو روزانہ کروڑوں روپے اور لاکھوں جانوں کا ایثار کر رہے ہیں ہم سے کبھی شکست کھا سکتے ہیں تو یہ چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔

دل کی لگن

اللہ کے راستے میں مجاہدے کے لیے تیسری صفت دل کی لگن ہے۔ صرف دماغی طور پر ہی کسی شخص کا اس تحریک کو سمجھ لینا اور اس پر صرف عقل کا مطمئن ہو جانا، اس راہ میں آگے بڑھنے کے لیے صرف ایک شروع کا قدم ہے لیکن اتنے سے کام چل نہیں سکتا۔ یہاں تو اس کی ضرورت ہے کہ دل میں اک آگ بھڑک اٹھے، زیادہ نہیں تو کم از کم اتنی تو بھڑک جانی چاہیے جتنی اپنے بچے کو بیمار دیکھ کر ہو جاتی ہے۔ اور آپ کو کھینچ کر ڈاکٹر کے پاس لے جاتی ہے، یا اتنی جتنی اپنے بچے کو بیمار دیکھ کر ہو جاتی ہے اور آدمی کو دوڑنے بھاگنے پر مجبور کر دیتی ہے، اور چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ سینوں میں وہ جذبہ ہونا چاہیے جو ہر وقت آپ کو اپنے مقصد کی دھن میں لگائے رکھے، دل و دماغ کو یکسو کر دے اور ساری توجہ کو اس کام پر مرکوز کر دے کہ اگر ذاتی یا گھریلو یا دوسرے معاملات کبھی آپ کی توجہ کو اپنی طرف کھینچیں بھی تو آپ سخت ناگواری کے ساتھ ان کی طرف کھنچیں۔ کوشش

کریں کہ اپنی ذات کے لیے قوت اور وقت کا کم سے کم حصہ لگائیں۔ اور آپ کی زیادہ سے زیادہ محنت اپنی زندگی کے مقصد کے لیے ہو، جب تک یہ دل کی لگن نہ ہوگی اور پورے طور پر اپنے آپ کو اس کام میں جھونک نہ دیں گے، صرف زبانی جمع خرچ سے کچھ نہ بنے گا۔ زیادہ تر لوگ دماغی طور پر ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، لیکن کم لوگ ایسے ملتے ہیں جو دل کی لگن کے ساتھ تن من دھن سے اس کام میں شریک ہوں۔ میرے ایک قریبی رفیق نے جن سے میرے ذاتی اور جماعتی تعلقات بہت گہرے ہیں حال ہی میں دو برس ساتھ رہنے کے بعد مجھ سے یہ اعتراف کیا کہ اب تک میں محض دماغی اطمینان کی بنا پر جماعت میں تھا، مگر اب یہ چیز دل میں اتر گئی ہے اور اس نے میرے اندر کی روح پر قبضہ جما لیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہر شخص اسی طرح خود پر تنقید کر کے دیکھے کہ کیا ابھی تک وہ اس جماعت کا محض ایک دماغی رکن ہے یا اس کے دل میں مقصد سے عشق کی آگ بھڑک چکی ہے۔ پھر اگر دل کی لگن اپنے اندر نہ محسوس ہو تو اسے پیدا کرنے کی فکر کی جائے۔ جہاں دل کی لگن ہوتی ہے وہاں کسی ٹھیلنے اور اکسانے والے کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔ اس قوت کے ہوتے ہوئے یہ صورت حال کبھی پیدا نہیں ہو سکتی کہ اگر کہیں جماعت کا ایک کارکن پیچھے ہٹ گیا یا جگہ بدلنے پر مجبور ہو گیا تو وہاں کا سارا کام ہی چوپٹ ہو گیا۔ بلکہ یہ ہوگا کہ ہر شخص اس طرح کام کرے گا جس طرح وہ اپنے بچے کو بیمار پا کر کیا کرتا ہے۔

اللہ نہ کرے، اگر آپ کا بچہ بیمار ہو تو آپ اس کی زندگی اور موت کے سوال کو پورے طور پر کسی دوسرے پر ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ یہ عذر کر کے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں کہ کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں، کوئی دوا لانے والا نہیں، کوئی ڈاکٹر کے پاس جانے والا نہیں، اگر کوئی نہ ہو تو آپ خود سب کچھ بنیں گے۔ کیوں کہ بچہ کسی دوسرے کا نہیں آپ کا اپنا ہے۔ ایک باپ اپنے جگر کے ٹکڑے کو کیسے چھوڑ سکتا ہے، اس کے تو دل میں آگ لگی ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کام سے بھی اگر آپ کا دلی رشتہ ہو تو اس کو آپ دوسروں پر نہیں چھوڑ سکتے۔ اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے کی نااہلی یا غلط روی یا لاپروائی کو بہانہ بنا کر آپ اسے مر جانے دیں۔ اور جا کر اپنے دوسرے مشاغل میں مگن ہو جائیں۔ یہ سب باتیں اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ اللہ کے دین

اور اس کی سربلندی کے مقصد سے آپ کا سچا رشتہ نہیں ہے، سچا رشتہ ہو تو آپ میں سے ہر شخص اس راہ میں اپنی جان لڑا کر کام کرے۔ میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اگر اس راہ میں قدم بڑھاتے ہوئے آپ کے اندر اتنا دل لگاؤ بھی نہیں ہوگا جتنا آپ اپنے بیوی بچوں سے رکھتے ہیں تو انجام ہار کے سوا کچھ نہ ہوگا اور یہ ایسی بری ہار ہوگی کہ مدتوں تک ہماری نسلیں اس تحریک کا نام لینے کی جرأت بھی نہ کر سکیں گی۔ بڑے بڑے اقدامات کا نام لینے سے پہلے اپنے دل کی قوت کا اور اپنی اخلاقی طاقت کا جائزہ لیں اور اللہ کے راستے میں مجاہدے کے لیے جس دل گردے کی ضرورت ہے وہ اپنے اندر پیدا کریں۔

مسلسل کوشش

چوتھی ضروری صفت اس راہ میں یہ ہے کہ ہمیں مسلسل کوشش اور باقاعدہ طریقے سے کام کرنے کی عادت ہو۔ ایک لمبی مدت سے ہماری قوم اس طریقے کی عادی رہی ہے کہ جو کام ہو کم سے کم وقت میں ہو جائے، جو قدم اٹھایا جائے اس میں ہنگامہ ضرور ہو، چاہے مہینہ دو مہینے میں سب کیا کرایا غارت ہو کر رہ جائے۔ اس عادت کو ہمیں بدلنا ہوگا۔ اس کی جگہ درجہ بہ درجہ اور بے ہنگامہ کام کرنے کی مشق ہونی چاہیے۔ چھوٹے سے چھوٹا کام بھی جو اپنے آپ میں ضروری ہو، اگر آپ کے ذمہ کر دیا جائے تو نتیجے کی جلدی کیے بغیر اور تعریف کی خواہش کے بنا آپ اپنی پوری عمر صبر کے ساتھ اسی کام میں کھپا دیں۔ اللہ کے راستے میں مجاہدہ کرتے ہوئے ہر وقت میدان گرم ہی نہیں رہا کرتا ہے اور نہ ہر شخص اگلی ہی صفوں میں لڑ سکتا ہے۔ ایک بار میدان میں اترنے کے لیے کبھی کبھی پچیس پچیس سال تک لگاتار خاموش تیاری کرنی پڑتی ہے اور اگلی صفوں میں اگر ہزاروں آدمی لڑتے ہیں تو ان کے پیچھے لاکھوں آدمی جنگی ضرورتوں کے لیے ان چھوٹے چھوٹے کاموں میں لگے رہتے ہیں جو اوپر سے دیکھنے والی نظر میں بہت معمولی ہوتے ہیں۔

رائے عامہ بنانے کی اہمیت

ایک اہم کام ہمارے سامنے یہ ہے کہ رائے عامہ کو اپنا بنانے کے لیے بڑے پیمانے پر منظم کوشش کی جائے۔ اب تک ہم نے رائے عامہ کو سیدھے مخاطب نہیں کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ابھی

تک ہم اس سمندر کے ذرا سے گوشے میں کچھ ہلچل پیدا کر سکے ہیں۔ اب ہمیں آہستہ آہستہ اصل سمندر کی طرف بڑھنا ہے۔ ضروری نہیں کہ عوام پورے کے پورے ہمارے رکن بن جائیں۔ ہمارے مقصد کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ ملک کے شہریوں کی ایک بڑی تعداد حق کو مان لے، ہمارے مقصد کے صحیح ہونے کو تسلیم کرلے اور ہمارا اخلاقی اثر اس پر قائم ہوجائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آگے چل کر ہم جو قدم اٹھائیں گے اس میں عوام کی ہم دردیاں ہمارے ساتھ ہوں گی۔

اب تک ہم نے اپنے لٹریچر میں زندگی کے مسائل کے بہت تھوڑے حصے پر کام کیا ہے اور وہ بھی زیادہ تر مختصر اشاروں کی صورت میں ہے۔ حالاں کہ اس دور میں زندگی کے ہر پہلو پر ہمیں اپنے نقطۂ نظر سے تفصیلی روشنی ڈالنی چاہیے، علوم کو نئے سرے سے تیار کرنا چاہیے اور یہ کام ایک دو زبانوں میں نہیں، بہت سی زبانوں میں کرنا چاہیے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ہماری بات کو سمجھیں۔

اب ہمیں اس میدان میں بھی اپنی کوششوں کے دائرے کو پھیلانا ہے۔ پھر ابھی تک ہم نے بات پہنچانے اور پھیلانے کے لیے صرف تحریر سے کام لیا ہے، تقریر سے ہم نے ابھی کوئی کام نہیں لیا ہے۔ اب ہمیں اس میدان کی طرف بھی بڑھنا ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم تقریر کا نیا ڈھنگ اختیار کریں۔ نمائشی اور ہنگامی اسٹیج سے دور رہیں اور ذمے دارانہ گفتگو کی عادت ڈالیں تاکہ جو آواز بھی ہماری طرف سے اٹھے، وہ اتنی قیمتی، وزن دار اور نمایاں ہو کہ لوگ ان کو ان بہت سے سُروں میں سے ایک سُر نہ سمجھیں جو ہنگامے کے شوقین اور غیر ذمہ دار مقررین کے سازوں سے نکل رہے ہیں۔ میں نے اب تک اپنے رفیقوں کو تقریر سے اسی لیے روک رکھا ہے کہ پرانی عادتوں کا اثر ابھی تک باقی ہے۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں اسی پرانے انداز کی تقریریں ہم بھی نہ کرنے لگیں جو اسلامی نظام کا نام لینے والوں کے منہ کو زیب نہیں دیتیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ افکار کو پھیلانے کے تمام ذریعوں کو استعمال کریں۔ مگر پہلی شرط یہ ہے کہ انھیں اسلامی اخلاق کا پابند بنائیں اور ان غیر صالح چیزوں سے انھیں پاک کریں جو غیر ذمہ دار قسم کے لوگوں نے ان میں ملا دیے ہیں۔

• • •

اللہ کی راہ میں مجاہدہ کے لیے ضروری صفات

صبر: صبر کے بہت سے پہلو ہیں۔ ☆ جلد بازی سے شدید پرہیز کیا جائے۔ ☆ کسی راہ میں کوشش کرتے ہوئے دشواریوں اور مخالفتوں کے مقابلے میں جم جایا جائے اور قدم پیچھے نہ ہٹایا جائے۔ ☆ کوششوں کا کوئی نتیجہ اگر جلدی حاصل نہ ہو تب بھی ہمت نہ ہاری جائے، اور مسلسل کوشش جاری رکھی جائے۔ ☆ مقصد کی راہ میں بڑے سے بڑے خطرات، نقصانات اور ڈر اور لالچ کے موقع بھی پیش آجائیں تو قدم پھسلنے نہ پائے ☆ جذبات کے بھڑکنے کے سخت سے سخت موقع پر بھی آدمی اپنے ذہن کا توازن نہ کھوئے۔ ہمیشہ سکون، صحت مند عقل اور ٹھنڈے دل اور ٹھنڈی قوتِ فیصلہ کے ساتھ کام کرے۔ ☆ مخالف طاقتیں اپنے باطل مقاصد کے لیے جس طرح ڈٹ کر کوشش کر رہی ہیں اسی صبر کے ساتھ آپ بھی ڈٹ کر ان کا مقابلہ کریں۔

ایثار: دوسری چیز جو مجاہدے کے لیے ضروری ہے وہ ایثار کی صفت ہے۔ وقت کا ایثار، محنتوں کا ایثار، اور مال کا ایثار۔

دل کی لگن تیسری صفت دل کی لگن ہے۔ ضرورت ہے کہ دل میں اک آگ بھڑک اٹھے، زیادہ نہیں تو کم از کم اتنی تو بھڑک جانی چاہیے جتنی اپنے بچے کو بیمار دیکھ کر ہو جاتی ہے، اور چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ سینوں میں وہ جذبہ ہونا چاہیے جو ہر وقت آپ کو اپنے مقصد کی دھن میں لگائے رکھے، دل و دماغ کو یکسو کر دے اور ساری توجہ کو اس کام پر مرکوز کر دے کہ اگر ذاتی یا گھریلو یا دوسرے معاملات کبھی آپ کی توجہ کو اپنی طرف کھینچیں بھی تو آپ سخت ناگواری کے ساتھ ان کی طرف کھنچیں۔

مسلسل کوشش: ہمیں مسلسل کوشش اور باقاعدہ طریقے سے کام کرنے کی عادت ہو۔ درجہ بہ درجہ اور بے ہنگامہ کام کرنے کی مشق ہونی چاہیے۔ چھوٹے سے چھوٹا کام بھی جو اپنے آپ میں ضروری ہو، اگر آپ کے ذمہ کر دیا جائے تو نتیجے کی جلدی کیے بغیر اور تعریف کی خواہش کے بنا آپ اپنی پوری عمر صبر کے ساتھ اسی کام میں کھپا دیں۔

دعوت کی راہ کے ضروری آداب*

آپ لوگوں نے جن مشکلات کو پیش کیا ہے ان کا سامنا تو اس راہ میں ہونا ہی ہے مگر ہم کو ان کا صحیح علاج سوچنے سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔ صحیح طریقے پر حق کا کام کرنے والوں کو مخالفتوں کا سامنا تو کرنا ہی ہے، مگر اس مرحلے پر یہ طریقہ تو بالکل غلط ہے کہ دوسروں سے بلاوجہ ٹکراؤ پیدا کیا جائے۔ میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں اگر چند ضروری چیزوں کا خیال کیا جائے تو ہماری راہ کے کانٹے بڑی حد تک دور ہو سکتے ہیں۔

پہلی چیز، جس پر میں نے آج بھی اور پہلے بھی بہت غور کیا ہے اور جو بہت ہی مشکل معلوم ہوتی ہے اور بہت زیادہ سنجیدہ توجہ چاہتی ہے، وہ حق کو جماعت سے باہر کے لوگوں تک پہنچانے کا مسئلہ ہے۔ دوسری جماعتوں سے ہمیں اس کے سوا کچھ نہیں چاہیے کہ وہ حق کو صاف صاف پہچان جائیں۔ یاد رکھیے کہ یہ کام صرف باتوں سے پورا نہ ہو سکے گا، اس کے لیے ہمیں اپنے انفرادی اعمال اور اجتماعی کردار کو ذریعہ بنانا پڑے گا۔ بجائے اس کے کہ زوردار تقریروں کا سیلاب بہایا جائے اور نظریات کی اشاعت پریس کے ذریعہ سے کی جائے، ہونا یہ چاہیے کہ اپنے عمل سے ہم یہ ثابت کر دیں کہ ہم اپنے مقصد میں مخلص ہیں اور مسلمانوں کے لیے خاص طور پر اور ساری انسانیت کے لیے عام طور پر ایک حقیقی فائدے کا کام کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں کسی سے دشمنی نہیں بلکہ دنیا کی پوری آبادی سے سچی ہمدردی ہے۔

عصبیت سے پاک ہو جائیں

آزمائش کے مختلف مواقع پر اگر ہم عمل سے یہ ثبوت دے دیں کہ ہماری زندگی کسی خاص گروہ یا جماعت یا کسی قوم کے فائدے کے لیے نہیں ہے بلکہ حق کے مقصد کے لیے ہے، تو ذہنوں کو جیتنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک ہمارے ساتھ بے شمار عصبیتیں چمٹی

* مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تقریر

ہوئی ہیں اور ان کا ایک اچھا خاصا موٹا خول خود ہمارے گرد لپٹا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ خود اپنی دعوت کی راہ کی پہلی اور سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ یہ خول ہمیں جتنا جلد ممکن ہو اتار دینا چاہیے اور حق کو بالکل بے نقاب کر کے لوگوں کے سامنے لانا چاہیے تاکہ لوگ صاف صاف پہچان لیں کہ سچائی اور حقیقت کیا ہے۔ اگر ہم اپنے بیوی بچوں، اپنے احباب، اپنی جماعت اور قوم کی غلط عصبیت کی آلودگیوں سے اپنا دامن پاک کرلیں تو دنیا کی زبان تو ہمارے خلاف کبھی بند نہیں ہوسکتی مگر ہمارے خلاف اس کے پاس کہنے کو کوئی دلیل نہیں رہ جائے گی۔ صرف یہی طریقہ ہے دنیا کو حقیقت کے انکار سے روک دینے کا، عصبیت کی بو بھی اگر باقی رہے گی تو ہم خود اپنے لیے حجاب بنے رہیں گے، اور اپنی دعوت کے راستے میں چٹان بن کر حائل رہیں گے۔ گھروں میں، بازاروں میں، جلسوں میں، خانقاہوں اور مسجدوں میں ہر پہلو سے یہ دکھانا ضروری ہے کہ آپ چھوٹے مقاصد سے اوپر ہیں۔

اس گزارش کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے آپ حضرات سورہ انبیاء کا مطالعہ کریں۔ اللہ کی طرف سے جتنے داعی اللہ کے کلمے کو اونچا کرنے کے لیے آئے ان میں سے ہر ایک نے حق کے رشتہ کے سوا ہر رشتے کو توڑ دیا۔ جاہلیت کی حمیت کے سارے بندھن کاٹ ڈالے، عصبیتوں کی موٹی موٹی زنجیروں سے اپنے آپ کو آزاد کیا، اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کی دعوت بغیر کسی فرق کے ہر حق پسند دل کو اپیل کرتی اور جو لوگ ان کی دعوت پر لبیک کہتے ان کے سینے میں گروہوں اور جماعتوں کی برتری کے بجائے انسانیت کی خدمت کا جذبہ امنڈ آتا۔ اگر ہدایت کے انھی داعیوں کا نمونہ اپنا لیا جائے تو ہماری تبلیغی مشکلات ساری کی ساری حل ہوجاتی ہیں۔ اس سلسلے میں جماعت کے لٹریچر میں ضروری امور تو بیان کیے گئے ہیں مگر کام کا کوئی تفصیلی پروگرام ابھی ہم نہیں بنا سکے ہیں۔ میں یہاں اس سے زیادہ کچھ نہیں عرض کرسکتا کہ اپنی پرائیویٹ اور پبلک زندگی میں یہ ثابت کردینے کی فکر کریں کہ آپ کی ساری کوششیں صرف اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے ہیں۔ حنفیت اور وہابیت کے جھگڑوں اور گروہوں اور جماعتوں کی بدگمانیوں کو ختم کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ ہمیں کوئی نئی جماعت

نہیں بنانی ہے، ہمارا مقصد صرف حق کو واضح کر دینا ہے۔

کبر و غرور سے پاک ہو جائیں

ایک اور چیز جس کی طرف میں آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ غرور اور گھمنڈ جو ایک حقیقت کو پا لینے یا ایک علم کو حاصل کر لینے سے آدمی میں پیدا ہو جاتا ہے، حق کے ایک داعی کے لیے سب سے بڑا پردہ ہے۔ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں دوسروں سے کچھ اوپر ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی دعوت کی راہ میں خود روک بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ اس گھمنڈ کو ذرا زیادہ صفائی سے چھپا لیتے ہیں، مگر دل میں یہ فتنہ موجود ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے ان کی گفتگوؤں اور تحریروں میں ایک بناوٹ سی آجاتی ہے اور بناوٹ کا دین کی دعوت کے ساتھ کوئی ہلکا سے جوڑ نہیں ہے۔ گھمنڈ اور تکبّر دیکھ کر لوگ بدک جاتے ہیں اور اپنے کان بند کر لیتے ہیں۔ اس بیماری کا علاج یہ ہے کہ آپ نے یہ جو حق کو جان لیا ہے، اسے اللہ کا فضل سمجھیں۔ اور اس پر اس کا شکر ادا کریں۔ یہ احساس آپ میں گھمنڈ کی جگہ خاک ساری کا جذبہ پیدا کرے گا۔ اور اللہ کے بندوں کے ساتھ آپ کے تعلق کو مضبوط کر دے گا۔ جہاں اللہ کی نعمتوں کا احساس آدمی میں پیدا ہو جاتا ہے وہاں خود بخود گھمنڈ کی جگہ خاک ساری، غصے کی جگہ ہم دردی اور نفرت کی جگہ محبت کے جذبات پلنے لگتے ہیں۔ حق کے داعی کو عوام سے ویسی ہی گہری اور دلی محبت ہونی چاہیے جیسی ایک بچے کے لیے ماں اور باپ میں پائی جاتی ہے، اسے لوگوں کی غلطیوں سے مزا لینے کے بجائے کوفت ہوتی ہے، وہ دوسروں کا حساب لینے کے بجائے ان کا ہم درد بن جاتا ہے، غرور اور گھمنڈ کی جگہ اس میں ایک ہم دردی بھری بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔ جب یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے تو اس کی باتوں میں بھی وہ درد پیدا ہو جاتا ہے جس سے پتھر کی طرح سخت دل بھی موم کی طرح نرم ہو جاتے ہیں۔

طنز اور طعنوں سے بالکل دور رہیں

میں نے رپورٹوں کو سن کر یہ محسوس کیا ہے کہ ہمارے رفیق اپنی مخالف جماعتوں پر انھیں الفاظ میں چوٹیں کرتے ہیں جو مدتوں سے ہماری زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں۔ ہم اپنے مخالفین کا ذکر

کرتے ہوئے اسی طرح لذت لیتے ہیں جس طرح دوسری جماعتیں اپنے مخالفوں کو نیچا بتا کر لذت لیتی ہیں۔ بہت سے ایسے لوگ بھی ہم میں موجود ہیں جو عام مجلسوں میں چاہے احتیاط کرتے ہوں مگر تنہائی میں وہ بھی ایک حد تک دوسروں پر طعن وطنز سے مزا لیتے ہیں۔ اس قسم کی ریاکاری سے وہ روح کبھی بھی ترقی نہیں پاسکتی جس کا نام خلوص ہے اور خلوص کے بغیر دین کی دعوت کو دوسروں کے دل ودماغ میں اتارنا ناممکن ہے۔

اصل میں جب ہم سوچتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے جانا ہے وہ دوسروں کو نہیں معلوم ہے اور پھر یہ خیال کرتے ہیں کہ آخر اتنی عام سی بات دوسرے کیوں نہیں سمجھتے تو ہمارے اندر قائد اور معلم ہونے کی شان پیدا ہوجاتی ہے اور ہم دوسروں کو اسی طرح ملامت اور سزا کے لائق سمجھنے لگتے ہیں جس طرح ایک معلم اپنے شاگرد کو اس کی ہر غلطی پر سزا دینے کے لائق سمجھتا ہے۔ لیکن تعلیم پر غور کرنے والے ساتھیوں سے یہ بات چھپی نہ ہوگی کہ تعلیم کا یہ طریقہ سرے سے غلط ہے۔ اگر تعلیم کو دلوں میں اُتارنا ہے تو غصہ، طنز، پھبتی، سخت زبان اور کڑوی باتوں کے ہتھیار کھول ڈالیے۔ آپ کسی سے لڑنے نہیں جارہے ہیں۔ تعلیم و تبلیغ کی مہم سامنے ہے اور اس مہم کے لیے دل سوزی، ہم دردی اور بھائی چارے کا احساس ہی مفید ہوسکتا ہے۔ حضور ﷺ سے سوال کیا گیا کہ آپؐ پر سب سے زیادہ سخت دن کون سا گزرا ہے، فرمایا: طائف کا دن۔ اس دن دنیا کا سب سے بڑا انسان پتھروں کی باڑھ کا نشانہ بنتا ہوا ایک باغ کی ٹٹی کی پناہ لیتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ ان ظالموں کے حق میں بد دعا کریں تو وہ بد دعا کرنے کے بجائے طائف والوں کے لیے ہدایت کی دعا کرتا ہے۔ یہ اسپرٹ پیدا کیے بغیر اور کام تو شاید ہوسکتے ہیں لیکن حق کا کام نہیں ہوسکتا۔ لوگ اگر حق کے مزے سے واقف نہیں ہیں اور سچائی کی خوشبو سے محروم ہیں تو وہ غصے کے نہیں، ہم دردی کے لائق ہیں۔ بے شک ہم صحیح سمجھتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور جانتے ہیں کہ بہت سے لوگ حق کو پہچاننے کی سعادت سے محروم ہیں۔ مگر اس پر یہ کیسے جائز ہوگیا کہ ان سے بے رحمی اور غرور کا برتاؤ کیا جائے۔

ہرانے اور جیت جانے کی خواہشوں سے پاک ہوجائیں

ہماری کوشش تبلیغ کے دوران میں یہ ہونی چاہیے کہ لوگ یہ محسوس نہ کریں کہ انھیں گھسیٹ کر یا ہانک کر کسی طرف بلایا جارہا ہے، بلکہ یہ سمجھیں کہ وہ خود ایک حقیقت تک پہنچے ہیں۔ اصولی باتوں پر تمام مسلم جماعتیں متفق ہیں اور اگر نرمی، بردباری اور برادرانہ محبت سے کام لیا جائے تو آسانی سے ان تمام جماعتوں میں قربت پیدا کی جاسکتی ہے۔ یاد رہے کہ یہ کام مناظرہ بازی اور دماغی فتح کی خواہش کے ساتھ چل نہیں سکتا۔ یہی خواہش تو انسان کو عصبیت اور سختی پر تیار کرتی ہے۔

آپ لوگ اپنی تقریروں اور گفتگوؤں میں جیسے ہی اس خواہش کا اثر محسوس کریں، وہیں اپنے آپ کو روک لیں۔ اور اگر مخاطب کی طرف سے اس کا مظاہرہ ہو تو سلام کہہ کر آگے بڑھ جائیں۔ گفتگو کے دوران میں ہار جیت کا کبھی سوال ہی پیدا نہیں ہونا چاہیے۔ داعی کا مقام ایسی چیزوں سے بہت بلند ہے۔ اسے تو صرف حق کے چند بیج ذہنوں میں ڈالنے ہیں اور پھر دماغی کھیتوں کی رکھوالی کرنی ہے۔ کبھی یہ خیال بھی دل میں نہ آنے دیں کہ ہماری بات رہ جائے۔ یہی خیال رائج مناظروں کی روح ہے۔ اسی کی مشق ہم سالہا سال سے کرتے چلے آرہے ہیں۔ اب آپ کو پوری قوت کے ساتھ اس عادت کی جڑیں اکھاڑنی ہیں۔ اب ہمیں مناظروں میں جیتنے کے بجائے ہارنے اور بار بار ہارنے کی مشق لینی ہے۔ جہاں گفتگو سے خلوص کی روح رخصت ہونے لگے، وہیں زبان پر تالا چڑھالیں اور کچھ پروانہ کریں کہ اس پر تالی پٹ جائے گی۔ زبان کی ہر غلطی پر بے تکلفی سے سامنے والے سے معافی مانگ لیں اور اس سوچ سے اوپر اٹھ جائیں کہ آپ پر آوازے کسے جائیں گے۔ ان شکستوں کو اگر سہنے کی ہمت ہو تو آگے آئیں اور کام کریں ورنہ اگر مناظرانہ ہتھکنڈوں سے کسی کو آپ کھینچ کر لائے بھی، تو وہ جس راستے سے آیا ہے اسی راستے سے ایک دن واپس بھی ہوجائے گا۔

اصلاح و دعوت: نبیوں کا طریقہ

اگر اس معاملے میں آپ نبیوںؑ کے طریقے پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس کی چند خصوصیات ہیں۔ ان خصوصیات کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ دنیا کی موجودہ جماعتوں میں

سے ہماری جماعت نبیوں کے طریقے کی پیروی کا عزم لے کر اٹھی ہے۔ اس لیے ہمیں سیدھے وہیں سے روشنی حاصل کرنی ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ جب کبھی کوئی نبی آیا تو اس نے اپنی قوم کو یوں مخاطب نہیں کیا کہ "اے کافرو! ایمان لاؤ"، "اے گم راہو! سیدھی راہ پر آجاؤ۔" بلکہ محبت بھرے انداز میں "اے میری قوم، اے لوگو اور اے کتاب والو" کے الفاظ سے انھیں مخاطب کیا۔ حد یہ ہے کہ جو لوگ ان کے ساتھ ہوئے انھوں نے جب ایمانی کم زوریاں دکھائیں اور خبردار کرنے کی ضرورت پیش آئی تو انھیں بھی یوں نہیں مخاطب کیا کہ "اے منافقو! یا اے بد عہدو! اپنی روش کو بدلو۔" بلکہ انھیں "اے لوگو جو ایمان لائے ہو" کہہ کر پکارا۔ پھر جو لوگ ان داعیوں کا ساتھ دینے پر تیار ہوئے تو انھوں نے بھی اپنی گفتگو کے انداز کو برداشت، محبت اور نرمی کی حدوں سے آگے نہیں بڑھنے دیا۔

پھر آگے چل کر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ایک نیک اور نیکی پھیلانے والی جماعت اپنے قول و عمل سے حق کو سب کے سامنے لے آتی ہے اور حق کا چہرہ گرد و غبار سے صاف ہو کر لوگوں کو نظر آنے لگتا ہے۔ اس موقع پر حق کو کھلم کھلا دیکھنے کے باوجود لوگ ہٹ دھرمی، ضد یا جانب داری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور دلائل ختم ہو جانے کے بعد بھی انکار کی روش جاری رکھتے ہیں، تو پھر نبی کی گفتگو کا انداز بدل جاتا ہے۔ پھر وہ سرکشوں کو صاف الفاظ میں "اے کافرو" کہہ کر پکارتا ہے اور اپنی قوم سے الگ ہو جاتا ہے۔ مگر اس سے پہلے لمبی مدت تک وہ بہت نرمی سے ہی دعوت دیتا ہے۔ نبی نے اپنی قوم کے ساتھ یہ روش اس وقت اختیار کی جب دعوت واضح ہو چکی تھی۔ اور قوم کی اندھی مخالفت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ انھوں نے خود اپنے کفر کا اعلان کر دیا۔ اور نبی ﷺ کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ اعتراض کرنے والے اس پر یہ کہا کرتے ہیں کہ حقیقت میں جب تک محمد ﷺ اور ان کی جماعت کم زور تھی تب برداشت اور معافی کا معاملہ تھا مگر جب طاقت آنے لگی تو سختی پیدا ہونے لگی۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ نبی انسانوں کی کم زوریوں کا صحیح صحیح اندازہ کرتا ہے اور انھی کم زوریوں کے لحاظ سے وہ ان سے شفقت کا سلوک روا رکھتا ہے۔ اس کی یہ شفقت اتنی

زیادہ ہوتی ہے کہ شریر لوگ اس کی وجہ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ نبی یہ سب کچھ دیکھتا ہے مگر کسی کو پیچھے نہیں پھینکتا۔ وہ صرف عام انداز میں جماعت اور جماعت سے باہر کے لوگوں کو خبردار کرتا ہے، (لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں اور اللہ کے غضب سے نہیں ڈرتے) اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ دین کی سمجھ نہ ہونے کی وجہ سے غلطیاں کرتے ہیں وہ سنبھل جاتے ہیں۔ آخر میں جاکر صرف وہ لوگ رہ جاتے ہیں جو سو فیصد ہٹ دھرم ہونے کی وجہ سے جماعت کے نظم کو درہم برہم کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ جب ان کی طرف سے اصلاح کی ہر امید ختم ہوجاتی ہے تو پھر نبی کو اپنی محنتوں کے قیمتی پھل، یعنی اپنی نیک جماعت کو خطرے سے بچانے کے لیے سختی کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

سخت گیری کی گنجائش نہیں ہے

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں یہ فتنوں کا دور ہے۔ اس کو اپنی جن علمی روشنیوں پر ناز ہے وہ صرف دنیا کو تاریک کرنے میں مددگار ہوسکی ہیں۔ بلکہ انصاف یہ ہے کہ باطل کو حق اور حق کو باطل بناکر دکھانے کی کوشش میں تاریخ کا کوئی دور اس دور کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ پھر جب کہ حق کھل کر سامنے نہیں آیا ہے، تو دوسروں پر سختی کرنے کی گنجائش کہاں ہے؟ یہ وقت سختی کرو پر عمل کرنے کا نہیں ہے۔ ابھی تو محبت وشفقت کا ایک لمبا دور ہمیں طے کرنا ہے اور اس دور میں کسی کو پیچھے نہیں پھینکنا ہے۔ ہاں اگر اللہ ہماری محدود کوششوں کو قبول فرماکر ہمیں حق کو حق ثابت کرنے اور باطل کو باطل ثابت کرنے کے لیے کوئی نظم قائم کرنے کی توفیق دے دے اور خوش نصیبی کی وہ صبح طلوع ہوجائے، جس کی روشنی میں گم راہی سے الگ سیدھا راستہ صاف نظر آنے لگے، تو پھر یہ روشنی کھوٹے اور کھرے، اندھے اور دیکھنے والے، مومن اور منافق کو ایک دوسرے سے خود الگ الگ کردے گی۔

دینی سمجھ پیدا کریں

پچھلے عرصے میں ہمارے رفیقوں نے جہاں کہیں نبیوں کے دعوت کے طریقے کو چھوڑ

کر جلد بازی سے کام لیا ہے وہاں یہ غلط فہمی پھیل گئی ہے کہ ہم اللہ نہ کرے مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ یہ غلط فہمی نظر انداز کر دینے کے قابل نہیں ہے۔ اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ ہماری دعوت کی طرف سے کان بند کر لیں گے۔ ہمارا کہنا صرف یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ صحیح دینی سمجھ سے محروم ہو چکا ہے اور موجودہ طاغوت کے نظام نے ان کی اس جہالت کے بڑھانے میں پورا حصہ لیا ہے۔ اپنوں اور غیروں نے مل کر ان کو ایسے انجکشن دیے ہیں کہ ان کی سونگھنے کی قوت ختم ہوگئی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی سونگھنے کی قوت کو جگائیں۔ جب ان کی سونگھنے کی قوت جاگ جائے گی تو وہ خود اپنی موجودہ حالت سے بیزاری محسوس کرنے لگیں گے اور کفر و شرک اور نفاق کی ساری غلاظتوں سے انھیں خود ہی نفرت ہو جائے گی۔ اس مقصد کے لیے ہمیں جو کچھ کرنا ہے وہ صرف یہ ہے کہ جو باتیں کفر و شرک ہیں ہم ان کا کفر و شرک ہونا واضح کر دیں، بس اس قدر کافی ہے۔ کسی مسلمان کی روح، شرک کو محسوس کر لینے کے بعد اس سے دوستی نہیں رکھ سکتی۔ جس شخص میں صفائی اور طہارت کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے وہ خود اپنے دامن کی نجاستوں کو دھونے لگتا ہے۔ اسی طرح اگر ہم نے مسلمانوں میں دین کی صحیح سمجھ کو پیدا کر دیا تو وہ خود ہی ساری آلودگیوں سے پاک ہونے کی کوشش کریں گے۔

چھوٹے چھوٹے (جزوی) مسائل میں نہ الجھیں

اس دینی سمجھ کو عام کرنے کی کوشش میں یہ ضروری ہے کہ ہماری توجہ دین کے عام اصول پر جمی رہے، وہ جزوی (چھوٹے) مسائل میں نہ الجھے۔ دین کی بنیاد توحید، رسالت اور آخرت کے صحیح تصورات اور عقیدوں پر قائم ہے۔ یہ عقیدے اگر ذہنوں میں اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ واضح ہو جائیں تو دین کی صحیح سمجھ پیدا ہو جائے گی۔ اور اس کی وجہ سے چھوٹی چیزوں میں خود ہی اصلاح ہوتی چلی جائے گی اور ہمیں ان کے لیے کوئی خاص کوشش نہیں کرنی پڑے گی۔ جب کسی شخص میں صحیح مزاج پیدا ہو جاتا ہے تو پھر اس کے رہنے کی جگہ، لباس اور بدن کی ایک ایک گندگی پر توجہ دلانے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ اس کی زندگی کے ہر گوشے میں خود ہی نفاست اور ستھرائی دکھائی

دینے لگتی ہے۔

چھوٹی چیزوں (جزئیات) سے کیا مراد ہے؟

اب میں آپ کے اس سوال کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو آپ نے کیا ہے کہ کیا چھوٹی چیزوں سے میری مراد زور سے آمین کہنے کی قسم کے مسائل ہیں؟ نہیں، یہاں چھوٹی چیزوں سے میری مراد آمین زور سے کہنے اور نماز میں ہاتھ اٹھانے کی قسم کے مسائل نہیں ہیں۔ ان اجتہادی مسائل میں تو ہمیشہ ہمیں رواداری ہی کا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اس لیے کہ ان کے دونوں پہلوؤں کے لیے دین میں گنجائش ہے۔ میں یہاں ان چھوٹی چیزوں کو نظر انداز کرنے کا مشورہ دے رہا ہوں جن کے لیے دین میں کوئی گنجائش نہیں، لیکن دین کی خدمت کی مصلحت چاہتی ہے کہ اپنی دعوت کے اس مرحلے میں ہم ان سے بھی آنکھ بند کریں۔ اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم شاخوں کے تراشنے میں اپنا سارا وقت برباد کر دیں گے اور فتنوں کی جڑوں کی طرف توجہ کرنے کی نوبت ہی نہ آئے گی۔ ہمارا کام صحیح طور پر جبھی ہو سکتا ہے کہ توحید اور رسالت اور آخرت سے متعلق تمام باتیں اچھی طرح عوام کو سمجھا دی جائیں۔ یہ لمبا راستہ طے کر لینے کے بعد لوگ چھوٹے امور میں حق کے راستے کو پا سکتے ہیں۔ دھیرے دھیرے وہ خود محسوس کرنے لگیں گے کہ فلاں کام جو ہم کرتے ہیں وہ توحید کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا، فلاں رسم جو رائج ہے رسالت کے ساتھ جوڑ نہیں رکھتی اور فلاں عادت جو فروغ پائے ہوئے ہے آخرت کے ساتھ اس کا میل نہیں ہے۔ ان چھوٹی باتوں میں کسی گروہ کو سخت وسست کہنا یا کسی کا بائیکاٹ کرنا ہمارے کام کے لیے بہت نقصان دہ ہے۔ جہاں تک ہو سکے ان معاملات میں آنکھ بند کریں۔ اگر کوئی سنجیدہ آدمی اس سلسلے میں کچھ سننا گوارا کرے تو نرمی سے کہیے کہ بھائی یہ کیا چیزیں ہیں جو تم نے اختیار کر رکھی ہیں۔ پھر اگر وہ کچھ اثر لے تو بہتر ورنہ خاموش ہو جائیں۔ زور دے کر اصلاح ان چیزوں کی ہونی چاہیے جن سے اصل دین پر چوٹ پڑتی ہے۔

اصلاح کے کام کی ترتیب

اصلاح کے کام میں ترتیب یہ ہونی چاہیے کہ پہلے کسی بنیاد کے سب سے قریبی تقاضوں کو پیش کیا جائے، پھر ان سے دور والے، اور پھر ان سے بھی دور والے۔ جیسے توحید کے تقاضوں میں سے سب سے پہلے وہ چیزیں لینی چاہئیں جن پر عام طور پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ پھر آگے چل کر ان باریک باتوں کی وضاحت کریں جو توحید کے سب سے پہلے تقاضوں سے نکل کر آتی ہیں۔ پھر اور آگے چلیں اور توحید کے ان آخری تقاضوں کی طرف رہ نمائی کریں جن سے عوام کی توجہ تو بالکل ہی ہٹ چکی ہے اور علما بھی کسی نہ کسی حد تک ان کے عملی تقاضوں سے غافل ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے رفیق اِن مشوروں پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

جماعت اسلامی میں رکنیت کے امیدواروں میں جو چیز دیکھی جاتی ہے وہ نہ ملک ہے نہ قوم، نہ رنگ ہے، نہ نسل اور نہ زبان ہے، نہ کوئی دوسری ایسی چیز، بلکہ صرف یہ کہ ایمان واسلام سے تعلق کا کیا حال ہے۔ ان پر چلنے کا عزم اور ارادہ کس قدر ہے اور ان سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو کس حد تک نبھایا جارہا ہے۔

(میاں طفیل محمدؒ، قیم جماعت؛ روداد جماعت اسلامی، حصہ چہارم، ص ۳۷)

ہم نے شروع میں جماعت قائم کرتے وقت بھی کہہ دیا تھا اور اس کے بعد بھی بار بار کہتے رہے ہیں کہ ہمیں زیادہ تعداد دکھانے کے لیے ارکان کی فضول بھرتی نہیں کرنی ہے۔ ہمیں وہ موٹاپا مطلوب نہیں ہے جو جسم کو طاقت ور بنانے کے بجائے الٹا بھاری بنادے۔ ہمیں صرف ان لوگوں کی ضرورت ہے جنھیں سچ مچ کچھ کرنا ہے اور جو کسی باہری دباؤ سے نہیں بلکہ اپنے ایمان کے اندرونی تقاضے سے اللہ کے دین کو قائم کرنا چاہتے ہوں۔

دعوت کی راہ کے ضروری آداب

- جولوگ انبیاء کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں ان کے سینے میں گروہوں اور جماعتوں کی برتری کے بجائے انسانیت کی خدمت کا جذبہ امنڈ آتا ہے... ہمارا مقصد صرف حق کو واضح کر دینا ہے۔
- غرور اور گھمنڈ کے نتیجے میں داعی اپنی دعوت کی راہ میں خود روک بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس سے لوگ بدک جاتے ہیں اور اپنے کان بند کر لیتے ہیں۔
- اگر تعلیم کو دلوں میں اُتارنا ہے تو غصہ، طنز، پھبتی، سخت زبان اور کڑوی باتوں کے ہتھیار کھول ڈالیے۔ آپ کسی سے لڑنے نہیں جا رہے ہیں۔
- ہرانے اور جیت جانے کی خواہشوں سے پاک ہو جائیں
- داعی کو صرف حق کے چند بیج ذہنوں میں ڈالنے ہیں اور پھر دماغی کھیتوں کی رکھوالی کرنی ہے... جہاں گفتگو سے خلوص کی روح رخصت ہونے لگے، وہیں زبان پر تالا چڑھا لیں۔
- نبی انسانوں کی کم زوریوں کا صحیح صحیح اندازہ کرتا ہے اور انھی کم زوریوں کے لحاظ سے وہ ان سے شفقت کا سلوک روا رکھتا ہے۔
- یہ وقت سختی کرنے کا نہیں ہے۔ ابھی تو محبت و شفقت کا ایک لمبا دور ہمیں طے کرنا ہے۔
- کسی مسلمان کی روح شرک کو محسوس کر لینے کے بعد اس سے دوستی نہیں رکھ سکتی۔ اگر ہم نے مسلمانوں میں دین کی صحیح سمجھ کو پیدا کر دیا تو وہ خود ہی ساری آلودگیوں سے پاک ہونے کی کوشش کریں گے۔
- عقیدے اگر ذہنوں میں اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ واضح ہو جائیں تو دین کی صحیح سمجھ پیدا ہو جائے گی۔ اور اس کی وجہ سے چھوٹی چیزوں میں خود ہی اصلاح ہوتی چلی جائے گی۔
- اصلاح کے کام میں ترتیب یہ ہونی چاہیے کہ پہلے کسی بنیاد کے قریبی تقاضوں کو پیش کیا جائے، پھر ان سے دور والے، اور پھر ان سے بھی دور والے۔

تبلیغی پالیسی*

دعوت کا اصول جو زیادہ اہم وہ پہلے

سب سے پہلے تبلیغی پالیسی کے متعلق یہ سمجھ لیں کہ ہماری دعوت کا اصول "سب سے پہلے سب سے اہم" ہونا چاہیے۔ جو چیز جتنی زیادہ اہم ہے اس سے اتنا ہی پہلے سامنا ہونا چاہیے اور اس پر اتنا ہی زیادہ زور دینا چاہیے۔ اسی طرح جس چیز کی دینی اہمیت کم ہے اس پر بعد میں توجہ دینی چاہیے۔ اور جو چیز جس حیثیت کی ہے اسے اس سے زیادہ کبھی نہیں بڑھانا چاہیے۔

سب سے بنیادی اصول کی فکر کریں

دوسری بات یہ ذہن میں بٹھالیں کہ دین کے ہر چھوٹے چھوٹے حصے پر الگ الگ زور دینے کے بجائے سب سے بنیادی اصول کی فکر کرنی چاہیے جس کی اصلاح سے شاخوں کی اصلاح خود ہی ایک فطری نتیجے کے طور پر ہو جاتی ہے۔ فرض کریں کہ کسی مکان میں آگ لگی ہوئی ہے اور جگہ جگہ سے کڑیاں اور تختے جل جل کر گر رہے ہیں۔ ایسے موقع پر ایک ایک کڑی کو گرنے سے روکنے کے لیے الگ الگ تدبیریں نہیں اختیار کی جائیں گی، بلکہ سیدھے ایک ہی تدبیر سے آگ بجھانے کی فکر کی جائے گی۔ یا جیسے اگر کسی شخص کا خون خراب ہو اور اس کے بدن پر جگہ جگہ پھوڑے پھنسیاں نکل رہے ہوں، تو ایک ایک پھوڑے پر نشتر چلانے اور ایک ایک ناسور پر پھاہا رکھنے کی جگہ خون صاف کرنے کی تدبیر کی جائے گی۔ اسی اصول پر ہمارے داعیوں اور مبلغوں کو مقامی حالات پر غور کر کے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ ہماری الگ الگ چیزوں میں گم راہیوں کی اصل وجہ ہے کیا؟ اور

---

* امیر جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی اختتامی تقریر

پھر ہر کوشش اسی اصل وجہ کو دور کرنے کے لیے کی جانی چاہیے۔ اس کام کے دوران میں خرابی کی شاخوں کی زیادتی سے ذرا بھی نہ گھبرانا چاہیے۔ اسی طرح جن اچھائیوں کو بڑھانا ہے ان کی جڑ کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور پھر اس کی سینچائی میں پوری محنت لگانی چاہیے۔ یہ جڑ اگر قائم ہوگئی تو پتے اور پھل پھول خود ہی نکلتے جائیں گے۔

جماعت کا پورا لٹریچر اسی اصول پر لکھا گیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس میں بنیادی کاموں کو مضبوطی دینے کے لیے پوری قوت کے ساتھ دلیلیں دی گئی ہیں، مگر چھوٹے چھوٹے حصوں کو عام طور سے چھوڑ دیا گیا ہے۔ شاخوں کی کٹائی چھنٹائی کے بجائے جڑ اور تنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ آپ لوگ مسلمانوں کی زندگی کے محل کے مٹتے ہوئے نقش و نگار کی طرف زیادہ متوجہ نہ ہوں بلکہ اس کی بنیادوں کی فکر کریں، ورنہ دیواروں کی خوب صورتی تو ترقی کر جائے گی مگر ایک دن آپ پوری عمارت کو کھنڈر بنتا ہوا دیکھنے پر مجبور ہوں گے۔

ہماری زبانوں پر جب کبھی اصلاح کا نام آتا ہے تو ذہن فوراً ہی چھوٹی برائیوں کی طرف پھر جاتا ہے، اور پھر اصلاح کا ہر نشتر اسی پرانے مزاج کے مطابق چلایا جاتا ہے۔ آپ لوگ اب اس مزاج کو بالکل بدل ڈالیے۔ بار بار کے تجربے سے معلوم ہو چکا ہے کہ چھوٹی برائیوں پر حملہ کرنے سے ہم اپنے مقصد میں کام یاب نہیں ہو سکتے۔ یہ راستہ مباحثے اور مناظرے کی وادیوں میں سے ہو کر گزرتا ہے اور اس طریقے پر کام کرنے سے بلاوجہ جذبات بھڑک جاتے ہیں۔ طرح طرح کے چبھنے والے القاب مثلاً وہابی اور بدعتی وغیرہ زبانوں پر آنے لگتے ہیں، یہاں تک کہ سر پھٹول تک کے واقعات پیش آتے ہیں۔ تبلیغ کے اس طریقے کو دہرانے سے بالکل پرہیز کریں۔

اگر آپ لوگ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ تمام خرابیاں یا تو توحید کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں یا رسالت کو نہ جاننے سے، یا آخرت کی ناواقفیت سے۔ اس کے علاوہ کچھ خرابیاں ایسی ہیں جو دین کے اصول اور شاخوں کی صحیح ترتیب کو الٹ دینے سے سامنے آئی ہیں۔ خود بگاڑ کے یہ اسباب بھی اپنا ایک سبب رکھتے ہیں اور وہ ہے قرآن و سنت سے بے تعلقی۔ یہ سبب جاہلوں ہی میں نہیں پایا

جاتا بلکہ بہت سے علما تک کتاب وسنت سے سیدھی گہری واقفیت نہیں رکھتے۔ اب ہمیں ان حالات کو بدلنا ہے تو اصلاح کا کام بنیاد سے شروع کر کے اوپر کی طرف لے جانا چاہیے۔ جب تک بنیادی عقیدوں کی اصلاح نہیں ہوجاتی لوگوں کی چھوٹی گم راہیوں کو صبر سے گوارا کرنا پڑے گا۔ میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شاخوں کے معاملے میں لوگوں کو کھلا چھوڑ دیا گیا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ پہلے قدم پر چھوٹی باتوں پر بہت زیادہ زور ہر گز نہ دیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو شرارت اور کمینگی کی بنا پر خرابیوں کی حمایت کریں گے۔ عوام بے چارے تو صرف جہالت کی وجہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ بہت لمبی مدت کی غلط تعلیم وتربیت سے ان کے ذہن میں یہ بات اتر گئی ہے کہ جن طور طریقوں کو وہ اختیار کیے ہوئے ہیں انھیں کا نام دین ہے۔ ان بے چاروں کی اصلاح صرف اسی طرح ہوسکتی ہے کہ صبر و برداشت سے دھیرے دھیرے توحید، نبوت اور آخرت کے اسلامی تصورات کو ان کے دلوں میں بٹھایا جائے، ان کے عقائد کی اصلاح میں اگر ہم کام یاب ہوجائیں تو کوئی مخالف "وہابی، وہابی" پکار کر بھیڑ جمع نہ کر سکے گا۔ بلکہ خود میدان چھوڑنے پر مجبور ہوجائے گا۔

اللہ کے رسول ﷺ کے ذریعہ عرب میں جو تبدیلی آئی اس پر اگر آپ غور کریں تو اس دعوے کی سچائی اچھی طرح واضح ہوجائے گی۔ حضور ﷺ کی دعوت سے منہ موڑنے والوں میں بالکل چھوٹا سا گروہ ایسا تھا جو ذاتی فائدوں کی خاطر مخالفت کر رہا تھا، باقی سب لوگ دھوکہ کھائے ہوئے تھے۔ پھر جب تحریک پھیل نکلی اور حق کھل کر سامنے آگیا تو ان لوگوں کے لیے انکار کے راستے بند ہوگئے جو غرض سے خالی اور حق کو پسند کرنے والے تھے۔ ملک کی عام آبادی نے سچائی کے آگے ہتھیار ڈال دیے اور آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ اپنی غرض کے لیے لڑ رہے تھے، انھوں نے دیکھا کہ میدان میں ہم تنہا رہ گئے ہیں اس لیے وہ سر جھکا دینے پر مجبور ہوگئے، آج بھی حق کی دعوت اسی راستہ سے کام یاب ہوسکتی ہے۔ اگر آپ حقیقت کو لوگوں کے سامنے صاف صاف لے آئیں گے، تو ان میں سے جو لوگ نیت کے اچھے ہیں، مگر دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں ان کو سمجھ

آجائے گی۔ اور وہ اپنے اپنے لیڈروں کو تنہا چھوڑ کر آپ کے ساتھ آملیں گے۔ پھر جو لوگ ذاتی غرض کی بنا پر راستے کی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں وہ بھی اتنے بے بس ہو جائیں گے کہ ہماری چلتی ہوئی گاڑی ان کے روکے نہ رک سکے گی۔

یہ پروگرام اگر اختیار کرنا ہو تو پھر زور سے آمین کہنے اور تیجے اور قل کے جھگڑے کو ختم کریں۔ غور تو کریں، کیا رسول اللہ ﷺ ایسی ہی خرابیوں کی اصلاح کے لیے آئے تھے؟ کیا اسلام کا مقصد بس اتنا ہی کچھ ہے؟ کیا قرآن کی تعلیمات انسان سے اتنا ہی کچھ مطالبہ کرتی ہیں؟ اگر نہیں تو پھر آپ کی پوری توجہ اُن اہم چیزوں کی طرف کیوں نہیں مڑتی ہے، جن کے لیے ہر دور میں پیغمبر مخالفوں کے ظلم کا نشانہ بنتے رہے؟ یہ چھوٹی چیزیں جن کی اہمیت بہت بڑھادی گئی ہے دین کو قائم کرنے کے بڑے کام میں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ فکر تو اس کی کریں کہ لوگ اللہ کے دین کو خوشی اور خواہش سے تسلیم کریں اور نبی ﷺ کی سنت پر چلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ یہ چیز پیدا ہو گئی تو پھر جس کو جو چیز قرآن و سنت سے ثابت ہوتی نظر آئے گی وہ اسے اختیار کرلے گا۔ اور جس کا ثبوت قرآن و سنت سے نہ ملے گا اسے چھوڑ دے گا۔ زور تو اسی ایک بنیادی اصلاح پر دینا چاہیے۔ جڑوں سے شاخوں کی طرف لے چلنے کی جو ترتیب نبی ﷺ کے نمونے میں پائی جاتی ہے اسے اگر چھوڑ کر صرف حدیث کی کتابوں کی پیروی شروع کر دی جائے تو یہ حدیث کی کتابوں کی پیروی تو ہو گی، نبی ﷺ کے نمونے پر عمل نہ ہو گا۔

اسلام کے زمانے سے پہلے کے عرب میں اس سے کم خرابیاں نہیں تھیں جتنی آج ہمارے دور میں پائی جاتی ہیں۔ پھر کیا ایک ہی وقت میں سب پر چوٹ لگائی گئی تھی؟ کیا اصلاح کی وادی کو ایک ہی چھلانگ میں طے کر ڈالا گیا؟ نہیں، بلکہ اصلاح کی بنیادیں قائم کی گئیں، پھر بنیادی اخلاقیات کی تعلیم دی گئی، پھر زندگی کے دامن سے ایک ایک داغ کو دھونے کا سلسلہ ترتیب سے کئی برس تک جاری رہا۔ اگر آپ لوگ نبی ﷺ کی پیروی کرنا چاہتے ہیں تو پہلے نبی ﷺ کے طریقے کو خوب سمجھ لیں، پھر آگے قدم بڑھائیے۔

کام کی رپورٹنگ بڑھا چڑھا کر نہ کریں

میں نے محسوس کیا ہے کہ ہمارے رفیقوں میں کام کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کا جذبہ بھی

کبھی کبھی پیدا ہوجاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس جذبے کو ختم کردیا جائے۔ نہ صرف یہ کہ اپنی کارگزاری بتانے میں ایسا نہ کیا جائے بلکہ اپنی جگہ اپنے کام کو تسلی بخش بھی نہ سمجھا جائے۔ بہتر سے بہتر طریقے پر کام کرلینے کے بعد بھی مطمئن نہ ہوجائیں۔ اور اس کے اچھے پہلوؤں کو کافی سمجھ لینے کے بجائے اس کے کم زور پہلوؤں کو دیکھ دیکھ کر بے چین رہیں۔ جو کام صحیح ہوا ہو اس پر اللہ کا شکر ادا کریں، اور جو کمی رہ گئی ہو اسے دور کرنے کی توفیق بھی اس سے مانگیں۔

ہمیں دوسری جماعتوں کا حریف نہیں بننا ہے

مجھے شبہ ہے کہ دوسری جماعتوں کے لوگوں میں کام کرتے وقت آپ پر مناظرے کی روح چھاجاتی ہے۔ اور اپنے اوپر ناز کرنے اور خود کو بڑا سمجھنے کی شکل پیدا ہوجاتی ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو بہت اچھا ہے اور اگر حقیقت میں یہ شبہ صحیح ہے تو ان بلاؤں سے نجات حاصل کریں۔

اس سلسلے میں اپنے عمل اور اپنی گفتگو کے انداز سے دوسری جماعتوں پر یہ واضح کردیں کہ ہم کسی سے جماعتی کش مکش نہیں کرنا چاہتے۔ ہماری غرض خرابی کی بنیادوں کو مٹانا ہے اور تمام انسان ہمارے مخاطب ہیں۔ جو بھی حق سے ہٹا ہوا ہے ہم بس اس کی غلطی کو صاف بتادیں گے اس کے بعد ہمارا خاص طور پر اس کے خلاف کوئی معرکہ نہ ہوگا۔ کسی جماعت کو کم از کم آپ کے عمل کی وجہ سے اس بدگمانی کا موقع نہ ملنا چاہیے کہ آپ اس کے مقابلے میں اٹھے ہیں۔ ہمیں تو صرف کفر و جاہلیت کے نظام کا حریف بن کر رہنا ہے۔ اسی سے مقابلہ کرنا ہے اور اس کے ساتھ جس کا تعلق جتنے درجے کا ہوگا اسی حساب سے ہماری اس دشمنی میں بھی شدت ہوگی۔

عام جلسوں میں شرکت کے بارے میں

بعض ساتھیوں کی طرف سے پوچھا گیا ہے کہ آیا ہم ان جلسوں اور تقریبوں میں شریک ہوکر تقریر کرسکتے ہیں جو عام انجمنوں کی طرف سے ہوا کرتی ہیں؟ اس میں شک نہیں کہ ہمیں اس ذریعے سے اپنے خیالات کو پھیلانے کے موقعے ملتے ہیں، مگر میں نے دیکھا ہے کہ یہ طریقہ مفید نہیں ہے۔ ایک اسٹیج پر جب قسم قسم کی بولیاں بولی جاتی ہیں اور انھی کے دوران میں ہماری دعوت

بھی پیش کی جاتی ہے تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ان بولیوں میں سے ایک بولی ہے جو ہمیں خوش کرنے کے لیے سنائی جاتی ہے، یا یہ جلسہ ایک دماغی دسترخوان ہے جس پر جہاں اور طرح طرح کے مربے اور اچار رکھے ہیں وہاں ایک نئی قسم کا یہ اچار بھی رکھ دیا گیا ہے۔ انجمنوں کے اس شور اور ہنگامے میں اگر مان لیں کہ آپ نے بہت اچھی طرح سے اپنا پیغام پیش کر دیا تب بھی نتیجہ اس سے زیادہ کچھ نہ ہوگا کہ لوگ داد دیتے ہوئے یہ کہہ دیں کہ فلاں صاحب خوب بولے۔ ہماری قوم کا حال آج کل اس بگڑے ہوئے رئیس کا سا ہو گیا ہے، جس کے آس پاس بہت سے خوشامدی مصاحب لگے ہوئے ہوں اور اسے خوش کرنے میں مصروف ہوں۔ ان خوشامدیوں کے گروہ میں شامل ہو کر آپ دین کی حکمتوں اور زندگی کی حقیقتوں کو چاہے کتنی ہی سنجیدگی سے پیش کریں، یہ رئیسوں کا مزاج رکھنے والی قوم آپ کی باتیں انھی کانوں سے سنے گی جن سے وہ دوسرے مصاحبوں کی باتیں سنتی ہے۔ اس لیے میں جماعت کے مقررین کو مشورہ دیتا ہوں کہ پہلے اپنی امتیازی حیثیت کو خوب مضبوط کر لیں اور بالکل الگ طریقے پر اپنے نظریات پیش کرتے رہیں۔ البتہ اگر ایسا ہو کہ مارکیٹ میں جو اچھی تقریر کرنے والے ہیں اور خوب مقبول ہیں ان کے اندر آپ اپنا نغمہ بھر سکیں تو یہ صورت مفید ثابت ہوگی۔ مختلف لیڈروں اور مقرروں پر آپ اپنا اثر اس حد تک پھیلا دیں کہ ان کی تقریروں میں نہ چاہتے ہوئے بھی آپ ہی کے خیالات آنے لگیں۔ جب وہ کچھ عرصے تک صرف زبانی ہمارے نظریات کو بیان کرتے رہیں گے تو ہو سکتا ہے کہ ایک روز انھیں اپنے ضمیر کی آواز اور رائے عامہ کے دباؤ سے اپنی عملی روش کو بھی بدلنا پڑے گا۔ یہ اسکیم اگر خوب بڑے پیمانے پر عمل میں لائی جائے تو آخر کار اجرت پر تقریر کرنے والے مقررین، جنھوں نے پوری قوم کا مزاج بگاڑ رکھا ہے، اسٹیج سے ہٹا دیے جائیں گے اور کام کے آدمیوں کو پبلک خود سامنے لے آئے گی۔

مدارس مقصد حاصل کرنے کا ذریعہ بنیں

یہ معلوم کر کے مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آپ لوگ جگہ جگہ اپنے نظریات کو پھیلانے کے لیے مدارس قائم کرنے کی فکر میں ہیں۔ بلکہ بعض مقامات پر تو کام شروع ہو گیا ہے۔ مگر اس سلسلے

میں یہ احتیاط ضرور کریں کہ ایک مدرسے کو چلانا اپنے آپ میں مقصد بن کر نہ رہ جائے۔ ہمیں تعلیم کو مقصد حاصل کرنے کے ذریعے کی حیثیت سے استعمال کرنا ہے۔ جہاں محسوس ہو کہ آپ کا مدرسہ مقصد کی جگہ لے رہا ہے یا مقصد میں رکاوٹ بن رہا ہے تو ایسے مدرسے کو ڈھا دیں اور اس کے کھنڈروں کو روندتے ہوئے اپنی منزل کی طرف آگے بڑھیے۔ اس کے لیے مقصد کو ہمیشہ نگاہوں کے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر آپ دیکھتے ہیں کہ ایک قوم نے جو کارخانے خود جنگی مقصد کے لیے کروڑوں روپے کے خرچ سے بنائے ہوتے ہیں انھیں جب وہ اصل مقصد کی راہ میں رکاوٹ بنتے دیکھتی ہے تو خود اپنے ہاتھوں سے انھیں تباہ کر دیتی ہے۔ اسی جنگ میں روس نے اپنے بے شمار صنعتی مراکز کو اور فرانس نے اپنے ہی جنگی بیڑے کو تباہ کر دیا۔ میں اس لیے یہ توجہ

تبلیغی پالیسی

- جو چیز جتنی زیادہ اہم ہے اس سے اتنا ہی پہلے سامنا ہونا چاہیے اور اس پر اتنا ہی زیادہ زور دینا چاہیے۔
- دین کے ہر چھوٹے چھوٹے حصے پر الگ الگ زور دینے کے بجائے سب سے بنیادی اصول کی فکر کرنی چاہیے۔
- کام کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کے جذبہ نہ ہو، اور اپنی جگہ اپنے کام کو تسلی بخش بھی نہ سمجھا جائے۔
- اپنے عمل اور اپنی گفتگو کے انداز سے دوسری جماعتوں پر یہ واضح کر دیں کہ ہم کسی سے جماعتی کش مکش نہیں کرنا چاہتے۔ ہماری غرض خرابی کی بنیادوں کو مٹانا ہے اور تمام انسان ہمارے مخاطب ہیں۔
- اپنی امتیازی حیثیت کو خوب مضبوط کر لیں اور بالکل الگ طریقے پر اپنے نظریات پیش کرتے رہیں۔ مختلف لیڈروں اور مقرروں پر آپ اپنا اثر اس حد تک پھیلا دیں کہ ان کی تقریروں میں نہ چاہتے ہوئے بھی آپ ہی کے خیالات آنے لگیں۔
- مدرسے کو چلانا اپنے آپ میں مقصد بن کر نہ رہ جائے۔ تعلیم مقصد حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

دلا رہا ہوں کہ پہلے بھی ہمارے تعلیمی کام کرنے والے بہت سے بزرگوں سے یہی غلطی ہو چکی ہے۔ انھوں نے مدرسے چلانے کو ذریعے کے بجائے مقصد کی حیثیت دے دی۔ آپ لوگ اس سلسلے میں بہت احتیاط سے کام لیں۔

مقامی جماعت کو مضبوط کیسے کریں؟

اب رہا مقامی کام اور تنظیم کو مضبوط بنانے کا سوال۔ اس کے لیے میں چند موٹی موٹی باتوں کا ذکر کروں گا۔

مالی ایثار کا جذبہ ابھاریں

سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اپنے اپنے حلقے کے ارکان میں مالی ایثار کے جذبہ کو ابھاریے۔ اب تک دوسرے مختلف جذبات تو اپنے حصے سے کچھ زیادہ ہی ابھرے ہیں، مگر مالی ایثار کے جذبے کا حصہ بہت ہی کم ہے۔ ہاں اس میں اس کا خیال ضرور رہے کہ اس جذبے کی بنیاد اخلاقی ذمے داری کے احساس پر ہونی چاہیے، ضابطوں سے یہ خوبی پیدا کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ ہر شخص کو یہ سوچنا چاہیے کہ جب وہ مسلمان ہوا ہے تو اس کے مال کو بھی مسلمان ہونا چاہیے۔ جسم اور جان مسلمان ہو جائیں اور مال مسلمان نہ ہو تو اسلام کا تقاضا پورا نہیں ہوتا ہے۔ اپنے ساتھ اپنے مال کو بھی اسلام میں لائیے اور اس کی شکل یہی ہے کہ اپنے کم زور بھائیوں کی مدد اور اپنے بیت المال کی مضبوطی میں اسے خرچ کریں۔ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جانے کا مطلب یہی ہے۔ پھر قربانی کا جذبہ اللہ کی راہ میں خرچ کیے جانے والے مال کی مقدار سے نہیں ناپا جاتا ہے، بلکہ ان تکلیف دہ حالات سے ناپا جاتا ہے جن کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک شخص خرچ کرتا ہے۔ اس لحاظ سے کبھی کبھی ایک پیسہ ایک ہزار روپیہ سے زیادہ وزنی ہوتا ہے۔ اللہ کے ہاں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ دیا کتنا بلکہ یہ کہ کن مشکلات کے ہوتے ہوئے دیا۔

ہفتہ واری اجتماع کی سختی سے پابندی ہو

دوسری چیز جسے پوری پابندی سے ہونا چاہیے ہفتہ وار اجتماع ہے۔ مختلف مقامات پر جماعتی

نظام کے مرجانے کی وجہ یہی تھی کہ افراد کو جمع رکھنے اور جماعت کے ساتھ ان کی عملی دل چسپی کو زندہ رکھنے والے اس رشتے کی اہمیت کو بھلا دیا گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس معاملے میں آئندہ نرمی سے کام نہ لیا جائے۔ ہر جگہ کے تمام مقامی ارکان کو ہفتہ وار اجتماع کی شرکت کا ضرور پابند ہونا چاہیے۔ جو رکن کسی وجہ سے شرکت نہ کر سکے وہ اپنی غیر حاضری کے لیے معقول وجہ اپنے امیر کے سامنے پیش کرے۔ اگر کسی کی طرف سے غلط وجہ پیش ہوگی تو آخر حقیقت کھل ہی جائے گی۔ نیز جو رکن بلاوجہ یا غیر اہم وجہ کی بنا پر مسلسل چار ہفتہ وار اجتماعات میں شریک نہ ہو، یا ایک لمبی مدت تک بیچ بیچ میں اکثر ناغہ کرتا رہے تو اس کے بارے میں سمجھ لیا جائے کہ وہ جماعت کے نظم کی پابندیوں کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

ہفتہ وار مقامی اجتماع کے علاوہ جہاں ایک ضلع میں یا قریب کے اضلاع میں کئی ارکان موجود ہوں وہاں آپس کے مشورے سے وقت اور مقام طے کر کے ہر دوسرے تیسرے مہینے اجتماعات ہوتے رہنے چاہئیں۔ خاص طور پر جن علاقوں کے زیادہ تر ارکان مختلف دیہات اور شہروں میں اکیلے اکیلے ہوں، وہاں تو اس طرح کے سہ ماہی یا دوماہی اجتماع بہت ضروری ہیں۔ اس کے بغیر یہ بکھرے ہوئے ارکان آخر کار ضائع ہو جائیں گے۔

مرکز سے رشتہ جوڑ کر رکھیں

اپنے آپ کو مرکز سے جوڑے رکھنے میں غفلت نہ برتیں، اس جوڑ کی مختلف صورتیں ہیں۔ جیسے ایک صورت یہ ہے کہ خطوط کے ذریعے سے ہر پہلو سے مقامی حالات اور کام کی رفتار کے متعلق بتاتے رہیں۔ بس اتنا کافی ہے کہ ہر دوسرے تیسرے مہینے کام کی رپورٹ مرکز پہنچتی رہے۔ یعنی جماعت کس حال میں ہے، کہیں سستی کا دور دورہ تو شروع نہیں ہو گیا، کہیں کام کی مشینری میں کوئی کمی تو نہیں پیدا ہو گئی، کہیں اندر یا باہر کوئی فتنہ تو نہیں اٹھ کھڑا ہوا۔ ایسے حالات میں حالات کی اصلاح کے لیے مرکز ہر ضروری مدد دے گا۔

لٹریچر پڑھنے والے تیار کریں

کپورتھلہ کی جماعت تعلیم بالغان (بڑے لوگوں کی تعلیم) کی جس اسکیم پر عمل کر رہی ہے وہ مجھے بہت پسند آئی ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ یہ کام ہر جگہ شروع ہو جانا چاہیے۔ اس سے ایک تو اللہ کی راہ میں باقاعدہ طور پر وقت کی قربانی دینے کی عادت پڑ جائے گی، دوسرے عوام سے آپ کا ڈائریکٹ رابطہ بڑھے گا۔ اور آپ کو ان سے ڈائریکٹ گفتگو کے موقعے ملیں گے۔ نیز آپ تعلیم کو پھیلا کر اپنے لٹریچر کو پھیلانے اور پیغام کو فروغ دینے کے لیے بہت بڑا میدان تیار کر لیں گے۔ نہ صرف یہ بلکہ جو لوگ بھی آپ کی اس بلا معاوضہ خدمت سے فائدہ اٹھائیں گے وہ آپ کے اخلاق سے اتنے متاثر ہو جائیں گے کہ نہایت آسانی سے آپ کی بات ان کے دلوں میں اتر جائے گی۔ اس کام کی اہمیت کا اندازہ آپ صرف اس بات سے کر سکتے ہیں کہ ہماری تحریک کے پھیلنے میں سب

مقامی جماعت کو مضبوط کیسے کریں؟

- ❑ اپنے کم زور بھائیوں کی مدد اور اپنے بیت المال کی مضبوطی میں مال خرچ کریں۔ قربانی کا جذبہ اللہ کی راہ میں خرچ کیے جانے والے مال کی مقدار سے نہیں ناپا جاتا ہے، بلکہ ان تکلیف دہ حالات سے ناپا جاتا ہے جن کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک شخص خرچ کرتا ہے۔
- ❑ ہر جگہ کے تمام مقامی ارکان کو ہفتہ وار اجتماع کی شرکت کا ضرور پابند ہونا چاہیے۔ جو رکن کسی وجہ سے شرکت نہ کر سکے وہ اپنی غیر حاضری کے لیے معقول وجہ پیش کرے۔
- ❑ اپنے آپ کو مرکز سے جوڑے رکھنے میں غفلت نہ برتیں۔
- ❑ تعلیم بالغان (بڑے لوگوں کی تعلیم) کا کام ہر جگہ شروع ہو جانا چاہیے۔ اس سے آپ کا ڈائریکٹ رابطہ بڑھے گا اور تعلیم کو پھیلا کر اپنے لٹریچر کو پھیلانے اور پیغام کو فروغ دینے کے لیے آپ بہت بڑا میدان تیار کر لیں گے۔

سے بڑی رکاوٹ اس ملک کے عوام کی جہالت ہے۔ دوسرے ممالک میں تعلیم کے عام ہونے کی وجہ سے یہ حال ہے کہ ایک کتاب ادھر پریس سے نکلی اور ادھر بسا اوقات ایک ہفتے میں پچاس لاکھ آدمیوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔ اس سے اندازہ کریں کہ تعلیم کی وجہ سے خیالات کے پھیلنے میں تیزی کتنی پیدا ہو جاتی ہے۔ جب کہ ہمیں اپنے نظریات کو لوگوں تک پہنچانے میں بہت دیر لگتی ہے۔ اور برسوں کی کوششوں کے باوجود آبادی کے ایک بہت ہی تھوڑے حصے کو خیالات سے متاثر کیا جاسکتا ہے۔ اس رکاوٹ کو دور کرنے میں جہاں تک ممکن ہو ہمیں کوششیں لگانی چاہئیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہر آدمی یہی کام کرے، نہیں، صرف وہ رفیق اس نازک کام کا بار اٹھائیں جو بڑوں کو تعلیم دینے کے لیے ضروری صلاحیتیں رکھتے ہوں۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ نے اس سلسلے میں جو لٹریچر شائع کیا ہے اس سے فائدہ اٹھائیے اور جہاں کہیں بھی اس میں زہر کا اثر پایا جاتا ہو، اس سے بچتے ہوئے کام لیں۔ خصوصیت کے ساتھ بڑوں کی تعلیم کا فن ان کے لٹریچر سے سیکھنے کی کوشش کریں۔ پھر جیسے جیسے آپ اس میدان میں کام کرتے جائیں گے، آپ کے تجربات سے آپ کی صلاحیتیں چمکتی جائیں گی اور کام کی رفتار بڑھتی جائے گی۔ اللہ کرے کہ آپ اپنے نیک مقاصد میں کام یاب ہوں۔

آپ کا رویہ حد درجہ شرافت اور اخلاق والا ہو اور آپ نیکی پسند انسانوں کی طرح سیدھے سیدھے اپنا کام کرتے چلے جائیں۔ جب ایک طرف آپ کی روش یہ ہوگی اور دوسری طرف ان کا مخالفت کا رویہ اخلاق اور شرافت سے دور ہوتا چلا جائے گا تو آپ دیکھیں گے کہ پبلک کا ضمیر ان کی حرکتوں سے خود ہی بیزار ہونے لگے گا اور لوگ ان سے کٹ کر آپ کی طرف آئیں گے۔ لیکن اگر آپ نے بھڑکاؤ میں آکر ان کے جواب میں لڑائی شروع کر دی، تو جیسے وہ ہیں ویسے ہی آپ ہو کر رہیں گے اور اس لڑائی میں ان کی طرح آپ بھی کھوئے جائیں گے۔

اعلیٰ روایات*

امیر اور جماعت ایک دوسرے کی طاقت بنیں

میں آپ لوگوں کا بہت شکر گزار ہوں کہ آپ میری طرف سے دعوت کی ایک ہی آواز سن کر ہندوستان کے مختلف گوشوں سے موجودہ زمانے کے مشکل سفر کی تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے یہاں جمع ہوگئے۔ اس طرح میری آواز پر لبیک کہہ کر آپ نے میری طاقت بڑھادی اور اپنی طاقت بھی بڑھادی۔ ایسا نہ کرتے تو میں اپنی جگہ کم زور ہوجاتا اور آپ اپنی جگہ۔ اور نتیجہ یہ ہوتا کہ ہماری یہ تحریک جو ایک بہت بڑا عزم لے کر اٹھی ہے، خود ہی ٹھٹھر کر رہ جاتی۔ آپ جب کسی شخص کو کسی عظیم مقصد کے لیے خود اپنا امیر بناتے ہیں تو اس کی اطاعت کر کے اپنی ہی طاقت کو مضبوط کرتے ہیں۔ جتنی زیادہ آپ کے اندر اپنی فکر اور اپنی غرض حاوی ہوگی اور حکم ماننے میں آپ جتنے پیچھے رہیں گے، اتنا ہی آپ کا اپنا بنایا ہوا امیر کم زور ہوگا اور اسی قدر اس کی کم زوری کی وجہ سے آپ کی جماعتی طاقت کم زور ہوگی۔ اور جتنی زیادہ آپ کے دل و دماغ پر اپنے مقصد کی دھن سوار ہوگی، اور اس عشق میں جتنا زیادہ آپ اپنی خودی کو فنا کریں گے اور جتنا زیادہ اپنے مقصد کی خاطر حکم مانیں گے، اتنا ہی زیادہ آپ کا مرکز مضبوط ہوگا اور آپ کی جماعتی طاقت زبردست ہوگی۔ میں یہ دیکھ کر اکثر اپنی جگہ خوش ہوتا ہوں کہ ہماری اس جماعت میں شخصیت پرستی اور ذہنی غلامی موجود نہیں ہے، بلکہ ہر شخص کے اندر اچھی خاصی تنقیدی نظر موجود ہے۔ اور سب سے بڑھ کر آپ کی

---

* جمادی الاولیٰ ۱۳۶۴ھ (اپریل ۱۹۴۵ء)، پٹھان کوٹ میں پہلے کل ہند اجتماع کے موقع پر امیر جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی افتتاحی تقریر

تنقیدی نگاہیں خود میرے اوپر پڑتی ہیں، لیکن یہ خیال رکھیے کہ جتنی کڑی تنقیدی نگاہ آپ مجھ پر ڈالتے ہیں اور آپ کا فرض ہے کہ آپ ایسا کریں، اتنی ہی کڑی تنقیدی نگاہ میں آپ پر ڈالتا ہوں اور میرا بھی یہ فرض ہے کہ ایسا کروں۔ آپ سے حکم کی تعمیل اور ضابطے کی پابندی اور رضاکارانہ خدمت میں جتنی کم زوری ظاہر ہوتی ہے اتنا ہی میں اپنے آپ کو بے بس پاتا ہوں اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں ایسی بندوقوں سے کام لے رہا ہوں جو لبلبی دبانے پر بھی فائر نہیں کرتیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے ہتھیاروں کو لے کر کون ایسا نادان ہوگا جو کسی بڑے اقدام کا ارادہ کر بیٹھے۔ لیکن جب میں آپ کے اندر اطاعت اور رضاکارانہ جذبہ اور ضابطوں کی پابندی پاتا ہوں اور یہ دیکھتا ہوں کہ ایک آواز پر آپ جمع کیے جاسکتے ہیں، ایک اشارے پر آپ حرکت کر سکتے ہیں اور خود اپنے دل کی لگن سے آپ اس کام کو کرتے رہتے ہیں جو آپ کے ذمے کیا جائے تو میرا دل مضبوط اور میری ہمت بلند ہونے لگتی ہے اور میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ اب مجھے وہ طاقت حاصل ہو رہی ہے جس سے میں اس عظیم مقصد کے لیے کچھ زیادہ کام کر سکوں۔

تحریک اسلامی کے اجتماعات کیسے ہوں؟

(۱) نظم وضبط کا اہتمام کریں

آپ کے اجتماعات میں کتنا ہی بڑا مجمع ہو، مگر خیال رکھیے کہ بھیڑ اور ہڑبونگ اور شور وہنگامہ کی کیفیت کبھی نہ ہونی چاہیے۔ اس طرح کی کوئی چیز ابھی تک میں نے محسوس نہیں کی ہے، مگر پھر بھی آپ کو اس طرف توجہ دلانے کی ضرورت ہے۔ جو کام ہم نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے، یعنی اخلاقی اصولوں پر دنیا کی اصلاح کرنا اور دنیا کے نظم کو درست کرنا، اس کا تقاضا ہے کہ اخلاقی حیثیت سے ہم اپنے آپ کو دنیا کا سب سے اچھا گروہ ثابت کر دکھائیں۔ جس طرح ہمیں دنیا کے موجودہ بگاڑ پر تنقید کرنے کا حق ہے اسی طرح دنیا کو بھی یہ دیکھنے کا حق ہے کہ ہم انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر کیسے رہتے ہیں، کیا برتاؤ کرتے ہیں، کس طرح جمع ہوتے ہیں اور کس طرح اپنے اجتماعات کا انتظام کرتے ہیں؟ اگر دنیا نے دیکھا کہ ہمارے اجتماعات میں خراب انتظام ہے، ہمارے مجمع میں افراتفری

اور شور وغل ہوتا ہے، ہمارے رہنے اور بیٹھنے کی جگہیں خراب سلیقے کا منظر پیش کرتی ہیں، جہاں ہم کھانے بیٹھتے ہیں وہاں آس پاس کا سارا ماحول گندہ ہوجاتا ہے اور جہاں ہم مشورے کے لیے جمع ہوتے ہیں وہاں ٹھٹھے، مذاق، قہقہے اور جھگڑے ہوتے ہیں اور بے قاعدہ حرکتیں دکھائی دیتی ہے تو دنیا ہم سے اور ہمارے ہاتھوں ہونے والی "اصلاح" سے اللہ کی پناہ مانگے گی اور یہ محسوس کرے گی کہ اگر کہیں زمین کا انتظام ان لوگوں کے ہاتھ میں آگیا تو یہ ساری زمین کو ویسا ہی کر کے چھوڑیں گے جیسے یہ خود ہیں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے اجتماعات میں نظم، باقاعدگی، سنجیدگی و وقار، صفائی ستھرائی اور اچھے اخلاق اور اچھے سلیقے کو اس طرح دکھائیں، کہ وہ دنیا میں نمونہ بن سکے۔ آپ کے ہاں چاہے ہزاروں آدمی جمع ہوں لیکن کوئی شور وغل برپا نہ ہونے پائے، کسی طرف کوڑا اور گندگی نہ پھیلے، کسی قسم کے جھگڑے نہ ہوں، کہیں ہلڑبازی کی کیفیت نظر نہ آئے۔ ایک منظم گروہ کی طرح اٹھیں اور بیٹھیں اور کھائیں اور جمع ہوں اور بکھر جائیں۔ آپ میں سے جن لوگوں نے حدیث کا مطالعہ کیا ہے انھوں نے دیکھا ہوگا کہ نبی کریم ﷺ نے اس لحاظ سے اپنی جماعت کو کتنا سنجیدہ، باوقار، مہذّب اور ڈسپلن کا پابند بنایا تھا اور اسلامی جماعت کے عرب پر چھا جانے میں اس کا کتنا بڑا رول تھا۔ ایک طرف عرب کے مشرکوں کا یہ حال تھا کہ ان کا ایک چھوٹا سا دستہ بھی اگر کسی علاقے سے گزر جاتا تھا تو قیامت کا شور سنائی دیتا، دوسری طرف صحابہ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ ان کے بڑے سے بڑے لشکر بھی منزلوں پر منزلیں طے کرتے چلے جاتے تھے اور کوئی ہنگامہ برپا نہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ جہاد میں صحابہؓ کرام نے "اللہ اکبر" کے نعرے بلند کیے تو حضورؐ نے فرمایا کہ جس کو تم پکار رہے ہو وہ بہرہ نہیں ہے۔ یہی باوقار رویہ تھا جس کی تربیت دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ جب فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار کا لشکر لے کر چلے تو اہل مکہ کو اس وقت تک کانوں کان آپؐ کے آنے کی خبر نہ ہوسکی جب تک کہ آپؐ نے خود ہی ٹھیک ان کے سر پر پہنچ کر آگ روشن کرنے کا حکم نہ دیا۔ اسی راستے پر ہمیں بھی چلنا چاہیے اور ہمارے اجتماعات میں بھی زیادہ سے زیادہ اسی شان کی جھلک نظر آنی چاہیے۔

(۲) دیانت وامانت کا اہتمام کریں

جہاں آپ جمع ہوں وہاں دیانت وامانت صاف صاف شکل میں نظر آنی چاہیے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہاں کسی شخص کو اپنے سامان کی حفاظت کے لیے کچھ انتظام کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ جس کا مال اور سامان جہاں رکھا ہو وہاں بغیر کسی نگراں اور محافظ اور تالے اور کنجی کے محفوظ پڑا رہے، کسی کی چیز جہاں گری ہو وہیں اس کو آکر پالے۔ اور اگر کہیں کوئی دوکان اور اسٹال ہو تو بیچنے والے کے بغیر بھی اس کا مال ٹھیک ٹھیک بکتا رہے۔ جو شخص کوئی چیز لے وہ ٹھیک حساب سے اس کی قیمت وہیں رکھ دے، چاہے بیچنے والا وہاں موجود ہو یا نہ ہو۔

(۳) اپنے سے بہتر کی تلاش جاری رکھیں

آپ کو یاد ہوگا کہ جب آپ کی جماعت بنی تھی اور آپ نے مجھے امیر چنا تھا تو میں نے آپ کے مطالبے کے بغیر خود یہ وعدہ کیا تھا کہ ہر اجتماع میں یہ اعلان کرتا رہوں گا کہ اگر اب آپ کو کوئی زیادہ مناسب آدمی مل گیا ہو تو میں جگہ خالی کرنے کے لیے تیار ہوں، آپ اس کو امیر چن لیں۔ اس کے بعد کوئی اجتماع عام نہیں ہوا اس لیے میں اپنے اس وعدہ کو بھی پورا نہ کرسکا۔ آج یہ پہلا اجتماع ہے اور میں اپنے وعدہ کے مطابق یہ اعلان کرتا ہوں۔ میں یہ تو ضرور چاہتا ہوں کہ دوسرا شخص اس عہدے کو سنبھالے اور میں اس کی اطاعت کرکے بتاؤں کہ امیر کی اطاعت کس طرح کرنی چاہیے۔ مگر میرے اس اعلان کے معنی یہ نہ لیے جائیں کہ میں خود پیچھے ہٹ رہا ہوں اور اس کام کو انجام دینے سے جی چرانا چاہتا ہوں۔ میرا مطلب صرف یہ ہے کہ نہ میں اس منصب کا خواہش مند ہوں نہ کسی اہل آدمی کے آنے میں رکاوٹ ہوں اور نہ اپنی ذات کو اس تحریک کی ترقی اور اس جماعت کی بہتری کی راہ میں روڑا بنانا چاہتا ہوں۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا اور آج بھی کہتا ہوں کہ اگر کوئی اس کام کو انجام دینے کے لیے آگے نہ بڑھے گا تو میں بڑھوں گا اور اپنی نااہلی کو جانتے ہوئے بھی میں اس کے لیے تیار نہیں ہوں کہ نہ میں کام کروں اور نہ کوئی اور۔ اس لیے جب تک مجھے خود کوئی زیادہ اہل آدمی نہیں ملتا اور جب تک آپ بھی کسی زیادہ مناسب آدمی کو نہیں پاتے، اس وقت

تک میں اس کام کو کرتا رہوں گا۔ اور مجھے کیسی ہی زحمتیں اور تکلیفیں اٹھانی پڑیں، اس جھنڈے کو میں خود اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑوں گا۔

اس کے ساتھ میں یہ اعلان بھی کر دینا چاہتا ہوں کہ پچھلے تین سال کے دوران میں اگر کسی کو مجھ سے کوئی شکایت پیدا ہوئی ہو، کسی کا حق ادا کرنے میں یا کسی کے ساتھ انصاف کرنے میں مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہو، یا کسی نے میرے کام میں کوئی غلطی پائی ہو تو بے تکلف اسے بتائے۔ چاہے شخصی طور پر میرے سامنے، یا پوری جماعت کے سامنے، میں نہ کسی شکایت کے پیش ہونے میں کوئی رکاوٹ ڈالوں گا، نہ اپنی کسی غلطی یا قصور کے اعتراف میں مجھے کوئی باک ہوگا اور نہ اپنی اصلاح میں یا کسی جائز شکایت کو دور کرنے میں ذرّہ برابر دیر کروں گا۔ البتہ اگر کوئی شکایت کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہوگی تو اسے صاف کر دوں گا تاکہ اس کام میں میرے اور رفیقوں کے درمیان میلا پن باقی نہ رہے۔

شخصیت پرستی کے بجائے کتاب وسنت کی پیروی*

ایک اعتراض، جو پہلے بھی بار بار سن چکا ہوں اور آج بھی میرے پاس تحریری شکل میں آیا ہے، یہ ہے کہ ایسے بڑے بڑے علما اور بزرگانِ دین (جن کے کچھ نام بھی گنائے گئے ہیں) کیا دین سے اس قدر ناواقف تھے کہ خود انھوں نے دین کے ان تقاضوں کو جو تم بیان کرتے ہو، نہیں سمجھا اور پورا کرنے کی طرف توجہ نہیں کی، بلکہ تمھارے بیان کرنے کے بعد بھی انھوں نے تسلیم نہیں کیا اور نہ تمھارے ساتھ تعاون کرنا قبول کیا؟ کیا یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ سب دین سے ناواقف ہیں؟ یا یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ تم نے خود دین کے نام سے ایک ایسی چیز پیش کی ہے جو دین کے تقاضوں میں سے نہیں ہے؟ اس سوال کا بہت مختصر جواب میرے پاس یہ ہے کہ میں نے دین کو حال یا ماضی کے لوگوں سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن اور سنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے اس لیے میں کبھی یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اللہ کا دین مجھ سے اور ہر مومن سے کیا چاہتا ہے، یہ

* امیر جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے کچھ اعتراضوں کے جواب دیے۔

دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں، بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن مجید کیا کہتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے کیا کیا؟ علم کے اسی ذریعے کی طرف میں آپ لوگوں کو بھی متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ یہ دیکھیں کہ جس چیز کی طرف میں آپ کو دعوت دے رہا ہوں اور جو کام کرنے کا طریقہ اس کے لیے پیش کر رہا ہوں، آیا قرآن کی دعوت وہی ہے اور نبیوں کا طریقہ وہی رہا ہے یا نہیں۔ اگر قرآن وسنت سے یہ بات ثابت ہو جائے اور آپ کے نزدیک قرآن وسنت ہی اصل ذریعہ ہدایت ہوں، تو میری بات مانیے اور میرے ساتھ آجائیں اور اگر اس دعوت اور اس طریقے میں کوئی چیز قرآن وسنت سے ہٹی ہوئی ہو تو بے جھجک اسے بتادیں۔ جس وقت مجھ پر اور میرے رفیقوں پر یہ واضح ہو جائے گا کہ ہم کہیں بال برابر بھی قرآن وسنت سے ہٹے ہیں، تو آپ ان شاء اللہ دیکھ لیں گے کہ ہم حق کی طرف پلٹنے میں ایک لمحے کے لیے بھی دیر کرنے والے نہیں ہیں۔ لیکن اگر آپ حق وباطل کا فیصلہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے بجائے اشخاص پر رکھنا چاہتے ہیں تو آپ کو پورا اختیار ہے کہ آپ اپنے آپ کو اور اپنے مستقبل کو اشخاص ہی کے حوالے کر دیں اور اللہ کے ہاں بھی یہی جواب دیں گا کہ ہم نے اپنا دین تیری کتاب اور تیرے رسول ﷺ کی سنت کے بجائے فلاں اور فلاں لوگوں کے حوالے کر دیا تھا۔ یہ جواب اگر آپ کو اللہ کے ہاں بچا سکتا ہے تو اس پر اطمینان سے کام کرتے رہیں۔

یہ سنیاسیوں کی جماعت نہیں ہے

ایک اور اعتراض کیا گیا ہے کہ "تمھاری جماعت بس چند زاہدوں اور دنیا کو چھوڑ دینے والوں کی ایک جماعت ہے جو دنیا کے معاملات سے تعلق ختم کر کے ایک طرف بیٹھ گئی ہے اور جسے آج کی سیاست سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ جب کہ مسلمانوں کو حالات نے مجبور کر دیا ہے کہ بغیر ایک لمحہ ضائع کیے ان سیاسی مسائل کو حل کریں جن کے حل پر پوری قوم کا مستقبل ٹکا ہوا ہے اور صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی مجبور ہیں کہ سب سے پہلے اپنے ملک کے سیاسی مستقبل کی فکر کریں، کیوں کہ اسی پر ان کی کامیابی ٹکی ہوئی ہے۔ لہٰذا اس ملک میں جو لوگ بھی زندگی کے عملی

مسائل سے تعلق رکھتے ہیں وہ تو تمھاری طرف توجہ نہیں کر سکتے، البتہ کچھ کونے اور گوشے میں بیٹھے ہوئے لوگ جو مذہبی ذہن رکھتے ہوں تمھیں ضرور مل جائیں گے۔" یہ اعتراض اس اوپری نظر سے دیکھنے کا نتیجہ ہے، جس سے ہمارے آج کل کے سیاسی حضرات معاملات کو دیکھنے اور سمجھنے میں کام لے رہے ہیں۔ یہ لوگ بس سیاسی شکلوں اور صورتوں کی تبدیلی کو دیکھتے ہیں اور انھی میں اپنے مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں، لیکن سیاست کی عمارت جن بنیادوں پر قائم ہوتی ہے ان تک ان کی نگاہ نہیں پہنچتی۔ آپ کے موجودہ سیاسی مسائل جن کی فکر میں آج کل آپ لوگ الجھے ہوئے ہیں، کس چیز نے پیدا کیے ہیں؟ صرف اس چیز نے کہ جن اخلاقی اور اعتقادی و فکری اور تہذیبی و تمدنی بنیادوں پر اس ملک کی سوسائٹی قائم تھی وہ اتنی کم زور ثابت ہوئیں کہ ایک دوسری قوم جو نہایت ہی گم راہ اور نہایت ہی غلط کار تھی مگر اپنی اخلاقی صفات، اپنی تہذیبی و تمدنی طاقت اور اپنی عملی قابلیتوں کے لحاظ سے وہ آپ سے اتنی زیادہ برتر ثابت ہوئی کہ ہزاروں میل دور سے آکر اس نے آپ کو محکوم بنالیا۔ پھر آپ ایک لمبی مدت کی غفلتوں اور کم زوریوں کی وجہ سے اس حد تک گرے کہ خود اس محکومی کے اندر بھی آپ کی ہم سایہ قومیں آپ کے مقابلے میں زیادہ طاقت ور ہو گئیں اور آپ کے لیے یہ سوال پیدا ہو گیا کہ اپنے آپ کو پہلے کس سے بچائیں، گھر والے سے یا باہر والے سے؟ یہ ہے آپ کے تمام موجودہ سیاسی مسائل کا خلاصہ۔ اور ان مسائل کو آپ بھی اور آپ کی ہم سایہ دوسری ہندوستانی قومیں بھی صرف اس طرح حل کرنا چاہتی ہیں کہ ملک کا سیاسی نظام جس شکل پر قائم ہے اس میں بس کچھ اوپری تبدیلی ہو جائے۔ میں اس سیاست کو اور سیاسی طریقے کو بالکل بے کار سمجھتا ہوں اور اس میں اپنا وقت ضائع کرنے کا کچھ حاصل نہیں پاتا، پھر صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں جو سیاسی مسائل اس وقت سامنے ہیں ان کا خلاصہ بھی میرے نزدیک صرف یہ ہے کہ انسان کو جو حیثیت دنیا میں حاصل نہیں تھی اسے بلاوجہ اپنی حیثیت بنا لینے پر اس نے اصرار کیا اور اپنے اخلاق، اپنی تہذیب، اپنے تمدن، اپنی معیشت اور اپنی سیاست کی بنیاد اللہ سے بغاوت پر رکھ دی جس کا انجام آج ایک بہت بڑے بگاڑ اور برائیوں کے ایک زبردست طوفان کی شکل میں سامنے

آرہا ہے۔ اس انجام کو دور کرنے کے لیے دنیا کے انتظام کی بس ظاہری شکلوں کو کچھ بدل دینے کی جو کوششیں آج کی جارہی ہیں انھی کا نام آج "سیاست" ہے اور میرے نزدیک بلکہ حقیقت میں اسلام کے نزدیک یہ سیاست بالکل فضول اور بے فائدہ ہے۔ میں نے اسلام سے جن حقیقتوں کو سمجھا ہے ان کی بنا پر میرے نزدیک ہندوستان کے مسلمانوں کی اور ہندوستان کے سارے باشندوں کی اور ساری مسلم دنیا اور غیر مسلم دنیا کی سیاست کا حل صرف یہ ہے کہ ہم سب اللہ کی بندگی اختیار کریں، اس کے قانون کو اپنی زندگی کا قانون تسلیم کریں اور دنیا کا انتظام نافرمانوں اور بدکاروں کے بجائے اللہ کے نیک بندوں کے ہاتھ میں ہو۔ یہ سیاست اگر آپ کو اپیل نہیں کرتی اور آپ کچھ دوسری سیاست بازیوں سے اپنے مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کا راستہ الگ ہے اور میرا راستہ الگ۔ جائیں اور جن جن طریقوں سے اپنے مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں حل کر کے دیکھ لیں۔ مگر میں اور میرے ساتھی پورے یقین اور بصیرت کے ساتھ جس چیز میں اپنی، اپنی قوم کی، اپنے ملک کی اور ساری دنیا کی کامیابی دیکھتے ہیں اسی پر ہم اپنی ساری کوششیں صرف کرتے رہیں گے۔ اگر دنیا کے لوگ ہماری باتوں کی طرف توجہ کریں گے تو ان کے اپنے لیے بھلا ہے اور نہ کریں گے تو اپنا ہی کچھ بگاڑیں گے، ہمارا کچھ نقصان نہ کر سکیں گے۔

رہی یہ غلط فہمی کہ ہم زاہدوں اور گوشے میں بیٹھنے والوں کا ایک گروہ بنا رہے ہیں تو اگر یہ غلط بات جان بوجھ کر نہیں کہی جارہی ہے اور واقعی غلط فہمی ہی ہے تو اسے ہم صاف صاف دور کر دینا چاہتے ہیں۔ ہم ایک ایسا گروہ تیار کرنا چاہتے ہیں جو ایک طرف زہد و تقویٰ میں اصطلاحی زاہدوں اور متقیوں سے بڑھ کر ہو اور دوسری طرف دنیا کے انتظام کو چلانے کی قابلیت وصلاحیت بھی عام دنیاداروں سے زیادہ اور بہتر رکھتا ہو۔ ہمارے نزدیک دنیا کی تمام خرابیوں کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ نیک لوگ نیکی کا صحیح مطلب نہ جاننے کی وجہ سے دنیا سے الگ کسی گوشے میں بیٹھ جاتے ہیں اور پرہیزگاری اس کو سمجھتے ہیں کہ دنیا کے معاملات ہی سے پرہیز کریں اور دوسری طرف ساری دنیا کے کاروبار برے لوگوں کے ہاتھوں میں آجاتے ہیں، جن کی زبان پر نیکی کا نام اگر کبھی آتا بھی ہے

تو صرف اللہ کے بندوں کو دھوکہ دینے کے لیے۔ اس خرابی کا علاج صرف یہی ہوسکتا ہے کہ نیک لوگوں کی ایک جماعت منظم کی جائے جو اللہ سے ڈرنے والی بھی ہو، سچی اور دیانت دار بھی ہو، اللہ کے پسندیدہ اخلاق اور صفات سے آراستہ بھی ہو اور اس کے ساتھ دنیا کے معاملات کو دنیاداروں سے زیادہ اچھی طرح سمجھے اور خود دنیا چلانے ہی میں اپنی مہارت اور قابلیت سے ان کو شکست دے سکے۔ ہمارے نزدیک اس سے بڑا اور کوئی سیاسی کام نہیں ہوسکتا اور نہ اس سے زیادہ کام یاب سیاسی تحریک اور کوئی ہوسکتی ہے کہ ایسے ایک صالح گروہ کو منظم کرلیا جائے۔ بد اخلاق اور بے اصول لوگوں کے لیے دنیا کی چراگاہ میں بس اسی وقت تک چرنے چگنے کی مہلت ہے جب تک ایسا گروہ نہیں تیار ہوجاتا اور جب ایسا گروہ تیار ہوجائے گا تو آپ یقین رکھیے کہ نہ صرف آپ کے اس ملک کی، بلکہ ایک ایک کرکے ساری دنیا کی سیاست اور معیشت اور مالیات اور علوم و آداب اور عدل و انصاف کی باگیں اسی گروہ کے ہاتھ میں آجائیں گی اور نافرمانوں اور بدکاروں کا چراغ ان کے آگے نہ جل سکے گا۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ تبدیلی کس طرح برپا ہوگی، لیکن جتنا مجھے کل سورج کے نکلنے کا یقین ہے اتنا ہی مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ یہ تبدیلی ہر حال میں برپا ہو کر رہے گی، بس شرط یہ ہے کہ ہمیں صالحین کے ایسے گروہ کو منظم کرنے میں کام یابی ہوجائے۔

تحریکی مقرر کے مطلوبہ اوصاف

- ❑ کیا آپ تقریر کے ذریعے سے جماعت کے مسلک کی صحیح نمائندگی کرسکتے ہیں؟
- ❑ کیا آپ تقریر کے دوران اپنے موضوع سے ہٹ تو نہیں جاتے؟
- ❑ کیا آپ میں اتنی اخلاقی جرأت ہے کہ اگر مجمع عام میں جب کہ آپ تقریر کررہے ہوں، آپ سے کوئی ایسا سوال پوچھا جائے جس کا جواب دینے کی اہلیت آپ میں نہ ہو تو آپ صاف اعتراف کرلیں کہ آپ اس کا جواب نہیں دے سکتے؟
- ❑ کیا آپ میں اتنا تحمل ہے کہ اگر تقریر کے دوران میں آپ پر اشتعال انگیز اعتراضات اور حملوں کی بوچھاڑ کردی جائے تو اپنے نفس پر قابو رکھ سکیں؟

(روداد جماعت اسلامی، حصہ چہارم، ص ۱۳۱)

اپنے مقصد کے لیے بے چینی*

میں سب سے پہلے اسی بات کو دہرانا ضروری سمجھتا ہوں جسے ہر اجتماع کے موقع پر دہراتا رہا ہوں کہ اپنی اس عظیم ذمے داری کو محسوس کریں جو آپ نے سوچ سمجھ کر اپنے اللہ سے مضبوط عہد کر کے اپنے اوپر عائد کرلی ہے۔ آپ کے اس عہد کا تقاضا صرف یہی نہیں ہے کہ آپ اللہ کے قانون کے زیادہ سے زیادہ پابند ہوں اور آپ کے عقیدے اور قول و عمل میں پوری یکسانیت ہو اور آپ کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہ جائے جس میں آپ کے خیالات اور اعمال اس اسلام سے مختلف ہوں جس پر آپ ایمان لائے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ آپ کے اسی عہد کا تقاضا اور بہت شدید تقاضا یہ بھی ہے کہ جس اسلام پر آپ ایمان لائے اور جسے آپ اپنے بادشاہ کا دین سمجھتے ہیں اور جسے آپ تمام انسانوں کے لیے حق جانتے ہیں اور کام یابی کا تنہا ذریعہ بھی سمجھتے ہیں، اس کو تمام دوسرے دینوں اور مسلکوں اور نظاموں کے مقابلے میں اونچا کرنے کے لیے، اور سارے انسانوں کو باطل دینوں کے بگاڑ اور تباہی سے بچا کر سچے دین کی سعادتوں سے مالا مال کرنے کے لیے آپ میں کم از کم اتنی بے چینی پائی جائے جتنی آج باطل دینوں کے ماننے والے اپنے اپنے جھوٹے اور مہلک دینوں کو اونچا اٹھانے اور ان کا بچاؤ کرنے کے لیے دکھا رہے ہیں۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے ان لوگوں کی مثالیں موجود ہیں جو سخت سے سخت خطرات، شدید سے شدید نقصانات، جان و مال کے نقصان، ملکوں کی تباہی اور اپنی اور اپنی اولاد اور اپنے عزیزوں اور جگر کے ٹکڑوں کی قربانی صرف اس لیے گوارا کر رہے ہیں کہ زندگی کے جس راستے کو وہ صحیح سمجھتے ہیں اور جس نظام میں اپنے لیے کام یابی کا امکان انھیں نظر آتا ہے، اسے نہ صرف اپنے ملک پر، بلکہ ساری دنیا پر غالب کر کے چھوڑیں۔ ان کے صبر اور ان کی قربانیوں اور محنتوں اور ان کے مصیبتیں برداشت کرنے اور اپنے مقصد کے ساتھ ان کے عشق کا مقابلہ آپ اپنے عمل سے کر کے دیکھیں اور محسوس کریں کہ اس معاملے میں وہ کہاں ہیں اور آپ کہاں ہیں۔ اگر آپ کبھی ان کے مقابلے میں کام یاب ہو سکتے ہیں تو صرف اسی

* امیر جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا تحریک کے ساتھیوں کو خطاب

وقت جب کہ ان باتوں میں آپ ان سے بڑھ جائیں۔ ورنہ آپ کے مالی ایثار، آپ کے وقت اور محنت کے ایثار، اور اپنے مقصد کے ساتھ آپ کی محبت اور اس کے لیے آپ کی قربانی کا جو حال اس وقت ہے اس کو دیکھتے ہوئے تو آپ یہ حق بھی نہیں رکھتے کہ اپنے دل میں اس تمنا کو پالیں کہ آپ کے ہاتھوں یہ جھنڈا اونچا ہو۔

چھوٹی چیزوں (جزئیات) پر بحثوں میں خود کو مشغول نہ کریں

دوسری چیز جس کی طرف مجھے آپ کو توجہ دلانے کی بار بار ضرورت محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ لوگ دین کی بنیادی باتوں کی اہمیت کو سمجھیں، اور اب تک شاخوں کو جو اہمیت دیتے رہے ہیں اور جس کی بیماری آپ کے سارے مذہبی ماحول کو لگی ہوئی ہے، اس سے بچنے کی کوشش کریں۔ میں دیکھتا ہوں کہ میری اور جماعت کے چند دوسرے صاحب علم و نظر رفیقوں کی کوششوں کے باوجود ہماری جماعت میں ابھی تک ان چھوٹی باتوں کے ساتھ اچھا خاصا بلکہ حد سے بڑھا ہوا لگاؤ پایا جاتا ہے، جن باتوں پر ایک مدت سے فرقہ بندیاں اور گروہی جھگڑے ہوتے رہے ہیں اور یہ کیفیت کبھی کبھی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ ہمارے سمجھانے سے اس طریقے کو چھوڑنے کے بجائے ہمارے بعض رفیق الٹا ہمی کو ان بحثوں میں الجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ جن چھوٹی باتوں پر آپ لوگ بحثیں کرتے ہیں وہ کتنی ہی اہمیت رکھتی ہوں مگر یہ وہ چیزیں نہیں ہیں جن کو قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو بھیجا ہو اور اپنی کتابوں کو اتارا ہو۔ نبیوں کے بھیجنے اور کتابوں کے اتارنے کا مقصد ان چھوٹی چیزوں کو قائم کرنا نہیں ہے۔ ان کا اصل مقصد یہ رہا ہے کہ اللہ کی مخلوق اپنے حقیقی مالک کے سوا کسی کی فرماں بردار نہ رہے، قانون صرف اللہ کا قانون ہو، تقویٰ صرف اللہ سے ہو، حکم صرف اللہ کا مانا جائے، حق اور باطل کا فرق اور زندگی میں صحیح راستے کی ہدایت صرف وہی قابل قبول ہو جسے اللہ نے واضح کیا ہے اور دنیا میں ان خرابیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے جو اللہ کو ناپسند ہیں، اور ان نیکیوں اور اچھائیوں کو قائم کیا جائے جو اللہ کو پسند ہیں۔ یہ ہے دین اور اسی کو قائم کرنا ہمارا مقصد ہے اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے اسی کام کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اس کام کی اہمیت اگر آپ پوری طرح محسوس کرلیں اور اگر آپ کو

اس بات کا بھی احساس ہو کہ اس کام کے بند ہو جانے اور باطل نظاموں کے دنیا پر غالب ہو جانے سے دنیا کی موجودہ حالت کس قدر شدت سے اللہ کے غضب کی مستحق ہو چکی ہے۔ اور اگر آپ یہ بھی جان لیں کہ اس حالت میں ہمارے لیے اللہ کے غضب سے بچنے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم اپنی تمام قوت چاہے وہ مال کی ہو یا جان کی، دماغ کی ہو یا زبان کی صرف دین کو قائم کرنے کی کوشش میں لگا دیں، تو آپ کبھی ان فضول بحثوں اور بے مطلب افکار میں نہیں پڑیں گے، جن میں اب تک آپ میں سے بہت سے لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ میرے نزدیک یہ تمام مشغلے صرف ایک چیز کا نتیجہ ہیں کہ لوگوں نے ابھی تک اس بات کو پوری طرح سمجھا نہیں ہے کہ دین حقیقت میں کس چیز کا نام ہے اور یہ اپنے ماننے والوں سے واقعی کیا مطالبہ کرتا ہے۔

اصول و نظریہ بھی اہم، طریقہ کار بھی اہم

ایک اور خامی جو ہمارے بعض ساتھیوں میں پائی جاتی ہے اور جو اکثر ہمارے لیے پریشانی کا سبب بنتی رہتی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ لوگ اصول اور نظریے کی حد تک تو اس جماعت کے مسلک کو سمجھ گئے ہیں لیکن کام کے طریقے کو اچھی طرح نہیں سمجھے۔ اس لیے بار بار ان کا دھیان دوسری مختلف جماعتوں کے طریقوں کی طرف پھر جاتا ہے، اور وہ کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر کے ہمارے مقصد اور دوسروں کے طریقے کو ملانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب انھیں روکا جاتا ہے تو وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم بلاوجہ ہی ایک اچھے چلتے ہوئے جلدی اثر دکھانے والے طریقے کو صرف اس بنا پر اختیار نہیں کرنا چاہتے کہ وہ ہمارا نہیں بلکہ دوسروں کا ایجاد کیا ہوا طریقہ ہے۔ کچھ لوگوں نے تو ستم ہی کر دیا کہ جب ہماری طرف سے ان کو ٹوکا گیا تو انھوں نے ہمیں یہ اطمینان دلانے کی کوشش کی کہ نام آپ ہی کا لیا جائے گا دوسروں کا نہ لیا جائے گا۔ گویا ان کے نزدیک ہماری ساری محنت صرف اپنا رجسٹرڈ ٹریڈ مارک چلانے کے لیے ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ سمجھتے ہوئے بھی وہ ہمارے ساتھ اس جماعت میں شریک ہیں۔ ہماری جماعت کی بعض مقامی شاخیں اس بیماری سے خاص طور پر بہت زیادہ متاثر ہوئی ہیں۔ لیکن جہاں اتنا زیادہ اثر نہیں ہے، وہاں بھی مختلف طریقوں سے یہ بات سامنے آتی رہتی ہے کہ کام کا کوئی تیز رفتار طریقہ اختیار کر کے جلدی سے کچھ چلتا پھرتا کام دنیا کے

سامنے پیش کر دیا جائے۔ یہ سب فکر سے خالی عمل کی اس پرانی بیماری کے نتیجے ہیں جو مسلمانوں میں بہت دنوں سے پل رہی ہے اور عمل سے خالی فکر سے کچھ کم خطرناک نہیں ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ان مذہبی اور سیاسی تحریکوں میں سے کسی میں بھی کوئی جان ہوتی جو اس وقت مسلمانوں میں چل رہی ہیں، تو شاید ہم اس جماعت کو بنانے میں ابھی کچھ سوچ بچار سے کام لیتے، اور اپنی پوری قوت ان نسخوں کو آزما لینے میں صرف کر دیتے۔ مگر جو تھوڑی بہت سمجھ اور بصیرت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے، اس کی بنا پر ہم خوب اچھی طرح یہ سمجھ چکے ہیں کہ وقت کی چلتی ہوئی تحریکوں اور ان کی قیادتوں میں سے ایک بھی مسلمانوں کے مرض کا صحیح علاج نہیں ہے، اور نہ اسلام کے اصل مقصد کو پورا کرنے والی ہیں۔ بس جزوی طور پر مسلمانوں کے امراض کی ناکافی اور سطحی تشخیص کی گئی ہے۔ اور اسلام کے اصل تقاضوں کو بھی صحیح طور پر سمجھا نہیں گیا ہے، پھر یہ بھی اچھی طرح نہیں سمجھا گیا کہ کفر و فسق کا یہ غلبہ اور دین کی یہ بے بسی اور مغلوبی جو آج ہے وہ حقیقت میں کن اسباب کا نتیجہ ہے۔ اور اب اس حالت کو بدلنے کے لیے کس ترتیب سے کن کن میدانوں میں کیا کیا کام کرنا ہے۔ ان سب چیزوں کو سوچے اور سمجھے بغیر جو سطحی اور جزوی تحریکیں جاری کی گئیں اور ان کو چلانے کے لیے جو تیز اثر اور فوری نتیجہ سامنے لانے والے طریقے اختیار کیے گئے، وہ سب ہمارے نزدیک چاہے غلط نہ ہوں، چاہے انھیں برا ہم نہ کہیں، چاہے ان کی اور ان کے پیچھے کام کرنے والے اخلاص کی ہم دل سے قدر کریں، مگر ہم ان کو لاحاصل سمجھتے ہیں اور ہمیں پوری طرح یقین ہے کہ اس قسم کی تحریکیں اگر صدیوں تک بھی پوری کامیابی اور ہنگامے کے ساتھ چلتی رہیں تب بھی زندگی کے نظام میں کوئی حقیقی تبدیلی برپا نہیں ہو سکتی۔ حقیقی تبدیلی اگر کسی تحریک سے برپا ہو سکتی ہے تو وہ صرف ہماری تحریک ہے، اور اس کے لیے فطری طور پر یہی ایک طریقہ ہے جو ہم نے خوب سوچ سمجھ کر اور اس دین کے مزاج اور اس کی تاریخ کا جائزہ لے کر اختیار کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارا طریقہ بہت زیادہ صبر چاہتا ہے، اس کی رفتار دھیمی ہے، جلدی سے کوئی محسوس نتیجہ اس سے سامنے نہیں آسکتا اور اس میں برسوں تک لگاتار ایسی محنت کرنی پڑتی ہے جس کے اثرات اور جس کے ظاہر ہونے کو کبھی تو خود محنت کرنے والا بھی محسوس نہیں کر سکتا۔ لیکن اس

راہ میں کامیابی کا راستہ یہی ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا طریقہ اس مقصد کے لیے ممکن نہیں ہے۔ جن لوگوں کو ہمارے مسلک اور طریقے یا ان دونوں میں سے کسی ایک پر بھی اطمینان حاصل نہ ہو ان کے لیے یہ راستہ تو کھلا ہوا ہے کہ جماعت سے باہر جاکر اپنی صحیح سمجھ سے جس طرح چاہیں کام کریں، لیکن یہ اختیار انھیں کسی طرح نہیں دیا جاسکتا کہ خود وہ ان دونوں میں سے یا ان میں سے کسی ایک چیز میں جو تبدیلی چاہیں کرلیں۔ ہمارے ساتھ جس کو چلنا ہے اسے پورے اطمینان کے ساتھ ہمارے مسلک اور طریقے کو ٹھیک سمجھ کر چلنا چاہیے اور جو شخص کچھ بھی جھکاؤ دوسری تحریکوں اور جماعتوں کی طرف رکھتا ہو اسے پہلے اُن راستوں کو آزما کر دیکھ لینا چاہیے۔ پھر اگر اس کا ذہن اسی فیصلے پر پہنچے جس پر ہم پہنچے ہوئے ہیں تو وہ دل کے اطمینان کے ساتھ ہمارے ساتھ آجائے۔

جلد بازی کے بجائے پائیدار اثر والے کام کیے جائیں

سطحیت اور نمائش اور جلد بازی کی جو کم زوری مسلمانوں میں عام طور سے پیدا ہوگئی ہے اس کا ایک ثبوت مجھے ابھی یہ ملا ہے کہ عوام میں تعلیم بالغان (بڑوں کی تعلیم) کے ذریعے سے کام کرنے کا جو طریقہ چند مہینے پہلے میں نے پیش کیا تھا اس نے تو بہت کم لوگوں کو اپیل کیا، مگر گروہ بنا بنا کر بستیوں میں گشت لگانے اور فوری نتیجہ دکھانے والے طریقے کے لیے (چاہے اس کا اثر کتنا ہی ناپائیدار ہو) مختلف مقامات سے ہمارے رفیقوں کے تقاضے برابر چلے آرہے ہیں اور سمجھانے پر بھی ان کا سلسلہ ٹوٹنے میں نہیں آتا۔ ایک طرف یہ طریقہ ہے کہ ایک سال یا اس سے زیادہ مدت تک ان پڑھ عوام میں سے چند آدمیوں کو مسلسل تعلیم و تربیت دے کر خوب پختہ کرلیا جائے اور ان کے عقائد، اخلاق، اعمال، زندگی کا مقصد، پہچاننے کا معیار، ہر چیز کو پوری طرح بدل ڈالا جائے۔ اور پھر ان کو اپنی جماعت کا مستقل کارکن بنا کر مزدوروں، کسانوں اور دوسرے طبقوں میں کام کرنے کے لیے استعمال کیا جائے۔ اور دوسری طرف یہ طریقہ ہے کہ ایک چھوٹی مدت میں ہزاروں آدمیوں سے ایک وقت میں دین کی کچھ ابتدائی چیزوں کی حد تک بات کی جائے اور فوری طور پر ان میں ایک حرکت پیدا کر کے چھوڑ دیا جائے۔ چاہے دوسرے چکر کے وقت پہلی حرکت کا کوئی اثر ڈھونڈے بھی نہ مل سکے۔ ان دونوں طریقوں میں سے جب میں دیکھتا ہوں کہ لوگ اس طریقے کی طرف کوئی توجہ

نہیں کرتے جو پختہ نتائج پیدا کرنے والا ہے، مگر لمبا وقت، زیادہ محنت اور زیادہ صبر چاہتا ہے، اور وہ دوسرے طریقے کی طرف بار بار دوڑ چلنے کی کوشش کرتے ہیں تو میرے سامنے مسلمانوں کی وہ کم زوریاں بالکل کھل کر آجاتی ہیں جن کی وجہ سے اب تک وہ بے کار کے کاموں ہی میں اپنی قوتیں اور محنتیں اور اپنے مال اور اوقات ضائع کرتے رہے ہیں۔ میں اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ جب تک اس جماعت کی باگیں میرے ہاتھ میں ہیں اپنے رفیقوں کو صحیح اور حقیقی نتیجہ دینے والے کاموں ہی پر لگانے کی کوشش کروں گا اور بے فائدہ کوششوں میں جانتے بوجھتے ان کو لگنے نہ دوں گا۔

سختی سے پرہیز کریں

ایک آخری بات کی طرف میں آپ لوگوں کو توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ ہمارے رفیقوں میں ایک اچھا خاصا گروہ ایسا پایا جاتا ہے جس نے تبلیغ و اصلاح کے کام میں شدت پسندی اور سختی کا رنگ اختیار کرلیا ہے۔ جو سوالات ان کی طرف سے اکثر میرے پاس آتے رہے ہیں ان سے میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ ان کے اندر بگڑے ہوئے لوگوں کو سنوارنے کی بے تابی اتنی زیادہ نہیں ہے جتنی انھیں اپنے سے کاٹ پھینکنے کی بے تابی ہے۔ ان کی دینی گرمی نے ان میں ہم دردی اور خیر خواہی کا جذبہ اتنا نہیں ابھارا جتنا نفرت اور غصے کا جذبہ ابھار دیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اکثر یہ تو پوچھتے ہیں کہ جو لوگ ایسے اور ایسے ہیں ان سے ہم تعلقات کیوں نہ ختم کرلیں اور ان کے ساتھ نمازیں کیوں پڑھیں اور ان کو کافر و مشرک کیوں نہ کہیں۔ لیکن یہ پوچھنے کا ان کو بہت کم خیال آتا ہے کہ ہم اپنے ان بھٹکے ہوئے بھائیوں کو سیدھے راستے پر کیسے لائیں، ان کی غفلت و بے خبری کو کس طرح دور کریں، ان کی ٹیڑھی چال کو سیدھی چال سے کیسے بدلیں اور ان کو ہدایت کی روشنی سے فائدہ اٹھانے پر کس طرح تیار کریں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کے فضل سے اور اپنی خوش قسمتی سے حق کو پالیا ہے ان کے اندر حق کو پانے کے احساس نے شکر کے بجائے گھمنڈ کا جذبہ پیدا کردیا ہے اور وہی ان شکلوں میں سامنے آرہا ہے۔ اللہ نہ کرے کہ میرا یہ گمان صحیح ہو، لیکن

میں اسے صاف صاف اس لیے بیان کر رہا ہوں کہ ہمارے رفیقوں میں سے ہر شخص اللہ سے ڈرتے ہوئے اپنے نفس کا جائزہ لے کر جاننے کی کوشش کرے کہ کہیں شیطان نے یہ مرض تو ان کو نہیں لگا دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بگڑی ہوئی سوسائٹی کے درمیان صحیح علم اور نیک عمل رکھنے والوں کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک پھیلی ہوئی وبا میں مبتلا ہو جانے والی بستی کے درمیان چند تندرست لوگ موجود ہوں جو کچھ طب کا علم بھی رکھتے ہوں اور کچھ دواؤں کا ذخیرہ بھی ان کے پاس ہو۔ مجھے بتایئے کہ اس وبا کی شکار بستی میں ایسے چند لوگوں کا فرض کیا ہے! کیا یہ مریضوں سے اور ان کو لگی ہوئی آلائشوں سے نفرت کریں، یا انھیں اپنے سے دور بھگائیں اور انھیں چھوڑ کر نکل جانے کی کوشش کریں، یا یہ کہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر ان کا علاج اور ان کی دیکھ بھال کی فکر کریں اور اس کوشش میں اگر کچھ گندگی ان کے جسم و لباس کو لگ بھی جائے تو انھیں برداشت کر لیں۔ شاید میں پورے یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ اگر یہ لوگ پہلی صورت اختیار کریں تو اللہ کے ہاں الٹے مجرم قرار پائیں گے اور ان کی اپنی تندرستی اور ان کا علم طب سے واقف ہونا اور ان کے پاس دواؤں کا ذخیرہ موجود ہونا، فائدہ مند ہونے کے بجائے الٹا ان کے جرم کو اور زیادہ سخت بنا دے گا۔ اسی بنا پر آپ سوچ لیں کہ جن لوگوں کو دینی تندرستی حاصل ہے اور جو دین کا علم اور اصلاح کے ذرائع بھی رکھتے ہیں ان کے لیے کون سا طریقہ اللہ کو خوش کرنے والا ہے۔

اہم نکات

- ❑ اپنے مقصد کی عظیم ذمہ داری کو محسوس کریں
- ❑ چھوٹی چیزوں پر بحث میں خود کو مشغول نہ کریں
- ❑ اصول و نظریہ بھی اہم ہے اور طریقہ کار بھی
- ❑ جلد بازی کے بجائے پائیدار اثر والے کام کریں
- ❑ شدت پسندی اور سختی سے پرہیز کریں

شرعی عذر کے بغیر اجتماع سے غیر حاضری تشویش ناک ہے*

جن مقامات سے جماعت کے ارکان اجتماع میں شریک ہونے کے لیے نہیں آئے اور انھوں نے کوئی عذر بھی پیش نہیں کیا تو ان کے بارے میں یہ سمجھنا چاہیے کہ عذر نہیں تھا پھر بھی وہ نہیں آئے۔ ایسے ارکان سے مقامی جماعتوں کے امرا کو پوچھ گچھ کرنی چاہیے تاکہ آئندہ ان سے یہ کم زوری سرزد نہ ہو۔ اور اگر پہلے سے ان کا عمل جماعت کے کاموں میں دل چسپی نہ لینے کا رہا ہو تو ان سے صاف کہہ دینا چاہیے کہ وہ جماعت کی رکنیت سے الگ ہو جائیں۔ عذر کے لیے جو ہم نے "عذر شرعی" کی شرط لگائی ہے اس کے لحاظ سے کاروبار کا حرج یا مالی نقصان کوئی مطلب نہیں رکھتا۔ اگر ہمارے رفیق اس وقت اتنی قربانی بھی نہیں دے سکتے تو آئندہ ان سے کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ ہمارے رفیقوں میں آخر بہت سے ایسے لوگ بھی تو ہیں جو ملازم تھے اور انھیں چھٹی نہ مل سکی، مگر وہ پھر بھی اجتماع میں شریک ہونے کے لیے آگئے، اور اب وہ اس کے نتیجے بھگتنے کے لیے تیار ہیں، ایسے ہی لوگ ہمارے خیال سے بھروسے کے قابل ہیں۔ جو ارکان جماعت بس کاروباری نقصان کے خطرے سے نہیں آئے ہیں، ان سے صاف کہہ دینا چاہیے کہ اب آپ اپنے کاروبار ہی کی خدمت کرتے رہیں، اس عظیم مقصد کی خدمت کا نام لینا آپ کے لیے کچھ جچتا نہیں ہے۔ البتہ جو ارکان جماعت مالی کم زوری کی وجہ سے نہیں آسکے ہیں ان کا عذر معقول ہے۔ مگر دوسرے ارکان جو ان کے مصارف برداشت کرنے کے قابل تھے اور انھیں اپنے بھائیوں کی مجبوری کا علم بھی تھا اور پھر بھی انھوں نے اپنے بھائیوں کو ساتھ لانے کی کوشش نہیں کی، ان پر ضابطے کی رو سے ایسے ارکان جماعت کے شرکت نہ کرنے کی کوئی ذمہ داری بھلے ہی نہ ہو، لیکن اخلاقی طور پر وہ اس کے ذمہ دار ہیں۔ ایسے افراد کو اپنی دل کی تنگی کو دور کرنے کی فکر کرنی چاہیے ورنہ جن سے آج یہ تھوڑا تھوڑا مالی ایثار بھی برداشت نہیں ہوسکتا ان سے کل کسی بڑے ایثار کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

زکوٰۃ کے نظم کی پابندی

جہاں جہاں جماعتیں قائم ہیں وہاں کے ارکان اپنی زکوٰۃ مقامی بیت المال میں دیں اور

* امیر جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا رپورٹوں پر تبصرہ

باقاعدہ حساب دیں کہ ان کا مال کتنا تھا اور اس پر انھوں نے کتنی زکوٰۃ ادا کی۔ جماعتی بیت المال کی موجودگی میں لوگوں کو اپنی زکوٰۃ انفرادی طور پر نکال کر خرچ نہیں کرنی چاہیے۔ جن لوگوں پر زکوٰۃ فرض ہو اور وہ باقاعدہ زکوٰۃ ادا نہ کریں ان کی شرعی حیثیت وہی ہے جو نماز نہ پڑھنے والوں کی ہے اور ایسے لوگ ہماری جماعت میں نہیں رہ سکتے۔

علما میں دعوتی کام علما ہی بہتر طور سے کر سکتے ہیں

ہر آدمی کو اسی حلقے میں جانا چاہیے جس حلقے کے لوگوں سے گفتگو کرنے کی اس میں صلاحیت ہو۔ خاص طور پر جو عالم نہیں ہیں، انھیں عالموں کے پاس جا کر اپنی دعوت پیش کرنے میں تو بہت زیادہ احتیاط کرنی چاہیے، کیوں کہ ان لوگوں کے مسائل بہت مشکل اور نازک ہیں، اور فتنہ ہر وقت ان کے پاس حاضر رہتا ہے۔ ان کی نفسیات کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو دین میں گہری بصیرت رکھنے کے ساتھ ان کی خاص دین داری سے بھی واقف ہیں۔ ان کو حق کے راستے کی طرف دعوت دینا نئے تعلیم یافتہ لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ وہ ان کے پاس جائیں گے تو کچھ کام بنانے کے بجائے الٹا کوئی خطرہ مول لے آئیں گے۔

سخت مخالفت کیوں نہیں ہوتی؟

ایک بات یہ سامنے آئی ہے کہ بعض حلقوں میں جب ہماری دعوت پہنچتی ہے تو اس کا جواب یہ کہہ کر دیا جاتا ہے کہ "تمھاری تحریک میں کوئی نہ کوئی چیز شبہ والی ضرور ہے ورنہ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ تم یہ دعوت دیتے اور فلاں طاقت اسے ٹھنڈے دل سے برداشت کر لیتی۔" اصل میں، اس قسم کی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جن کے اندر خود حق و باطل کی کوئی پہچان نہیں ہے اور انھوں نے صرف کسی دشمن طاقت کو حق کے پہچاننے کا کام دے دیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جس چیز پر دشمن بھڑکے وہ حق ہے اور جس چیز کو وہ برداشت کر لے وہ باطل ہے۔ حق و باطل کے اس معیار پر جو لوگ بھروسا کیے بیٹھے ہیں، ہمیں یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ان میں ایک اچھا خاصا گروہ عالموں کا بھی ہے۔ ہم ان سے عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ کے پاس دین کا علم موجود ہے، تو سب سے پہلے

قرآن وحدیث کے معیار سے پرکھ کر یہ دیکھیں کہ جس چیز کی دعوت ہم دے رہے ہیں وہ حق ہے یا نہیں۔ اس کے بعد پھر اس پر غور کریں کہ اگر یہ حق ہے تو آخر بات کیا ہے کہ شیطان اور شیطان کے دوست اسے برداشت کرنے لگے ہیں۔ کیا حق کی فطرت بدل گئی ہے یا شیطان اب وہ نہیں رہا ہے جو پہلے تھا؟ اس پہلو پر جب آپ غور کریں گے تو آپ پر خود یہ بات کھل جائے گی کہ اتنی بڑی تبدیلی، یعنی خالص توحید کی دعوت کا شیطان کے لیے قابلِ برداشت ہوجانا خود آپ لوگوں کی اپنی غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ آپ ہی نے ان تمام الفاظ اور اصطلاحات کی جان نکال دی ہے جن کے ذریعے سے دین کی دعوت قرآن وسنت میں پیش کی گئی تھی۔ الٰہ اور رب، دین اور عبادت، شرک اور توحید، طاغوت اور فتنہ وفساد، معروف اور منکر، خیر اور صلاح، غرض ایسے تمام الفاظ جو اسلام کی روح کو پیش کرنے کے لیے شریعت میں اختیار کیے گئے تھے، آج آپ ہی لوگوں کی وجہ سے اتنے بے مطلب ہوگئے ہیں کہ طاغوت کی چھاؤنیوں تک میں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا پانچ وقت اعلان ہوتا ہے اور وہاں اس سے ذرہ برابر بھی کوئی کھلبلی برپا نہیں ہوتی، بلکہ خود طاغوت اپنے وفاداروں کے لیے امام اور موذن اور خطیب پورے اطمینان کے ساتھ مہیا کرتا ہے، اور اس کے وفادار خادموں میں اگر پورے کا پورا قرآن بھی مفت تقسیم کردیا جائے تو وہ اس سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتا۔ اس طرح دین کو شیطان کے لیے نقصان اور خطرے سے بالکل خالی بنا چکنے کے بعد اب آپ لوگ دوسری خدمت یہ انجام دینا چاہتے ہیں کہ اگر دین کی وہی دعوت قرآن وسنت کی انھی اصل اصطلاحوں میں پیش کی جائے اور شیطان اور شیطان کے دوست اس پر نہ بھڑکیں تو آپ اسے اس بات کا ثبوت قرار دیتے ہیں کہ یہ دین کی دعوت ہی نہیں ہے یا یہ حق نہیں ہے۔ ہم اس وقت اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اسلام کی ان تمام اصطلاحات میں پھر وہی مطلب پیدا کریں جو اصل میں ان کے اندر تھے اور کلمہ کے ماننے اور بولنے والے اسے اس کے پورے مطلب کے ساتھ نہ صرف مانیں اور بولیں، بلکہ اپنی پوری زندگی اسی سمجھ کے ساتھ گزاریں۔ ہماری اس کوشش کے پوری طرح پھل آنے میں ظاہر ہے کہ ابھی دیر لگے گی اور جب تک اس میں پھل نہ آئیں، شیطان اور اس کے دوست مطمئن

رہیں گے اور دوسرے محاذوں پر اپنی قوت صرف کرتے رہیں گے۔ خاص طور پر جب کہ انھیں یہ بھی اطمینان ہے کہ دین کو زندہ کرنے کی اس کوشش کو مٹانے کے لیے آپ لوگ کافی ہوسکتے ہیں تو پھر وہ یہ خون اپنی گردن پر کیوں لیں؟ البتہ اگر اپنی اس کوشش میں ہم کام یاب ہوگئے اور آپ کے فتنوں سے خیریت سے بچ نکلے تو بہت ممکن ہے کہ صورت حال اس سے بھی زیادہ سخت ہو جتنی سخت آپ اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔ مگر اندیشہ ہے، اور اللہ کرے کہ ہمارا یہ اندیشہ غلط ہو، کہ آپ اس وقت بھی ہمارا ساتھ نہ دینے کے لیے اسی قسم کا کوئی بہانہ تلاش کرلیں گے جیسا کہ آج آپ نے تلاش کرلیا ہے۔

صبر و برداشت کے ساتھ حکیمانہ تبلیغ

حکیمانہ تبلیغ جب کہ وہ صبر اور برداشت اور لگاتار محنتوں کے ساتھ ہو، وہ زبردست ہتھیار ہے جس سے مخالفتوں کے بڑے بڑے پہاڑ کٹ جاتے ہیں اور راستہ ہموار ہوجاتا ہے۔ جن لوگوں کو روسی ترکستان کے حالات کا علم ہے وہ جانتے ہیں کہ اب سے پچیس سال پہلے وہاں اسلام کے خلاف ذرا سی بھاپ بھی منہ سے نہیں نکالی جاسکتی تھی، لیکن کمیونسٹوں نے جس سوجھ بوجھ اور لگن کے ساتھ وہاں اپنے الحاد اور مادہ پرستانہ پروگرام کی تبلیغ کی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند سال ہی کے اندر اسلام کے اس پرانے قلعے کی جڑیں ہل گئیں اور خود انھی مسلمانوں نے جو دیکھنے میں اسلام میں بڑے پختہ تھے کمیونزم کی تبلیغ سے متاثر ہوکر اپنے ہاتھوں سے اسلام کی بنیادیں ڈھادیں۔ اگر سوجھ بوجھ اور لگن کے ساتھ باطل یہ سب کچھ کرسکتا ہے جب کہ وہ انسانی فطرت سے بہت دور ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ حق کم از کم اتنا ہی کچھ کیوں نہیں کرسکتا جب کہ وہ انسانی فطرت سے بہت قریب ہے۔ اس لیے حالات اس وقت چاہے کتنے ہی مخالف ہوں ان سے ہمت نہ ہاریں، قرآن و سنت سے اور دنیا کے تجربات سے تبلیغ کی حکمت سیکھیں اور وہ صفات اپنے اندر پیدا کریں جن سے بنجر زمینوں کو پھل دینے کے لیے تیار کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ اللہ کے فضل سے ساری رکاوٹیں دور ہوکر رہیں گی۔

• • •

رپورٹ پیش کرنے کا طریقہ

جو رپورٹیں پیش ہوئی ہیں، ان کو سننے سے یہ اندازہ ہوا کہ ہمارے رفیق اپنی رپورٹیں پیش کرنے میں غیر ضروری تفصیلات شامل کر دیتے ہیں اور ضروری تفصیلات کبھی کبھی چھوڑ جاتے ہیں۔ اس طریقے کی اصلاح ہونی چاہیے۔ رپورٹوں میں ایسی چیزیں نہیں آنی چاہئیں جو محض مقامی حیثیت رکھتی ہوں اور جن کے بیان کرنے یا نہ کرنے کا اصل معاملات کو سمجھنے میں کوئی اثر نہ ہو۔ اسی طرح رپورٹوں میں افراد یا جماعتوں کے نام بھی کم سے کم آنے چاہئیں۔ نہ شکایت کے پہلو سے اور نہ تعریف کے پہلو سے۔ مرکز کو جو رپورٹیں بھیجی جاتی ہیں ان میں تو ایسی چیزیں آنے میں حرج نہیں ہے، لیکن اجتماع میں پیش کرنے کے لیے جو رودادیں مرتب کی جائیں ان کو ایسی چیزوں سے خالی رہنا چاہیے۔ اصل میں جس مقصد کے لیے ہم اجتماع میں رودادیں پیش کرتے ہیں، وہ صرف یہ ہے کہ ہمارے ارکان کو یہ معلوم رہے کہ مختلف علاقوں میں یہ تحریک کس رفتار سے چل رہی ہے، کہاں کہاں کس کس قسم کی رکاوٹیں پیش آرہی ہیں۔ مختلف مقامات کے ارکان کن کن طریقوں سے کام کر رہے ہیں، کن کن حلقوں میں ہمارے خیالات پھیل رہے ہیں اور کہاں حالات امید دلانے والے یا مایوس کرنے والے ہیں۔

کتابیں دینا کافی نہ سمجھیں

جہاں ہماری مقامی جماعتوں یا انفرادی طور پر ہمارے کسی مقامی رکن نے ریڈنگ روم قائم کیا ہو وہاں لوگوں کو صرف کتابیں دینے پر بس نہ کرنا چاہیے بلکہ اس پر بھی نگاہ رکھنی چاہیے کہ کون لوگ کیا پڑھتے ہیں اور کس حد تک دل چسپی لیتے ہیں۔ پھر ان لوگوں سے شخصی طور پر ملنے اور گفتگو کرنے کی بھی کوشش کرنی چاہیے، تاکہ انھیں دھیرے دھیرے اپنے نظریے سے قریب لایا جائے۔ اگر ان کے کچھ شکوک ہوں تو وہ دور کیے جائیں اور یہ اندازہ ہوتا رہے کہ کس قسم کے لوگ کس کس حد تک ہمارے خیالات سے متاثر ہیں اور ان کی ہم دردی اور ہم خیالی سے کہاں تک فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ ریڈنگ روم قائم کرنا تو بالکل ایسا ہے جیسے بیج ڈالنا، لیکن آپ ہوا کی طرح صرف بیج پھیلانے

ہی پر بس نہ کریں بلکہ کسان کی سی حیثیت اختیار کریں جو زمین میں بیج ڈالنے کے بعد مسلسل اس کو سینچتا اور اس کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ کھیتی پک کر تیار ہو جائے۔

منصب کے ساتھ ہمارا صحیح رویہ

مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بعض مقامی جماعتوں میں امیر کے انتخاب میں کچھ انجمنوں کی صدارت جیسا رنگ اختیار کر لیا گیا ہے۔ یہ منصب اصل میں مقامی لیڈر شپ کا منصب ہے۔ جو شخص جماعت میں سب سے اہل نظر آئے اسی کو چننا چاہیے۔ مگر کسی کے سر زبردستی اس منصب کو چپکانا نہ چاہیے۔ اسی طرح جس شخص کو اپنے اندر اس منصب کو سنبھالنے کی اہلیت نظر آئے یا یہ محسوس ہو کہ کوئی اتنی اہلیت بھی نہیں رکھتا جتنی اس کے اندر ہے تو اسے بلاوجہ خود کو کم دکھا کر ذمے داری سنبھالنے سے انکار بھی نہیں کرنا چاہیے۔ یہ کام ہر حال میں کرنے کا ہے اور ہم میں سے ہر ایک میں یہ جذبہ ہونا چاہیے کہ اگر کوئی اس کی ذمہ داری سنبھالنے کے لیے نہیں اٹھتا تو اسے اٹھنا ہے۔

مالی اعانتوں کے سلسلے میں پالیسی

ہم مالی اعانت صرف ان لوگوں سے قبول کر سکتے ہیں جو پہلے تو ہمارے مقصد سے اچھی طرح واقف ہوں اور اس کے ساتھ پوری ہم دردی رکھتے ہوں۔ دوسرے ان کو ہمارے کام کے طریقے سے پورا اتفاق ہو اور ہمارے افراد کے اوپر اور ہماری پوری جماعت کے اوپر بھی اعتماد ہو۔ تیسرے یہ کہ وہ روپیہ یا کسی شکل میں مال دینے کے بعد کسی قسم کی کوئی شرط ہم پر عائد نہ کریں نہ اپنے روپے کے ذریعے سے ہمارے کام میں کسی قسم کی مداخلت کی کوشش کریں اور نہ ہماری اسکیم سے باہر کوئی کام ہمارے لیے تجویز کریں کہ وہ ان کے روپے سے کیا جائے۔ البتہ ہمارے اپنے کاموں میں سے کسی کے بارے میں وہ یہ خواہش بتا سکتے ہیں کہ ان کا روپیہ فلاں کام میں صرف ہو۔ چوتھے یہ کہ ان کے اندر اس قسم کی کوئی خواہش نہ پائی جائے کہ ان کے نام کی شہرت ہو یا ہمارا کوئی کام ان کے نام سے منسوب ہو، یا شخصی طور پر ہم میں سے کوئی ان کا شکر گزار ہو، یا جماعتی طور پر ہم ان کے احسان مند ہوں۔ جس کو بھی ہمارے اس کام میں روپیہ دینا ہو وہ خالص اللہ کے لیے

دے، اللہ ہی سے اجر کی امید رکھے اور اللہ کے کلمے کی بلندی کے سوا اور کسی چیز کو اپنے مالی ایثار کا صلہ نہ سمجھے۔ یہ ہماری مستقل پالیسی ہے اور اس میں کسی بڑے سے بڑے انسان کی خاطر یا کسی بڑی سے بڑی رقم کی خاطر بھی کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے۔

اداروں کے سلسلے میں جماعت کی پالیسی

جو تعلیمی، تبلیغی، اصلاحی یا کسی اور قسم کے ادارے ملک میں قائم ہیں یا آئندہ قائم ہوں، اس قسم کے ادارے اگر پورے طور پر ہماری جماعت کے حوالے کر دیے جائیں اور ہماری پالیسی کے مطابق چل سکیں، یہاں تک کہ اگر ہم ان کو غیر ضروری سمجھ کر یا غیر مفید پا کر توڑنا چاہیں تو توڑ بھی سکیں، تب تو ہماری جماعت کا کوئی رکن ان کے چلانے کی ذمے داری اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ صورت نہ ہو تو کسی رکن جماعت کو ان کے چلانے کی ذمے داری قبول نہ کرنی چاہیے۔ وہ اگر معاشی حیثیت سے مجبور ہو تو اس قسم کے کسی ادارے میں ملازم کی حیثیت سے کام کر سکتا ہے، لیکن ان کا ذمے دار رکن نہیں بن سکتا، کیوں کہ اس صورت میں وہ ادارہ ہماری طرف منسوب ہوگا۔ اس کے کاموں کی جواب دہی جماعت پر عائد ہوگی اور ان اداروں کے چلانے میں جو نامناسب طریقے عام طور سے اختیار کیے جاتے ہیں، وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہمارے رکن کو بھی اختیار کرنا پڑیں گے اور اس سے جماعت کی اخلاقی پوزیشن متاثر ہوگی۔

مخالفتوں کے سلسلے میں ہمارا رویہ

بعض گروہ بلاوجہ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ہماری ان سے کوئی مخالفت ہے اور اس بنا پر جگہ جگہ انھوں نے ہمارے راستے میں رکاوٹیں ڈالنے اور ہمارے خلاف بدگمانیاں پھیلانے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ جب کہ ہماری نہ ان سے کوئی لڑائی ہے اور نہ ہم نے کبھی ان کو اپنا دشمن سمجھا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہم نے مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کے طریقوں اور ان کی سیاسی پالیسی پر اپنے لٹریچر میں تنقید کی ہے، لیکن اس تنقید کی غرض لڑائی نہ تھی بلکہ صرف یہ تھی کہ یہ جماعتیں ہماری رائے اور خیال سے واقف ہوں اور اگر ان کا دل گواہی دے کہ ہمارا خیال صحیح ہے تو اس کو سامنے

رکھ کر اپنے عمل کی اصلاح کریں۔ اس طرح کی تنقید اصلاح کے لیے ضروری ہوتی ہے، اور اس کے بغیر دنیا میں کہیں بھی حالات کی اصلاح نہیں ہوا کرتی۔ ایسی تنقید کو ہمیشہ ترقی پسند اور معقولیت پسند (progressive and rational) جماعتیں برداشت کرتی ہیں، بلکہ اس سے فائدہ اٹھانے کی بھی کوشش کرتی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہندوستان میں تنقید کو ہمیشہ دشمنی ہی سمجھا جاتا ہے۔ آپ چاہے کسی پر کتنی ہی مخلصانہ اور ہم دردانہ تنقید کریں اور آپ کی نیت صرف اصلاح ہی کی کیوں نہ ہو، مگر کسی پر تنقید کرنے کے بعد مشکل ہی سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اس کے جواب میں آپ کو کاٹ کھانے پر تیار نہ ہو جائے گا۔

یہ سب ہندوستان کی اخلاقی اور عقلی گراوٹ کا نتیجہ ہے اور اگر اس کے اسباب کو ہم اچھی طرح سمجھ لیں تو اس قسم کی چیزوں کو دیکھ کر کبھی غصہ نہ ہوں، بلکہ ان لوگوں کے ساتھ ہم دردی کا یا کم از کم صبر کا رویہ اختیار کریں۔ میں دیکھتا ہوں کہ کہیں کہیں آپ لوگوں کی رپورٹوں میں ان مخالفتوں پر غصّے اور ناراضی کا رنگ پایا جاتا ہے، اس چیز کو اپنے اندر سے نکال دیں۔ جہاں جہاں آپ کو ان مخالفتوں کا سامنا ہو، وہاں نہایت معقولیت اور ٹھنڈے طریقے سے مخالفین کو سمجھا دیں کہ ہماری اصل لڑائی تم سے نہیں بلکہ باطل کے نظام سے ہے۔ ہم اسے غلط سمجھتے ہیں اور اسی پر چوٹ لگانا چاہتے ہیں۔ اگر تم نے اپنے آپ کو اس نظام سے جوڑ کر رکھا ہے تو جس حد تک تمھارا اس سے تعلق ہے اسی حد تک تم پر بھی چوٹ لگے گی، لیکن ہمارا اصل نشانہ تم نہ ہوگے بلکہ باطل کا نظام ہی ہوگا۔ لیکن اگر تمھارا اس نظام سے کوئی رشتہ نہیں ہے تو ہماری کسی سرگرمی سے تمھیں پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ جو تیر دوسری طرف چھوڑا جارہا ہو اسے تم بلاوجہ اپنے سینے کی طرف کیوں کھینچنا چاہتے ہو؟ یہ سمجھا دینے کے بعد جو لوگ اپنی مخالفت کی باتوں سے باز نہ آئیں انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ ان کی باتوں کا نہ جواب دیں، نہ ان پر آگ بگولا ہوں۔ خوب سمجھ لیں کہ ان کی مخالفت کی حرکتیں، ان کی اشتہار بازیاں، ان کے غلط الزامات اور ان کی تمام مخالفت کی تدبیریں خود انھیں کے لیے نقصان دہ ہوں گی، شرط یہ ہے آپ کا رویہ حد درجہ شرافت اور اخلاق والا ہو اور

آپ نیکی پسند انسانوں کی طرح سیدھے سیدھے اپنا کام کرتے چلے جائیں۔ جب ایک طرف آپ کی روش یہ ہوگی اور دوسری طرف مخالفت کا ان کا رویہ اخلاق اور شرافت سے دور ہوتا چلا جائے گا تو آپ دیکھیں گے کہ پبلک کا ضمیر ان کی حرکتوں سے خود ہی بیزار ہونے لگے گا اور لوگ ان سے کٹ کر آپ کی طرف آئیں گے۔ لیکن اگر آپ نے اشتعال میں آکر ان کے جواب میں لڑائی شروع کر دی، تو جیسے وہ ہیں ویسے ہی آپ ہو کر رہیں گے اور اس لڑائی میں ان کی طرح آپ بھی کھوئے جائیں گے۔ وہ شیطان ہے جو حق کے داعیوں کو ان کے راستے سے ہٹانے کے لیے بھڑکاتا ہے، اور نفسانی لڑائی لڑنے پر تیار کرتا ہے۔

نیک بننا اور نیکی کی طرف بلانا

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ پہلے انسان کو خود آئیڈیل مسلمان بننا چاہیے، پھر دوسروں کی اصلاح کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ اس خیال کے لیے نہ دین میں کوئی بنیاد ہے اور نہ عقل میں۔ قرآن اور حدیث سے بھی ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ خود نیک بننا اور دوسروں کو نیکی کی طرف بلانا ساتھ ساتھ ہونا چاہیے اور عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ جس وقت آدمی پر حق کھل جائے، اسی وقت سے وہ خود بھی حق پر چلنے والا بننے کی کوشش کرے اور دوسروں کو بھی حق کی طرف دعوت دے۔ ظاہر بات ہے کہ جب آپ کے ساتھ بہت سے لوگ ایک ہی مکان میں رہتے ہوں اور آپ کو معلوم ہو جائے کہ اس مکان کو آگ لگ گئی ہے تو آپ کا فرض یہی نہیں ہے کہ خود اس سے نکلنے کی کوشش کریں بلکہ آپ کا یہ بھی فرض ہے کہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اس آگ سے آگاہ کرنے اور ان کو اس مکان سے باہر نکالنے کی پوری پوری کوشش کریں۔ جو لوگ پہلے خود آئیڈیل مسلمان بننے کی شرط لگاتے ہیں، ان سے معلوم کریں کہ کیا ان کے سامنے کوئی خاص حد ایسی ہے جس پر پہنچ کر آدمی اپنے متعلق یہ رائے قائم کر سکتا ہو کہ اب وہ آئیڈیل مسلمان بن گیا ہے۔ شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جس وقت آپ کے اندر اپنے متعلق یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ آپ پرفیکٹ ہو گئے ہیں اسی وقت سے آپ گھٹنا شروع ہو جائیں گے

اور دوسروں کو پرفیکٹ بنانے کی کوشش کے لیے وہی وقت سب سے زیادہ نامناسب ہوگا۔

رپورٹوں میں خود کو کم تر بتانا مناسب نہیں ہے

جس طرح یہ بات صحیح نہیں کہ اپنی کارروائیوں اور سرگرمیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا جائے اسی طرح یہ بات بھی ٹھیک نہیں ہے کہ انھیں بلاوجہ سکیڑ کر اور معمولی شکل میں سامنے لانے کی کوشش کی جائے۔ جو کچھ ہوا ہے اور جو ہو رہا ہے اسے کمی بیشی کے بغیر ٹھیک ٹھیک بتا دینا چاہیے۔ اپنوں اور دوسروں کا جائزہ لینے میں ہرگز کسی کمی بیشی سے کام نہ لیا جائے۔ آپ کی رپورٹیں تو گویا ایک ایسا آئینہ ہونی چاہئیں جن میں آپ کی کارروائیوں، آپ کے ارکان اور ہم دردوں اور علاقے کے دوسرے لوگوں اور حالات کی صاف صاف تصویر موجود ہو۔

تنقید کے آداب کا خیال رکھیں

اختلافات اور مخالفتوں کی وجہ سے طبیعتوں میں جھنجھلاہٹ پیدا ہو جانا کسی حد تک فطری بات ہے، پھر بھی یہ ایک کم زوری ہے اور جن لوگوں کو کسی اونچے اخلاقی مقصد کے لیے کام کرنا ہو انھیں اپنے اندر سے اس کم زوری کو دور کرنا چاہیے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو لوگ جان کر یا انجانے میں خیر کی اس دعوت کی راہ روک رہے ہیں، ان کے اس عمل کو سراہیے یا اسے برا نہ جانیے۔ ان کی غلطیوں کو غلطی کہنے سے نہ میں خود رکتا ہوں نہ آپ کو روکتا ہوں۔ واقعات کے بیان کو بھی میں روکنا نہیں چاہتا اگر واقعی حالات کو سمجھنے کے لیے ان کا بیان ضروری ہو۔ جہاں کسی جماعت کے غلط عمل پر تنقید کرنے کی واقعی ضرورت پائی جائے، وہاں زبان بند کر لینے کا مشورہ بھی میں کسی کو نہیں دیتا۔ لیکن جس چیز کو میں روکنا چاہتا ہوں، وہ صرف یہ ہے کہ اس قسم کی مخالفتوں سے آپ کے مزاج میں غصہ اور آپ کی زبان میں سختی پیدا ہو اور اس کے جواب میں دوسری طرف سے بات اور بڑھے۔ یہی چیزیں فتنے کا سبب بنتی ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے ارکان کو اس بات کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے کہ ہماری جماعت میں جو لوگ شریک ہیں وہ مختلف گروہوں سے نکل کر آئے ہیں اور اب تک ان کی عقیدتیں اور دل چسپیاں کچھ نہ کچھ اپنے پچھلے گروہوں اور ان کی شخصیتوں کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں، اس حالت میں اگر ایک طبقے کے لوگ دوسرے طبقے والوں پر کوئی چوٹ کریں گے تو صرف

یہی نہیں کہ اس طبقے پر کوئی اچھا اثر نہیں پڑے گا بلکہ اس سے یہ بھی اندیشہ ہے کہ اس طبقہ سے آئے ہوئے جو لوگ ہماری جماعت میں موجود ہیں ان کے دلوں میں بھی ناراضی پیدا ہوگی۔ آپ کے سامنے نبی ﷺ کے عہد کی مثالیں موجود ہیں کہ انصار میں اسلام قبول کرنے کے بعد بھی کچھ مدت تک اوس اور خزرج کی پرانی دشمنیوں کے اثرات موجود تھے اور فتنہ پھیلانے والے یہودی ان دشمنیوں کی یاد تازہ کر کے فتنہ برپا کر دیا کرتے تھے۔ ان مثالوں سے سبق لے کر آپ لوگوں کو اپنی تنقیدوں اور شکایتوں میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لینا چاہیے کہ کہیں وہی عصبیتیں خود آپ کی اپنی جماعت میں بھڑک کر کوئی فتنہ برپا نہ کر دیں۔

حق کا احترام شخصیتوں کے احترام سے زیادہ ہو

اس کے ساتھ میں یہ گزارش کروں گا کہ جب آپ اس جماعت میں آئے ہیں تو اپنے اندر انصاف کی صفت پیدا کریں اور تمام چیزوں سے بڑھ کر حق سے عقیدت رکھیے۔ آپ میں سے کچھ لوگوں کو شکایت ہے کہ بعض بڑے لوگوں کی غلط باتوں کا جب یہاں ذکر ہوا تو لوگ ہنس دیے۔ بلاشبہ یہ ہنسنا اچھا نہ تھا، بے شک ہم کو ہر شخص کے احترام کا اتنا ہی خیال رکھنا چاہیے جتنا ہم خود چاہتے ہیں کہ ہمارا رکھا جائے۔ لیکن آپ غور کریں کہ جو لوگ واقعی ہنسی کے قابل باتیں کرتے ہوں آخر دنیا کب تک ان پر ہنسنے سے باز رکھی جا سکتی ہے۔ چاہے ہم ان پر نہ ہنسیں لیکن ہنسی کے قابل باتیں کرنے کے بعد کوئی شخص ہنسے جانے سے بچ نہیں سکتا، اور نہ آپ کی عقیدت مندی اسے اس نقصان سے بچا سکتی ہے جو اس نے خود اپنے احترام کو پہنچایا ہے۔ اسی طرح آپ شکایت کرتے ہیں کہ بعض اشخاص اور جماعتوں پر تنقید میں سختی برتی گئی ہے۔ اس سختی کو میں بھی پسند نہیں کرتا، لیکن اس کے ساتھ آپ کو بھی یہ سوچنا چاہیے کہ جن چیزوں کی شکایت کی گئی ہے کیا وہ واقعی نہیں ہیں؟ اگر وہ واقعی ہیں تو کیا وہ لوگ جنھوں نے حق کی اس دعوت کے راستے میں رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کی وہ اپنے اس عمل میں واقعی حق پر ہیں؟ اور اگر وہ حق پر نہیں ہیں تو پھر جتنی توجہ آپ دنیا سے ان کا احترام کرانے پر صرف کرتے ہیں، اللہ کے لیے اس سے آدھی ہی توجہ اس کوشش پر

صرف کریں کہ وہ لوگ اپنی اس روش کو بدلیں۔ جہاں ایک طرف حق ہو اور دوسری طرف بڑی بڑی شخصیتیں ہوں وہاں اگر آپ کا دل شخصیتوں کی طرف زیادہ کھنچتا ہے تو یہ ایک بڑی خطرناک حالت ہے جس سے آپ کی اپنی حق پرستی کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ ایک سچے مسلمان کو سب سے پہلے جس چیز کی فکر ہونی چاہیے وہ یہ ہے کہ اس کے اندر حق کی محبت ساری محبتوں پر غالب ہو جائے اور کوئی عقیدت اس کے دل میں ایسی باقی نہ رہے جو کسی وقت حق کی عقیدت کے مقابلے میں آکھڑی ہو۔ جہاں تک خیر کی اس دعوت کا تعلق ہے، مجھے یہ پورا یقین ہے کہ کسی کی مخالفت اس کو دبانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی، بلکہ جو اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا وہ خود نقصان اٹھائے گا۔ اس لیے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ اس بنا پر نہیں کہہ رہا ہوں کہ کسی بڑے سے بڑے آدمی کی مخالفت سے بھی مجھے اس کام کے برباد ہو جانے کا اندیشہ ہے، میری غرض تو صرف یہ ہے کہ ایک طرف آپ خود اپنی حق پرستی کو ایسی عقیدتوں کے زہر سے بچانے کی فکر کریں جو حق کی مخالفت کے باوجود کسی کے ساتھ لگی رہتی ہیں اور دوسری طرف خود ان لوگوں کو بھی جن سے آپ عقیدت و محبت رکھتے ہیں، خیر سے روکنے والا بننے کے برے نتائج سے بچنے کا مشورہ دیں۔

عوام میں تبلیغ کے ضروری اصول

بعض لوگوں کا خیال سامنے آیا ہے کہ ہمارے مسلک کو سمجھنا عوام کے لیے مشکل ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس دین کو شروع میں عرب کے صحرا میں رہنے والے بدوؤں اور ان پڑھ لوگوں نے سمجھا تھا جو کسی کتاب کا علم نہ رکھتے تھے، انھوں نے اس کو صرف سمجھا ہی نہیں بلکہ وہ اس کی گہرائیوں تک میں اتر گئے اور ان سے جن لوگوں نے اس کی تعلیم حاصل کی وہ دنیا کے معلم بن کر رہے۔ پھر یہ شبہ آپ کو کیسے ہوتا ہے کہ آج ہندوستان کے کسان اور مزدور اور عام باشندے اسے نہ سمجھ سکیں گے؟ میرا تجربہ تو یہ ہے کہ جن لوگوں نے کتابی علوم پڑھے ہیں ان کے دماغوں میں تو ضرور ایسے پیچ پڑ جاتے ہیں، جن کی وجہ سے اس دین کی سیدھی سادی باتیں بھی ان کے اندر اترنی مشکل ہوتی ہیں اور اسی وجہ سے ان کو سمجھانے کے لیے ہمیں لمبی چوڑی علمی

بحثیں کرنی پڑتی ہیں، لیکن عام لوگ جن کے دماغ بڑی حد تک ایک فطری حالت پر ہیں اس دین کو بڑی آسانی سے سمجھ لیتے ہیں، بس شرط یہ ہے کہ سمجھانے والا سمجھانے کا عام انداز اختیار کرے اور اس کی اپنی زندگی اس بات کی گواہی دے کہ وہ جن چیزوں کو پیش کر رہا ہے، وہ خود بھی ان پر ایمان رکھتا ہے۔ عوام کو آپ کی بات سمجھنے میں اگر کوئی الجھن پیش آسکتی ہے تو وہ صرف دو وجہوں سے پیش آسکتی ہے۔ ایک یہ کہ آپ ان کے سامنے اس طرح کی باتیں کریں جیسی کسی عربی مدرسے کے طالب علم یا کسی کالج کے لڑکوں کے سامنے کی جاتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ خود کچھ اور ہوں اور باتیں کچھ اور کریں۔ ان دو کم زوریوں سے اگر آپ کی تبلیغ پاک ہو جائے تو آپ دیکھ لیں گے کہ عوام اس دین کو کس طرح آسانی سے سمجھتے ہیں۔

• • •

رپورٹ کیسی ہو؟*

رپورٹوں میں غیر متعلق باتیں بالکل نہیں ہونی چاہئیں۔ ان کو تیار کرتے وقت اس چیز کو سامنے رکھنا چاہیے کہ ان کا مقصد صرف یہ معلوم کرنا ہوتا ہے کہ آپ کس مقام پر ہیں، وہاں کے حالات کیا ہیں، جماعت کے مقاصد کے پھیلنے کے امکانات وہاں کس حد تک ہیں اب تک آپ نے کیا کیا ہے، آئندہ کیا کر سکنے کی توقع ہے، آپ کے رفیقوں کا کیا حال ہے، ہم دردوں کی ہم دردی کس طرح کی ہے اور مخالفتیں اور رکاوٹیں وغیرہ کس درجہ اور کس قسم کی ہیں۔ یہ اور اس طرح کے ضروری سوالات ہیں جن پر آپ کی ساری توجہ ہونی چاہیے۔ اسی طرح کی باتیں مرکز بھی آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہے اور یہی باتیں ہیں جن کو جماعت کے اراکین بھی جاننے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ غیر متعلق باتیں جو آپ اپنی رپورٹوں میں لکھتے ہیں ان سے وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور بہت سے پہلوؤں سے نقصان بھی ہوتا ہے۔ خاص طور پر ذاتی حالات اور افراد کی تعریف کا تو کوئی شائبہ بھی ان رپورٹوں میں نہیں ہونا چاہیے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس طرح کی رپورٹ تیار

* مولانا امین احسن اصلاحی کی کارپورٹوں پر تبصرہ

کرنا جس میں تمام ضروری باتیں ہوں، اور جو ساری غیر ضروری باتوں سے خالی ہو، کوئی آسان کام نہیں ہے، یہ بڑی مہارت کا کام ہے، لیکن اگر آپ میں صرف کارآمد باتوں پر توجہ پیدا ہو جائے اور آپ کی رپورٹ اپنی تعریف کی خواہش اور دوسروں کو گرانے کے جذبے اور باتوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے اور غیر ضروری رنگ ملانے سے خالی ہو جائے تو آپ کا کام بھی نہایت آسان ہو جائے گا اور ان رپورٹوں سے ہمارا جو اصل مقصد ہے وہ بھی بہترین طریقے پر حاصل ہو سکے گا۔

کوتاہی کے اعتراف کا فتنہ

ایک آدمی اگر سچائی کے ساتھ اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر رہا ہے تو یہ ایک اچھی عادت ہے، لیکن اس کا ایک پہلو خطرناک بھی ہے جس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اس سے ایک اندیشہ تو یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ یہ چیز آپ کی عادت بن جائے اور اس کے نیچے فرض کا احساس دب کر رہ جائے۔ اور دوسرا اندیشہ یہ ہے کہ اس سے کبھی کبھی آدمی میں خود کو کم تر بتانے والا گھمنڈ پیدا ہو جاتا ہے جس کا پیدا ہونا ایک سخت فتنہ ہے اور ہماری دلی آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ ایک آدمی اگر ایک چیز کو حق سمجھ گیا ہے تو اس کا فرض ہے کہ اس حق کے لیے ہر طرح کی زحمتیں اٹھائے اور ساری تکلیفیں جھیلے۔ جو شخص حق کو پامال ہوتے دیکھتا ہے اور اس کے لیے اس کے دل میں جوش نہیں پیدا ہوتا وہ دو حالتوں سے خالی نہیں۔ یا تو اس پر حق کی اصل قدر و قیمت واضح نہیں ہوئی ہے اور یہ علم کی خامی ہے یا اس کے اندر باطل کا رعب بیٹھا ہوا ہے اور یہ دل کا بگاڑ ہے۔ ایک سمجھ دار اور سلیم فطرت والے انسان سے سب سے پہلے جس بات کی توقع ہونی چاہیے وہ یہی ہے کہ وہ کبھی کسی حق کو مظلوم اور پامال دیکھنے پر راضی نہ ہو۔ جو شخص انسانیت کے جوہر سے خالی ہے، افسوس ہے اگر وہ پیدا ہوا اور اس سے بڑھ کر افسوس اس بات کا ہے کہ وہ زندہ ہے۔ اگر آدمی میں علم کی کمی ہے تو اس کا فرض ہے کہ اللہ کی کتاب کے ذریعے سے اپنے علم کو بڑھائے اور اگر ہمت کی کمی ہے تو چاہیے کہ اللہ سے دعا کرے کہ اللہ اس کو عمل کی توفیق دے اور بے ہمتی اور بزدلی کی بیماریوں سے نجات بخشے۔

جماعت اسلامی کا قیام بالکل بے فائدہ ہوگا اگر اس کے بعد بھی ہمارا علم صحیح نہ ہو، اور ہمارے دلوں میں بزدلی کا شیطان بیٹھا ہی رہے اور ہم بس کوتاہی کے اعتراف کے پردے میں اپنی کم زوریوں کو چھپاتے رہیں۔ ہم جو لٹریچر شائع کر رہے ہیں اس کا مقصد یہی ہے کہ لوگوں پر حق واضح ہو اور جماعتی زندگی کا نظام اسی لیے اختیار کیا ہے کہ ایک کی مضبوطی دوسرے کی کم زوری کو دور کرنے میں مدد کرے اور آپس کے تعاون سے وہ سرگرمی اور کوشش شروع ہو سکے جو اس وقت حق کی خدمت کے لیے مطلوب ہے۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ آپ میں علم کا شوق پیدا ہو اور جماعتی زندگی کی برکتیں حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن ہم کو سخت حیرت ہوتی ہے کہ لوگ خود اپنی ذمے داریوں کے بارے میں بھی یہی خواہش رکھتے ہیں کہ مرکز ہی ان کو بھی پورا کرے، لٹریچر شائع کر کے لوگوں میں علم پیدا کرے اور پھر ہاتھ پاؤں بن کر ان کے ذمے کے عمل کو بھی پورا کر دے۔ جو لوگ اس طرح کی خواہشیں اپنے دل کے اندر رکھتے ہیں ان کو یہ جاننا چاہیے کہ جو کام ان کے کرنے کے ہیں انھی کو کرنے ہوں گے اور وہ کام صرف تمناؤں سے نہیں بلکہ کرنے سے پورے ہوں گے۔ ہم کو کوئی ایسا جادو نہیں معلوم ہے جو ہم یہاں سے بیٹھے بیٹھے پھونک دیں اور سارے کام بن جائیں۔ ہم حق کو واضح کر سکتے ہیں اور اس کی خدمت کے لیے اپنا حصہ پورا کر سکتے ہیں، لیکن دوسروں کے اندر اس کے لیے ہمت پیدا کرنا ہمارے اختیار سے باہر ہے۔

صرف تیز رفتاری نہیں، صحیح سمت میں تیز رفتاری

بعض لوگوں کے اندر یہ خواہش بھی پائی جاتی ہے کہ جماعت کے کاموں کی رفتار تیز کرنے کے لیے کسی تیز رفتار جماعت کے ساتھ جوڑ کر لیا جائے اگرچہ اس کی تیز رفتاری کسی سمت میں ہو۔ جن لوگوں کے دماغوں میں اس طرح کی باتیں آتی ہیں وہ لوگ ابھی جماعت کے مزاج سے بہت دور ہیں۔ ان کو چاہیے کہ وہ جماعت کے لٹریچر کا اچھی طرح مطالعہ کریں تاکہ ان کے دماغ کی الجھنیں دور ہوں۔ ہم کو صرف تیز رفتاری نہیں چاہیے، بلکہ صحیح سمت میں تیز رفتاری چاہیے۔ کسی غلط سمت میں تیز چلنے سے ہمارے نزدیک یہ بہتر ہے کہ آدمی صحیح سمت کی طرف رُخ کر کے کھڑا رہے۔ جو

شخص کسی غلط راہ پر تیزی کے ساتھ بھاگا جارہا ہے اس کی حالت پر رشک کرنا حماقت اور اس کو تقلید کے قابل سمجھنا ہلاکت ہے۔ جن لوگوں کے دماغوں میں اس طرح کے خیالات گزرتے ہیں، ان کے لیے جماعت اسلامی میں داخل ہونے سے زیادہ بہتر یہ تھا کہ ابھی وہ تیز رفتار جماعتوں کی تیز رفتاری کا کچھ دنوں اور تجربہ کرتے اس کے بعد اگر وہ ہمارے ساتھ آتے تو شاید ہمارے لیے زیادہ پریشانی کا سبب نہ بنتے۔

مخالفتوں کا خیر مقدم

یہ نہایت خوشی کی بات ہے کہ ہمارے ارکان میں مخالفتوں سے جو مرعوبیت تھی وہ بہت کم ہورہی ہے۔ اب لوگوں میں رکاوٹوں کا مقابلہ کرکے آگے بڑھنے کی ہمت پیدا ہورہی ہے۔ یہ جماعتی زندگی کی برکت ہے اور اس برکت کا ظاہر ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ ہماری جماعتی زندگی کی اٹھان صحیح رخ پر ہورہی ہے۔ لیکن یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہم جس راہ پر چلنے کے لیے اٹھے ہیں اس راہ میں صرف یہ کافی نہیں ہے کہ مخالفتوں کا رعب کم ہوجائے۔ یہ تو اس راہ کا پہلا مطالبہ ہے، اس کے بغیر تو آپ اس راستے میں ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے۔ اس راہ کا اصل مطالبہ اس سے بہت زیادہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم میں مخالفتوں کے خیر مقدم کا جذبہ پیدا ہوجائے۔ حق کا راستہ ہو یا باطل کا، اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جو شخص جس راستہ کو اختیار کرتا ہے اس راہ میں اس کا امتحان ہوتا ہے اور راہ حق کا تو خاص نشان ہی یہی ہے کہ وہ شروع سے آخر تک امتحانوں سے بھری ہوتی ہے۔ جس طرح ریاضی کا ایک ذہین طالب علم کسی مشکل سوال سے خوش ہوتا ہے کہ اسے اپنی ذہانت کو آزمانے کا ایک اور موقع ہاتھ آیا اسی طرح ایک سچے عزم والے مومن کو کسی نئی آزمائش سے مقابلہ کرکے خوشی ہوتی ہے کہ اس کو حق کے ساتھ اپنی وفاداری کے ثبوت دینے کا ایک اور موقع ہاتھ آیا۔ ٹمٹماتے ہوئے دیئے بے شک ہوا کے جھونکوں سے بجھ جاتے ہیں لیکن بھڑکتے ہوئے تنور کو ہواؤں کے جھونکے اور زیادہ بھڑکا دیتے ہیں۔ آپ اپنے اندر یہ صلاحیت پیدا کریں کہ جس طرح ایک بھڑکتا ہوا تنور گیلی لکڑیوں سے بجھنے کے بجائے ان کو اپنی غذا بنالیتا ہے، اسی طرح آپ مخالفتوں سے دبنے کے بجائے

ان سے غذا اور قوت حاصل کریں۔ جب تک ہم میں یہ قابلیت نہ پیدا ہو جائے، امید نہیں کہ ہم اللہ کے دین کی کوئی اچھی خدمت کریں۔

آپ نے جن مخالفتوں کا ذکر کیا ہے وہ مختلف قسم کی ہیں، لیکن ان میں سے ڈرنے کی چیز ایک بھی نہیں، دنیا میں حق کی خدمت کے لیے جو کوشش بھی کبھی سامنے آئی ہے اس کے ساتھ یہ مخالفتیں بھی آپ سے آپ پیدا ہوئی ہیں، اور قرآن نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ان کا پیدا ہونا اللہ کی حکمت کے ٹھیک مطابق ہے۔ یہی سچے مومن اور نفس کے غلام کے درمیان فرق کی کسوٹی ہیں، اور انھی کے اندر انسان کا امتحان ہوتا ہے۔ اس لیے ان مخالفتوں سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہیے کہ وہ ہر مرحلے میں ہمیں ثابت قدم رکھے اور ہمارے عزم و ایمان کی حفاظت فرمائے۔

دعوت قبول کرنے میں دیر کیوں ہو رہی ہے؟

جماعت کے ارکان میں ایک عام سوال یہ بھی پایا جاتا ہے کہ جب جماعت اسلامی کی پوری دعوت اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت سے لی ہوئی ہے، بلکہ پوری کی پوری قرآن و سنت کی پیروی ہی کی دعوت ہے اور مخالفین ساری کوشش کے بعد بھی اب تک اس کی کوئی بات قرآن و سنت کے خلاف نہیں ثابت کر سکے ہیں، تو آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ مسلمان اس کو قبول کرنے میں اتنی دیر لگا رہے ہیں۔ یہ سوال ہم میں سے بہتوں کو حیرانی میں ڈالے ہوئے ہے اور کبھی کبھی دوسروں کی اس بے پروائی کی وجہ سے ہم میں سے کچھ کی نظر میں وہ حق بے وزن ہو جاتا ہے جو خود ان پر واضح ہو چکا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس سوال پر غور کیا جائے۔ ہم نے جہاں تک غور کیا ہے اس خالص دینی دعوت سے مسلمانوں کی بے پروائی کے اسباب نہایت گہرے ہیں۔ مسلمان اپنی موجودہ حالت تک ایک دو دن میں نہیں پہنچے ہیں۔ ان کو درجہ بہ درجہ اس حالت تک لایا گیا ہے۔ اور ہر منزل میں ان کو قرآن و سنت کی رو سے یہ اطمینان دلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہی حالت آج اسلام و ایمان کا تقاضا ہے۔ انھیں حق کے راستے سے ہٹے ہوئے ایک لمبا زمانہ گزر چکا ہے اور

اس غلط راستے کے ہر موڑ پر انھوں نے مدتوں یہ سمجھ کر ڈیرہ ڈالا ہے کہ یہی دین و شریعت کا سیدھا راستہ ہے اور ان کی اس غلط فہمی کو پختہ کرنے میں دینی پیشواؤں نے حصہ لیا ہے اور اس غلط راستے کو جائز ٹھہرانے، بلکہ اچھا قرار دینے کے لیے بھاری بھرکم کتابیں لکھ دی گئی ہیں، یہاں تک کہ ان کو یقین ہے کہ ان کا جو قدم بھی اٹھا ہے وہ شریعت کے دائرے کے اندر اٹھا ہے اور آج بھی جہاں وہ ہیں، وہ شریعت ہی کا ایک مقام ہے، اس سے الگ نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جس امت کو اس طرح درجہ بہ درجہ گرایا گیا ہو، جس کا گرنا اس طرح پوشیدہ ہو، جس کے زوال کی تاریخ اتنی لمبی ہو، جس کو یہ یقین دلایا گیا ہو کہ اس کا یہ گرنا، گرنا نہیں بلکہ اچھلنا ہے جو اس غلط فہمی میں ہو کہ وہ اپنی موجودہ حالت میں شریعت سے الگ نہیں، ٹھیک شریعت کے مطابق ہے، وہ آپ کی دعوت کو کس طرح آسانی کے ساتھ قبول کرسکتی ہے جو ان سے کسی ایک حصے کی تبدیلی اور اصلاح کا مطالبہ نہیں کرتی بلکہ ان سے سچی توبہ اور پوری اصلاح کا مطالبہ کرتی ہے۔ جب آپ ان سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اے وہ لوگو جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہو سچا ایمان لاؤ، اور ان کے اعمال سے لے کر ان کے عقائد تک میں خرابی بتاتے ہیں تو قدرتی طور پر ان کو اس ایمان سے چوٹ لگتی ہے اور ان کی دین داری کا پرانا بھرم اس سے زخمی ہوتا ہے۔ وہ یہ بات آسانی کے ساتھ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوسکتے کہ وہ آج تک ایک بالکل غلط راہ پر بھاگ رہے تھے۔ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ الاؤنس کا حق دار سمجھتا ہے اور مسلمانوں کو تو یہ غلط فہمی بھی ہے کہ اسلام ایک آسان دین ہے جس کو ہر حالت کے مطابق کیا جاسکتا ہے۔ اس وجہ سے وہ پابندیوں والا تنگ راستہ جو آپ ان کے سامنے پیش کررہے ہیں، اس پر آنے سے وہ گھبراتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جب وہ حالت بھی دین داری سے الگ نہیں ہے جو انھوں نے اختیار کررکھی ہے تو بلاوجہ زندگی کو قیدوں میں گھیرنے سے کیا فائدہ؟ اس لیے جب تک کہ آپ ان پر یہ حقیقت پوری طرح نہ واضح کردیں کہ ان کی موجودہ زندگی اسلام سے بالکل کٹ کر رہ گئی ہے اور اس حقیقت کو مان لینے کے لیے ان کے دلوں کو اپنی دلیلوں سے کھول بھی نہ دیں اس وقت تک توقع نہیں کہ وہ ہماری دعوت قبول کرنے پر تیار ہوں۔ لیکن یہ کام آسان

نہیں ہے، اس کو ہر شخص انجام نہیں دے سکتا۔ ہماری دعوت کے اسی پہلو سے لوگ گھبراتے ہیں اور اسی سے سخت غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور مخالفین کو یہیں سے لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکانے کا سامان ہاتھ آتا ہے۔ اس وجہ سے نہایت ضروری ہے کہ کم از کم ہماری جماعت کے امرا دعوت کے اس پہلو کو اچھی طرح سمجھ لیں اور جو لوگ اس کو اچھی طرح نہ سمجھے ہوں کم سے کم اس پہلو پر لوگوں سے گفتگو کرنے میں احتیاط کریں تاکہ بلاوجہ ہمارے کام میں رکاوٹیں نہ پیدا ہوں۔

سیاسی جماعتوں کی مخالفت اور ہمارا رویہ

ان جماعتوں کی مخالفت آپ کے ساتھ بالکل فطری ہے۔ ہمارے مقاصد اور ان کے مقاصد ایک دوسرے کی بالکل ضد ہیں۔ ہماری کامیابی اور ترقی میں ان کی موت چھپی ہوئی ہے۔ اس وجہ سے اگر وہ جماعتیں ہم کو اچھی طرح سمجھتی ہیں اور ساتھ ہی اپنے آپ کو بھی سمجھتی ہیں تو ان کو ہمارا دوست نہیں دشمن ہی ہونا چاہیے اور ہمیں ان کی طرف سے سب کچھ برداشت کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ وقت کی سیاسی جماعتوں میں سے کوئی جماعت ایسی نہیں ہے جس پر ہمارے لٹریچر اور ہماری دعوت کی زد سیدھی نہ پڑی ہو۔ آپ نے ان میں سے ہر ایک کے کام کو غلط کہا ہے اور ہر ایک کے وجود کو باطل قرار دیا ہے، پھر آپ کیوں توقع رکھتے ہیں کہ وہ آپ کو پیار کریں گی۔ سیاسی جماعتیں زندگی کے کارزار میں کوشش کرتی ہیں، اپنے حریفوں کو توڑ دینا یا اپنا لینا ان کی فطرت ہے۔ ان سے کسی رکھ رکھاؤ والی پالیسی کی امید رکھنا بالکل غلط ہے، لیکن اس بات کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ آپ ان کی مخالفت سے ڈر جائیں۔ ہر مخالفت ڈرنے کی چیز نہیں ہوتی۔ مخالفت صرف وہ وزنی اور قابلِ لحاظ ہوتی ہے جو کسی اصول کے ساتھ کسی بااصول جماعت کی طرف سے ہو۔ مجھے مسلمانوں میں کسی ایسی جماعت کا پتہ نہیں جس کا کوئی اصول ہو۔ ان کی حیثیت سیلاب میں بہنے والے تنکوں سے زیادہ نہیں ہے۔ اگر باطل کے پیچھے بھی بہادری اور ہمت ہو اور اس کی باتوں اور کاموں میں فرق نہ ہو تو وہ بھی ایک طاقت بن جاتا ہے۔ لیکن یہ دیکھنے میں حق نظر آنے والا باطل تو ایک لمحہ بھی میدان میں نہیں ٹک سکتا جو ہماری سیاسی جماعتیں لے کر نکلی ہیں۔ ان کی کم زوریاں

خود ان پر واضح ہیں اور اگر ابھی حقیقت واضح ہونے میں کچھ کسر رہ گئی ہے تو میں خبر دیتا ہوں کہ زمانہ جلد یہ کسر بھی پوری کر دے گا۔ اور وہ دن دور نہیں ہے جب یہ ساری جماعتیں اپنی ہستی باقی رکھنے کے لیے اس پر مجبور ہوں گی کہ ہماری سکھائی ہوئی بولیوں میں سے کسی نہ کسی بولی کو اختیار کر لیں اور اپنے کھوٹے سکّوں کو ہمارے کھرے سکّوں کے ساتھ ملا کر چلانے کی کوشش کریں۔ آپ لوگوں میں سے جو لوگ وقت کے حالات پر نظر رکھتے ہیں وہ میری اس پیشین گوئی کی تصدیق کریں گے، کیوں کہ ہماری بہت سی اصطلاحات (terminology) اب مختلف جماعتوں نے استعمال کرنی شروع کر دی ہیں اور ان اصطلاحات کی مذہبی کشش سے وہ اپنی گرتی ہوئی پوزیشن کو سنبھالنا چاہتی ہیں۔ ہمارے بعض ارکان اس صورتِ حال کو تشویش کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر ہماری اصطلاحات ان جماعتوں نے اختیار کر لیں تو بہت جلد عوام کے ذہنوں میں ان اصطلاحات کا ایسا غلط مفہوم بیٹھ جائے گا کہ اس کی اصلاح کے لیے ہم کو الگ ایک کوشش کرنی پڑے گی، نیز لوگوں میں یہ خیال پھیل جائے گا کہ ہم بھی وہی کچھ چاہتے ہیں جو یہ جماعتیں چاہتی ہیں۔ لیکن مجھے اس بات سے کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ میں اس میں جماعت کے لیے کوئی خطرہ نہیں دیکھتا۔ البتہ یہ جماعتیں، اگر ان اصطلاحات کے استعمال میں نیک نیت نہیں ہیں بلکہ صرف عوام کو دھوکہ دینے کے لیے استعمال کر رہی ہیں تو مجھے خود ان کی موت اس میں نظر آتی ہے۔ اس وقت جب کہ ہمارا کام جاری ہے، ہمارا لٹریچر پوری تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے اور ہم خواص سے گزر کر عوام کے ذہنوں کے قریب بھی آنے کی کوشش کر رہے ہیں، ہمیں اس کا ڈر نہیں ہے کہ لوگ ہماری اصطلاحات کی آڑ میں پناہ لے لیں گے۔ زیادہ زمانہ نہیں گزرے گا کہ ہماری باتیں کوٹھوں سے گونجیں گی اور گلیوں میں پکاری جائیں گی اور عام سے عام آدمی بھی ان کا وہی مطلب سمجھے گا جو ہم سمجھائیں گے۔ اس وقت کسی کے لیے بھی یہ ممکن نہ ہوگا کہ ان پردوں میں چھپ سکے۔ یا تو لوگوں کو اس حقیقت کو صاف صاف ماننا پڑے گا جو ہم پیش کر رہے ہیں یا میدان سے ہٹنا پڑے گا۔ ابھی ہم یا تو اپنی پوری بات کہہ نہیں سکے ہیں یا لوگ سمجھ نہیں سکے ہیں، اس وجہ سے دھوکا کھانے اور دھوکا دینے دونوں کا

امکان ہے۔ لیکن ان سارے امکانات کا دروازہ بند کرنے کی تدبیریں ہم کر رہے ہیں۔ اور ہم کو یقین ہے کہ ان شاء اللہ ہم ہی فتح مند رہیں گے۔ اللہ کی سنت یہ ہے کہ جب تک حق میدان میں نہیں آتا باطل کو جینے کی مہلت ملتی ہے۔ لیکن جب وہ میدان میں اتر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ غلبہ اسی کو دیتا ہے۔ میں مسلمانوں کی موجودہ سیاسی اور مذہبی جماعتوں میں سے کسی میں یہ صلاحیت نہیں دیکھتا کہ وہ ہماری بنائی ہوئی گولیوں کو ہضم کر سکے۔ ان میں سے کسی جماعت کا نہ کوئی سیاسی فکر ہے نہ کوئی اصول۔ اور نہ ان میں سے کسی کے پاس وہ کیرکٹر ہے جو جماعتوں کو فتح دلاتا ہے۔ باطل کی فوج میں وہ قابلیتیں موجود ہیں جن کا مظاہرہ نازیوں، کمیونسٹوں اور جمہوریت کے علم برداروں نے کیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ حق کے ان دعوے داروں میں جو اسلام جیسے عظیم حق کا نام لیتے ہیں، آج کوئی طاقت و قابلیت موجود نہیں ہے۔ ان کی ہستی تمام تر دوسروں سے مانگے ہوئے بلکہ چوری کیے ہوئے الفاظ پر قائم ہے۔

جماعتی نظم اور ڈسپلن کی پابندی

جماعتی زندگی کی سب سے بڑی خصوصیت ڈسپلن اور جماعتی نظم کی پابندی ہے۔ جماعت کا وجود ہی اس نظم کی پابندی کے ارادے سے ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس میں ذرا سی بے پروائی کا مطلب جماعت کی موت ہے۔ اس نظم کو قائم رکھنے کے لیے جماعت کے تمام افراد کو اپنی ذاتی خواہشوں اور رایوں کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ اس زندگی میں اپنی انا اور غرور کو توڑنا ضروری شرط ہے، افراد بکھری ہوئی اینٹوں کی طرح ہیں، ان کو ایک عمارت کی طرح بننے کے لیے ضرور اس بات پر تیار ہونا پڑتا ہے کہ تھوڑا سا زخم گوارا کریں۔ اگر ہر اینٹ اس بات پر اصرار کرے کہ وہ کوئی زخم گوارا نہ کرے گی تو عمارت نہیں بن سکے گی۔ اسی طرح اگر آپ میں سے ہر فرد اپنی رائے پر ضد کرے اور اپنی آزادی میں کسی طرح کی مداخلت گوارا نہ کرے تو جماعت نہیں بن سکتی۔ اور اگر بن جائے گی تو قائم نہ رہ سکے گی۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ جماعتی زندگی رائے کی آزادی کو برباد کرنے والی چیز ہے۔ بے شک اس کے لیے آدمی کو اپنی آزادی کا ایک حصہ قربان کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اس تھوڑے

حصے کو قربان کرکے آدمی اپنی پوری آزادی کو محفوظ کرلیتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس تھوڑی قربانی پر تیار نہیں ہوتا تو اسے اپنی پوری آزادی کھونی پڑتی ہے۔ جس طرح ایک خزانے کا مالک اگر اپنے خزانے کا کچھ حصہ پہرہ داروں اور محافظوں کی نذر نہ کرے تو اس کا پورا خزانہ خطرے میں رہتا ہے۔ اسی طرح افراد کی ساری آزادی خطرے میں ہے، اگر وہ جماعت کے حق میں اپنی آزادیِ رائے کو ایک حد تک قربان کرنے پر تیار نہ ہوں۔ آپ کی رپورٹوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی ہم میں اس شعور کی کمی ہے۔ کوشش کریں کہ لوگوں میں یہ شعور پیدا ہو۔ اس کا پیدا ہونا بس ایک اخلاقی خوبی نہیں ہے، بلکہ ایک اہم دینی ضرورت ہے۔ اور جن لوگوں کے اندر اس چیز کی کمی ہے وہ اس کی تلافی اس کو پورا کرکے ہی کرسکتے ہیں۔ نوافل کی کوئی مقدار اس کا بدل نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ جماعتی نظم میں بگاڑ پیدا کرنے والوں کے لیے اسلام میں نہایت سخت سزا ہے۔ جو لوگ اس چیز میں کوئی خرابی ڈالتے ہیں وہ اپنی ساری نیکیوں کا ثواب کھو بیٹھتے ہیں۔ میں ارکان جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس معاملے میں ذرا سی غفلت کو بھی گوارا نہ کریں۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے پھر عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے جو وعدے جماعت سے ہیں وہ افراد کے لیے نہیں پورے ہوں گے۔ اور اسلام کوئی ایسا دین نہیں ہے جس کے تقاضے صرف انفرادی زندگی سے پورے ہوسکیں چاہے اس میں کتنا ہی تقویٰ اور دین داری کیوں نہ ہو۔

جڑ اور شاخ میں فرق کرنا ضروری ہے

دین کی بعض چھوٹی باتوں کے لیے مسلمانوں کے بعض گروہوں میں بلاوجہ ہی ایک بہت بڑھی ہوئی عصبیت پیدا ہوگئی تھی۔ اور اس عصبیت کی شدت اور سختی اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ انھی چھوٹی باتوں کے لیے لوگ کٹنے مرنے لگ گئے تھے اور ان کا لگاؤ اس قدر مضبوط ہوگیا تھا کہ اس کے آگے اصل دین کے سارے مطالبے دب گئے تھے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے بعض ارکان میں اب بھی یہ پرانا مزاج کچھ نہ کچھ باقی ہے جس کے سبب ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں اس سے جماعت کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ ضرورت ہے کہ آپ جڑ اور شاخ میں فرق کرنا سیکھیں اور شاخوں کو سینچنے میں

اتنا زیادہ مصروف نہ ہو جائیں کہ درخت کی جڑ سوکھ کے رہ جائے۔ دین کی ایسی سمجھ جو آپ میں توازن پیدا کرے اور ہر چیز کو اس کی اصلی جگہ دینے کا مزاج بنائے، نہایت ضروری ہے۔ اگر اس چیز کی آپ میں کمی رہی تو نہیں معلوم آپ کس شاخ کو جڑ بنا کر اس کی خاطر ساری جماعت اور سارے دین کو خطرے میں ڈال دیں۔

تقویٰ اور دین داری کا صحیح تصور

اسی سلسلے میں ایک اور بات سے بھی خبردار کرنا نہایت ضروری ہے، وہ یہ کہ اس دور میں لوگوں کے ذہنوں میں دین داری کا ایسا غلط تصور پیدا ہو گیا ہے کہ جب کسی دینی کام کا ارادہ کیا جائے تو لوگ اس کے کارکنوں میں ایسی باتیں ڈھونڈنے لگتے ہیں جن کی دین میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اور جب وہ چیزیں نہیں پاتے تو پوری جماعت کو ایک غیر دینی جماعت بلکہ ایک نقصان دہ چیز قرار دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ جماعت اسلامی اپنے مقاصد کے اعتبار سے نہایت صالح اور بہت اعلیٰ جماعت ہے، لیکن اس کے لیڈروں میں تقویٰ نہیں ہے۔ اس پروپیگنڈے سے کسی نہ کسی حد تک ہمارے ارکان بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ بعض باتیں اس سلسلے میں بھی بتادی جائیں اور ان باتوں سے اپنے آپ کو محفوظ کرنا ہرگز مقصد نہیں ہے، بلکہ اصل حقیقت کو سامنے لانا مقصد ہے۔ اس جماعت کے لیڈروں میں سے کسی کو بھی تقویٰ کا دعویٰ نہیں ہے، البتہ ان حضرات کے تقویٰ پر حیرت ضرور ہے جو صحیح کام جماعت اسلامی کے کام کو سمجھتے ہیں، لیکن ہمارے اندر تقویٰ کی کمی کی وجہ سے عام مسلمانوں کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ ان لوگوں کے پیچھے چلو جو چاہے غلط راہ پر جا رہے ہیں لیکن متقی ہیں۔ ہم ان کو اللہ کا واسطہ دے کر ان کی ذمے داری یاد دلاتے ہیں کہ اگر ان پر حق کا راستہ واضح ہے اور ان میں تقویٰ بھی موجود ہے تو وہ خود آگے بڑھ کر قیادت اپنے ہاتھوں میں لیں، لیکن جانتے بوجھتے مسلمانوں کو غلط راستے پر چلنے کا مشورہ نہ دیں۔ انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ اس تقویٰ کے لیے حساب کا ایک دن بھی ہے، جس دن ان سے مسلمانوں کو جانتے بوجھتے غلط مشورہ دینے کے بارے میں پوچھا جائے گا، اور یہ جواب انھیں نہیں

بچا سکے گا کہ انھوں نے مسلمانوں کو "متقی" غلط کاروں کے پیچھے چلنے کا مشورہ دیا تھا۔

تقویٰ کے بناوٹی تقاضے

میں اس موقع پر دل کے پورے اطمینان کے ساتھ یہ حقیقت بھی واضح کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اس زمانے میں تقویٰ کے جو ضروری تقاضے پیدا ہو گئے ہیں، تقویٰ کے موسم بہار یعنی بہترین صدی میں ان کا کوئی نام و نشان بھی نہ تھا۔ موجودہ تقویٰ میں صرف یہ کافی نہیں ہے کہ حرام کو حرام قرار دیا جائے اور آدمی اس سے پرہیز کرے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں کو چھوڑ دے، اور ستم یہ کہ کچھ جائز چیزوں کو چھوڑنے پر اتنا زیادہ زور ہے کہ جہاں آدمی میں ان چیزوں کا شائبہ پایا گیا وہ شرابی مشہور ہوا، جب کہ بڑی بڑی اور کھلی ہوئی حرام چیزوں میں یہ لوگ مبتلا ہیں، لیکن ان کا احساس ان لوگوں کو ذرا بے چین نہیں کرتا۔ اگر ایک آدمی قرینے کی صاف ستھری زندگی بسر کرے تو ان کی ولایت سے وہ باہر ہے، لیکن طاغوت کی حمایت میں اپنی ساری قابلیتیں رات دن صرف کرنے والے محض چند رسموں کی پابندی کر کے روزانہ اللہ سے قربت کے نہایت اونچے مرحلے طے کرتے ہیں اور ان کے اس سفر میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی۔ حضرت مسیحؑ نے شاید اسی تقویٰ کو "مچھر کو چھاننے اور اونٹ کو نگلنے" سے تعبیر کیا ہے۔ اور کتنی سچی تعبیر ہے یہ اس تقویٰ کی جس میں داڑھی اور زبان کی ذرا سی غلطی گوارا نہیں کی جاتی، لیکن اللہ کی ساری شریعت کی بربادی پر ان کے سینوں میں ایک آہ بھی نہیں۔

اس دور میں تقویٰ کے لیے ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ آدمی کے پاس کسی خانقاہ کی سند ہو۔ اس سند کے بغیر چاہے کوئی شخص قرآن و سنت کا کتنا ہی پابند ہو تقویٰ کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب کہ یہ شرط دین میں ایک اضافہ ہے۔ قرآن میں جس تقویٰ کی تعریف کی گئی ہے وہ اللہ کی بتائی ہوئی حدوں کی پاس داری اور اللہ کے دین کو اپنے اوپر قائم کرنے اور دوسروں کو اس کی دعوت دینے سے زیادہ کچھ نہیں۔ اگر ایک شخص اللہ کی حدوں کا خیال رکھتا ہے، اللہ کی شریعت کی پابندی کرتا ہے، حرام اور بدعت سے بچتا ہے تو وہ متقی ہے خواہ وہ کسی خانقاہ سے جڑا ہو یا نہ ہو۔ دکھاوے کی

خاک ساری، بے سلیقہ سادگی، اقامتِ دین کی کوشش سے بے پروائی، غیر ثابت اوراد و وظائف سے لگاؤ اور اس قسم کی دوسری باتیں ہمارے ہاں نہیں ہیں۔ اور جن لوگوں کو ان چیزوں کی تلاش ہے، بہتر ہے کہ وہ کسی خانقاہ کی راہ لیں۔ ہم سے ان چیزوں کا مطالبہ نہ کریں۔ ہم سے انھی چیزوں کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے جن کی بنیاد اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت میں ہے۔ ان چیزوں کے سوا کوئی چیز ہمارے لیے دلیل نہیں بن سکتی۔ میں اِن باتوں کو اس لیے صاف صاف کہہ رہا ہوں کہ کسی کو ہمارے بارے میں کوئی غلط فہمی نہ رہے۔ ہم جتنے ہیں اس سے ایک حرف بھی زیادہ دکھانا پسند نہیں کرتے۔

حقیقی تقویٰ کیا ہے؟

مجھے یہ حقیقت بتادینے میں بھی کوئی باک نہیں ہے کہ آج یہ تقویٰ کے بہت سے ضروری تقاضے جو بنا لیے گئے ہیں، وہ اقامتِ دین کی اصلی کوشش پر پردہ ڈالنے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ ان لوگوں کو جب دین کے اصل مطالبے مشکل معلوم ہوئے اور انھیں نظر آیا کہ اس راہ میں چند مقامات بہت سخت آتے ہیں اور ساتھ ہی ان کو یہ شرمندگی بھی گوارا نہیں تھی کہ ان پر کم ہمتی کا الزام آئے تو انھوں نے دین کے اصلی مطالبوں کے دوسرے بدل تجویز کر لیے۔ میدان کا کام انھوں نے دنیا کو فتنہ کہہ کر چھوڑ دیا۔ خانقاہوں میں بیٹھ کر اوراد و وظائف کی مقداروں میں اضافہ کر دیا۔ پھر تقویٰ کی ایک خاص شکل طے پاگئی اور تقویٰ والی زندگی کا ایک خاص انداز وجود میں آگیا اور آہستہ آہستہ اب حال یہ ہوگیا ہے کہ ان کے ہاتھوں میں تقویٰ کا جو پیمانہ ہے ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر اس سے بہترین زمانے کے مسلمانوں کو بھی ناپا جائے تو شاید وہ بھی متقی نہ ثابت ہوسکیں۔ ہم اس تقویٰ کے قائل نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ کافی ہے کہ ایک سیدھے سادے اور پختہ مسلمان کی سی زندگی بسر کریں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جو بات آپ کے علم میں آئے اس پر کوئی کمی بیشی کیے بغیر جم جائیں۔ اپنی زندگی کا برابر جائزہ لیتے رہیں کہ آپ کے کام دکھاوے اور شہرت کے لیے نہ ہوں۔ اور رات دن اس کوشش میں لگے رہیں کہ اللہ کے بندوں پر صرف اللہ کے قانون کی حکومت ہو۔

حکومت کے دوسرے دعوے دار یا تو مٹ جائیں یا ان کو بدلنے اور نہ بدلنے کی صورت میں ان کو مٹانے میں ہم مٹ جائیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اب ان باتوں کو آپ خوب غور سے سن لیں۔ زمانہ بڑی تیزی سے بدل رہا ہے۔ ہمارے سامنے نہایت مشکل کام آنے والے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے سامنے کوئی سخت امتحان آجائے اور ہماری ٹیم غلط فہمیوں میں الجھی ہوئی ہو۔ آپ کے ہاتھ میں قرآن و سنت کے سوا کوئی پیمانہ نہیں ہونا چاہیے۔ اسی پیمانہ سے اپنی جماعت کی زندگی ہے اور اس میں کسی قسم کی نرمی اور سمجھوتے سے کام نہ لیں۔ دوسرے خیالات جو بے بنیاد ہیں ان کو چھوڑیے اور اگر ان کی گرفت آپ پر اتنی سخت ہے کہ آپ ان سے الگ نہیں ہو سکتے تو ہمیں اس بات کا کوئی غم نہ ہوگا کہ آپ ہم کو چھوڑ دیں۔ ہم نہ تو خود دھوکے میں رہنا چاہتے ہیں نہ دوسروں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔

ہمارا مطالبہ ہر مومن سے یہ ہے کہ وہ حنیف ہو، وہ ایک رخ اور ایک رنگ والا مومن اور مسلم ہو، وہ ہر اس چیز سے کٹ جائے، اور نہ کٹ سکتا ہو تو کٹنے کی برابر کوشش کرتا رہے، جو ایمان کے خلاف ہو اور اسلامی زندگی سے ٹکراتی ہو، وہ خوب اچھی طرح ایمان کے ایک ایک تقاضے کو سمجھے اور اسے پورا کرنے کی برابر کوشش کرتا رہے۔

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، روداد جماعت اسلامی، حصہ سوم، ص ۶۱)

بہت سی غلط فہمیاں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ صرف دوری کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اور بڑھتی رہتی ہیں، اور صرف قریب آنا، دیکھنا، اور ذاتی تعلق ہونا ہی ایسی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، روداد جماعت اسلامی، حصہ سوم، ص ۵۲)

اسلامی تحریک کی اخلاقی طاقت*

ہماری آخری منزل کیا ہے؟

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، ہماری کوششوں کی آخری منزل "قیادت کی تبدیلی" ہے۔ یعنی دنیا میں ہم جس آخری منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ برے اور خراب لوگوں کی قیادت ختم ہو کر اچھی قیادت کا نظام قائم ہو۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اِسی عظیم مقصد کے لیے کوشش کر کے ہم دنیا و آخرت میں اللہ کو راضی کر سکتے ہیں۔

یہ چیز جسے ہم نے اپنا مقصد قرار دیا ہے افسوس ہے کہ آج اس کی اہمیت سے مسلم اور غیر مسلم سبھی غافل ہیں، مسلمان اس کو بس ایک سیاسی مقصد سمجھتے ہیں اور ان کو کچھ احساس نہیں ہے کہ دین میں اس کی کیا اہمیت ہے۔ غیر مسلم کچھ تعصب کی بنا پر اور کچھ جانکاری نہ ہونے وجہ سے اس حقیقت کو جانتے ہی نہیں کہ اصل میں برے اور خراب لوگوں کی قیادت ہی سارے انسانوں کی مصیبتوں اور پریشانیوں کی جڑ ہے اور انسان کی بھلائی صرف اس میں ہے کہ دنیا کے معاملات کی باگ ڈور نیک اور اچھے لوگوں کے ہاتھوں میں ہو۔ آج دنیا میں ہر طرف جو بڑا بگاڑ پھیلا ہوا ہے، ظلم اور زیادتی ہو رہی ہے، پوری دنیا میں انسانی اخلاق بگڑ چکے ہیں، انسانی تمدن (civilization)، معیشت اور سیاست کی رگ رگ میں زہر پھیل گیا ہے، زمین کے تمام سامان اور انسانوں کی کھوجی ہوئی ساری قوتیں انسان کی بھلائی کے بجائے اس کی تباہی کے لیے استعمال ہو رہی ہیں، ان سب کی وجہ اگر کوئی ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ دنیا میں چاہے نیک لوگوں اور شریف انسانوں کی کمی نہ ہو، مگر

---

* مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تقریر

دنیا کے معاملات اُن کے ہاتھ میں نہیں ہیں، بلکہ اللہ سے پھرے ہوئے دنیادار اور بگڑے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ اب اگر کوئی شخص دنیا کو بنانا چاہتا ہو اور بگاڑ کی جگہ بناؤ، پریشانی کی جگہ امن، خراب اخلاق کی جگہ اچھے اخلاق اور برائیوں کی جگہ اچھائیوں کو لانا چاہتا ہو تو اس کا کام بس یہ نہیں ہے کہ نیکیوں کا وعظ دے دے، اللہ کا بندہ بننے کی نصیحت کر دے اور اچھے اخلاق پر تقریر کر دے، بلکہ اس کا فرض ہے کہ تمام انسانوں میں جتنے اچھے لوگ اس کو مل سکیں اُنھیں ملا کر وہ اجتماعی قوت تیار کرے، جس سے تمدن کی باگ ڈور بگڑے ہوئے لوگوں سے چھینی جا سکے اور قیادت کے نظام کو بدلا جا سکے۔

باگ ڈور کی اہمیت

انسانی زندگی کے مسائل کو جو تھوڑا سا بھی سمجھتا ہو وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں رہ سکتا کہ انسانی معاملات کے بناؤ اور بگاڑ کا آخری فیصلہ اس بات سے طے ہوتا ہے کہ انسانوں کے معاملات کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں ہے۔ جس طرح گاڑی ہمیشہ اُسی رخ پر چلا کرتی ہے، جس رخ پر ڈرائیور اس کو لے جانا چاہتا ہے اور دوسرے لوگ جو گاڑی میں بیٹھے ہوں، وہ چاہیں یا نہ چاہیں اسی رخ پر سفر کرنے کے لیے مجبور ہوتے ہیں، اسی طرح انسانی تمدن کی گاڑی بھی اسی رخ پر سفر کیا کرتی ہے، جس رخ پر وہ لوگ جانا چاہتے ہیں، جن کے ہاتھ میں تمدن کی باگیں ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ زمین کے سارے ذرائع جن کے قابو میں ہوں، قوت و اقتدار کی باگیں جن کے ہاتھ میں ہوں، عام انسانوں کی زندگی جن سے جڑی ہوئی ہو، خیال، فکر اور نظریہ کو بنانے اور ڈھالنے کے سامان جن کے قبضے میں ہوں، افراد کے کردار کو بنانا اور سماج کے نظام کو تشکیل دینا اور اخلاقی قدروں (moral values) کو طے کرنا جن کے اختیار میں ہو، اُن کی رہ نمائی اور اقتدار کے نیچے رہتے ہوئے انسانوں کا گروہ اُس راہ پر چلنے کے لیے مجبور ہوتا ہے جس پر وہ اُسے چلانا چاہتے ہیں۔ یہ رہ نما اور حاکم اگر نیک ہوں اور اللہ کے سچے بندے ہوں تو ضرور زندگی کا سارا نظام اللہ کی بندگی اور اچھائی اور بھلائی پر چلے گا، برے لوگ بھی اچھے بننے پر مجبور ہوں گے، بھلائیوں کو ترقی نصیب ہوگی اور برائیاں اگر مٹیں گی

نہیں تو کم از کم بڑھ بھی نہ سکیں گی۔ لیکن اگر رہ نمائی اور حکومت اُن لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو اللہ سے پھرے ہوئے اور برائیوں میں گھرے ہوئے ہوں تو آپ سے آپ زندگی کا سارا نظام اللہ سے بغاوت، انسانوں پر ظلم اور گندے اخلاق پر چلے گا۔ خیالات و نظریات، علوم و آداب، سیاست و معیشت، تہذیب و معاشرت، اخلاق و معاملات، عدل و قانون، سب کے سب بگڑ جائیں گے۔ برائیاں خوب ترقی پائیں گی۔ بھلائیوں کو کہیں رہنے کے لیے جگہ اور پنپنے کے لیے غذا نہیں ملے گی اور اللہ کی زمین ظلم سے بھر جائے گی۔

ایسے نظام میں برائی کی راہ پر چلنا آسان اور بھلائی کی راہ پر چلنا کیا، کھڑے رہنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ جس طرح آپ نے کسی بڑی بھیڑ میں دیکھا ہوگا کہ ساری بھیڑ جس طرف جارہی ہے، اس طرف چلنے کے لیے تو آدمی کو کچھ قوت لگانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ بھیڑ کی قوت سے خود ہی اسی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے، لیکن اگر اس کے مخالف رخ میں کوئی چلنا چاہے تو وہ بہت زور مار کر بھی مشکل سے ایک آدھ قدم چل سکتا ہے، اور جتنے قدم وہ چلتا ہے بھیڑ کا ایک ہی ریلا اس سے کہیں زیادہ اُسے پیچھے ڈھکیل دیتا ہے، اسی طرح سماج کا نظام بھی جب برے لوگوں کی قیادت میں کفر اور بگاڑ کی راہوں پر چل پڑتا ہے تو افراد اور گروہوں کے لیے غلط راہ پر چلنا تو اتنا آسان ہو جاتا ہے کہ انھیں اس پر چلنے کے لیے کچھ زور لگانے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی، لیکن اگر وہ اس کے خلاف چلنا چاہیں تو اپنے جسم و جان کا سارا زور لگانے پر بھی ایک آدھ قدم ہی صحیح راستے پر بڑھ سکتے ہیں۔ اور سماج کی طاقت انھیں ڈھکیل کر میلوں پیچھے ہٹا لے جاتی ہے، وہ خود کو روکتے ہی رہ جاتے ہیں۔

واقعات کی گواہی

یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں یہ کوئی ایسا خیال نہیں ہے جسے ثابت کرنے کے لیے دلیلوں کی ضرورت ہو، بلکہ واقعات نے اسے ایک کھلی ہوئی حقیقت بنا دیا ہے جس سے کوئی آنکھوں والا انکار نہیں کرسکتا۔ آپ خود ہی دیکھ لیں کہ پچھلے سو برسوں کے اندر آپ کے اپنے ملک میں کس طرح خیالات و نظریات بدلے، پسند اور مزاج بدلے، سوچنے کے انداز اور دیکھنے کے زاویے بدلے،

تہذیب واخلاق کے معیار اور قدر وقیمت کے پیمانے بدلے اور کون سی چیز رہ گئی ہے، جو بدل نہ گئی ہو۔ یہ سارا بدلاؤ جو دیکھتے دیکھتے آپ کی اسی سرزمین میں ہوا، اس کی اصلی وجہ آخر کیا ہے؟ کیا آپ اس کی وجہ اس کے سوا کچھ اور بتاسکتے ہیں کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں باگ ڈور تھی اور رہ نمائی اور حکومت پر جن کا قبضہ تھا، انھوں نے پورے ملک کے اخلاق، ذہن، نفسیات، معاملات اور تمدن کو اُس سانچے میں ڈھال کر رکھ دیا جو ان کی اپنی پسند کے مطابق تھا؟ پھر جن طاقتوں نے اس بدلاؤ کو روکنے کی کوشش کی، ذرا دیکھیں کہ انھیں کام یابی کتنی ہوئی اور ناکامی کتنی۔ کیا ایسا نہیں ہوا کہ کل جو روکنے والی تحریک کے لیڈر تھے آج اُن کی اولاد وقت کے ساتھ بہی چلی جارہی ہے اور اُن کے گھروں تک میں بھی وہی سب کچھ پہنچ گیا ہے جو گھروں سے باہر پھیل چکا تھا؟ کیا ایسا نہیں ہوا کہ بڑے بڑے مذہبی رہ نماؤں تک کی نسل سے وہ لوگ اٹھ رہے ہیں جنھیں اللہ کے بارے میں اور وحی ورسالت کے بارے میں بھی شک ہے؟ یہ سب دیکھنے کے بعد بھی کیا کسی کو یہ حقیقت ماننے میں دیر ہوسکتی ہے کہ انسانی زندگی کے مسائل میں اصل مسئلہ باگ ڈور کا مسئلہ ہے؟ اور یہ اہمیت اس مسئلے نے کچھ آج ہی اختیار نہیں کی ہے بلکہ ہمیشہ سے اس کی یہی اہمیت رہی ہے۔ جیسا راجا ویسی پرجا بہت پرانی کہاوت ہے۔ اور اسی بنا پر رسول ﷺ کی حدیث میں قوموں کے بناؤ اور بگاڑ کا ذمے دار اُن کے علما اور امرا کو قرار دیا گیا ہے، کیوں کہ لیڈر شپ انھی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

صحیح قیادت قائم کرنا دین کا حقیقی مقصد ہے

اوپر کی بات سے یہ سمجھنا آسان ہوجاتا ہے کہ دین میں اس کی کیا اہمیت ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اللہ کا دین پہلے تو یہ چاہتا ہے کہ لوگ پورے طور پر اللہ کے بندے بن کر رہیں اور اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کریں۔ پھر وہ چاہتا ہے کہ اللہ ہی کا قانون لوگوں کی زندگی کا قانون بن کر رہے۔ پھر اس کا مطالبہ یہ ہے کہ زمین سے بگاڑ مٹے، اُن برائیوں کو اکھاڑ پھینکا جائے جن کی وجہ سے اللہ زمین والوں سے ناراض ہوتا ہے، اور ان اچھائیوں اور بھلائیوں کو پھیلایا جائے جو اللہ کو پسند ہیں۔ اِن میں سے کوئی ایک مقصد بھی پورا نہیں ہوسکتا ہے اگر انسانوں کی قیادت اور انسانی معاملات کی

کنجی کفر اور گم راہی کے لیڈروں کے ہاتھوں میں ہو اور اللہ کے دین پر چلنے والے بس اُن کے نیچے رہ کر اُن کی دی ہوئی رعایتوں اور گنجائشوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اللہ کو یاد کرتے رہیں۔ ضروری ہوجاتا ہے کہ اچھائی اور بھلائی کو چاہنے والے سب لوگ جو اللہ کی خوشی چاہتے ہوں، اجتماعی قوت پیدا کریں اور سر دھڑ کی بازی لگا کر حق کا ایسا نظام قائم کرنے کی کوشش کریں جس میں قیادت ایمان والوں اور نیک لوگوں کے ہاتھوں میں ہو۔ اس چیز کے بغیر وہ مقصد حاصل ہی نہیں ہوسکتا ہے جو دین کا اصل مقصد ہے۔

اسی لیے اچھی قیادت اور صحیح نظام قائم کرنا دین کا مقصد ہے اور اس چیز سے غفلت برتنے کے بعد کوئی عمل ایسا نہیں ہوسکتا جس سے انسان اللہ تعالیٰ کو خوش کر سکے۔ غور کریں، آخر قرآن و حدیث میں جماعت سے چمٹے رہنے اور امیر کی اطاعت کرنے پر اتنا زیادہ زور کیوں دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص جماعت سے بغاوت کرلے تو اس سے جنگ واجب ہے، چاہے وہ کلمہ پڑھتا ہو اور نماز روزے کا پابند ہو؟ کیا اس کی وجہ یہ اور صرف یہی نہیں ہے کہ اچھی قیادت اور صحیح نظام کا ہونا دین کا حقیقی مقصد ہے، اور اس مقصد کو پانے کے لیے اجتماعی طاقت ضروری ہے، اس لیے جو شخص اجتماعی طاقت کو نقصان پہنچاتا ہے وہ اتنا بڑا جرم کرتا ہے جس کی تلافی نہ نماز سے ہوسکتی ہے اور نہ کلمہ پڑھنے سے؟ پھر دیکھیں کہ آخر اس دین میں جہاد کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے کہ اس سے جی چرانے اور منہ موڑنے والوں کو قرآن مجید منافق کہتا ہے؟ جہاد تو کہتے ہی ہیں صحیح نظام قائم کرنے کی کوشش کو اور قرآن اسی جہاد کو وہ کسوٹی قرار دیتا ہے جس پر آدمی کا ایمان پرکھا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس کے دل میں ایمان ہوگا وہ نہ تو باطل کے نظام پر راضی ہوسکتا ہے اور نہ حق کے نظام کو قائم کرنے کی کوشش میں جان و مال سے پیچھے ہٹ سکتا ہے۔ اس معاملے میں جو شخص کمزوری دکھائے اس کے ایمان ہی میں شبہ ہے، پھر بھلا کوئی دوسرا عمل اسے کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟

جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہ یہ حقیقت سمجھانے کے لیے بالکل کافی ہے کہ اسلام میں اچھی قیادت کا قیام مرکز اور مقصد کی حیثیت رکھتا ہے، جو شخص اس دین پر ایمان لایا ہو اُس کا کام

صرف اتنے ہی پر ختم نہیں ہو جاتا کہ اپنی زندگی کو جہاں تک ہو سکے اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرے، بلکہ اس کے ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے کہ وہ اپنی تمام کوشش و محنت کو اِس ایک مقصد پر لگادے کہ باگ ڈور کافر اور برے لوگوں کے ہاتھ سے نکل کر نیک لوگوں کے ہاتھ میں آئے اور حق کا وہ نظام قائم ہو جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق دنیا کے انتظام کو درست کرے اور درست رکھے۔ یہ اونچا مقصد اجتماعی کوشش کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اس لیے ایک ایسی نیک جماعت کا ہونا ضروری ہے جو خود حق کے اصولوں کی پابند ہو اور حق کے نظام کو قائم کرنے، اسے باقی رکھنے اور ٹھیک ٹھیک چلانے کے سوا دنیا میں کوئی دوسری غرض اپنے سامنے نہ رکھے۔ زمین پر اگر صرف ایک ہی آدمی مومن ہو تب بھی اس کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ اپنے آپ کو اکیلا اور لاچار پاکر باطل کے نظام پر راضی ہو جائے یا کم تر برائی کے بہانے تلاش کر کے کفر اور برائی کے نیچے کچھ آدھی پونی مذہبی زندگی کا سودا چکانا شروع کر دے۔ بلکہ اس کے لیے سیدھا اور صاف راستہ صرف یہی ایک ہے کہ اللہ کے بندوں کو زندگی کے اس راستے کی طرف بلائے جو اللہ کو پسند ہے۔ پھر اگر کوئی اس کی بات سن کر نہ دے تو اس کا ساری عمر صحیح راستے پر کھڑے ہو کر لوگوں کو پکارتے رہنا اور پکارتے پکارتے مر جانا اِس سے لاکھ درجہ بہتر ہے کہ وہ اپنی زبان سے وہ صدائیں بلند کرنے لگے جو گم راہی میں بھٹکی ہوئی دنیا کو پسند ہوں، اور اُن راہوں پر چل پڑے جن پر کفر والوں کی قیادت میں دنیا چل رہی ہو۔ اور اگر کچھ اللہ کے بندے اس کی بات سننے پر آمادہ ہو جائیں تو اس کے لیے لازم ہے کہ ان کے ساتھ مل کر ایک جتھا بنائے اور یہ جتھا اپنی تمام اجتماعی قوت اِس عظیم مقصد کے لیے کوشش کرنے میں لگادے۔

مجھے اللہ نے دین کا جو تھوڑا بہت علم دیا ہے، اور قرآن و حدیث کے مطالعے سے جو بھی سمجھ بوجھ مجھے حاصل ہوئی ہے، اس سے میں دین کا تقاضا یہی سمجھا ہوں۔ میرے نزدیک یہی اللہ کی کتاب کا مطالبہ ہے، یہی نبیوں کی سنت ہے اور میں اپنی اس رائے سے ہٹ نہیں سکتا جب تک کوئی اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت ہی سے مجھ پر یہ ثابت نہ کر دے کہ دین یہ نہیں چاہتا ہے۔

قیادت کے بارے میں اللہ کا قانون

اپنی کوششوں کے اِس مقصد اور منزل کو سمجھ لینے کے بعد اب ہمیں اللہ کے اُس قانون کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے جس کی رو سے ہم اپنے اس مقصد کو پاسکتے ہیں۔ یہ کائنات جس میں ہم رہتے ہیں اسے اللہ نے ایک قانون پر بنایا ہے اور اس کی ہر چیز ایک لگے بندھے ضابطے پر چل رہی ہے۔ یہاں کوئی کوشش صرف پاکیزہ خواہشات اور اچھی نیتوں کی بنا پر کام یاب نہیں ہو سکتی اور نہ صرف پاک انسانوں کی برکتیں ہی اس میں پھل لاسکتی ہیں، بلکہ اس کے لیے اُن شرطوں کا پورا ہونا ضروری ہے جو ایسی کوششوں کے پھل لانے کے لیے اللہ کے قانون میں طے ہیں۔ آپ اگر کھیتی کریں تو چاہے آپ کتنے ہی بزرگ انسان ہوں اور کتنا ہی زیادہ ذکر میں مشغول رہتے ہوں، آپ کا بویا ہوا کوئی بیج پھول پتے نہیں لاسکتا، جب تک آپ اس کوشش میں اُس قانون کی پوری پوری پابندی نہ کریں جو اللہ نے کھیتوں کے فصل اگانے کے لیے طے کر دیا ہے۔ اِسی طرح قیادت کے نظام کی وہ تبدیلی بھی جو آپ چاہتے ہیں کبھی صرف دعاؤں اور پاک تمناؤں سے نہیں آسکے گی، بلکہ اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ آپ اُس قانون کو سمجھیں اور اس کی ساری شرطیں پوری کریں جس کے تحت دنیا میں قیادت قائم ہوتی ہے، کسی کو ملتی ہے اور کسی سے چھین لی جاتی ہے۔

انسان کی ہستی کو اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر دو الگ الگ حیثیتیں پائی جاتی ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں اور ملتی جلتی بھی۔

اس کی ایک حیثیت تو یہ ہے کہ وہ ایک جان دار ہے جس پر وہی قانون جاری ہوتے ہیں جو تمام جان داروں پر جاری ہیں۔ وہ انھی ذرائع اور حالات کی بنا پر کچھ کرسکتا ہے جن کی بنا پر دوسرے جان دار کچھ کرتے ہیں۔ وہ فطرت کے قانون اور فطری حالات سے باہر نہیں نکل سکتا، ان کے اندر رہ کر ہی کچھ کرسکتا ہے۔ اور اس کے کاموں پر اسباب کی تمام قوتیں اچھا یا خراب اثر ڈالتی ہیں۔

دوسری اس کے انسان ہونے کی حیثیت ہے، یعنی اس کے اندر ایک اخلاقی وجود ہوتا ہے۔ یہ اخلاقی وجود طبعی قوانین کا پابند نہیں ہوتا ہے بلکہ اُن پر ایک طرح سے حکومت کرتا ہے۔ یہ خود

انسان کی فطری طاقتوں کو بھی اپنے آلے کے طور پر استعمال کرتا ہے اور باہر کی دنیا کے اسباب کو بھی اپنا پابند کرنے اور اُن سے کام لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اِس کی قوتیں وہ اخلاقی خوبیاں ہیں جو اللہ نے انسان میں رکھے ہیں اور اس پر حکومت بھی طبعی قوانین کی نہیں بلکہ اخلاقی قوانین کی ہے۔

چڑھاؤ اور گراوٹ کا فیصلہ اخلاق سے ہوتا ہے

یہ دونوں حیثیتیں انسان کے اندر مل جل کر کام کر رہی ہیں۔ اُس کی کام یابی اور ناکامی اور اس کا اوپر اٹھنا اور نیچے گرنا مادی اور اخلاقی دونوں قسم کی قوتوں کے بل پر ہوتا ہے۔ اس کے لیے مادی قوت بھی ضروری ہے اور اخلاقی قوت بھی۔ وہ اوپر اٹھتا ہے تو دونوں کے سہارے اور نیچے گرتا ہے تو اُسی وقت جب یہ دونوں طاقتیں اس کے ہاتھ سے جاتی رہتی ہیں، یا اُن میں وہ دوسروں کے مقابلے میں کم زور ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسانی زندگی میں اصل فیصلہ اخلاقی طاقت کرتی ہے نہ کہ مادی طاقت۔ اس میں شک نہیں کہ مادی سامان کا ملنا، طبعی ذرائع کو کام میں لانا اور باہر کے اسباب کا موافق ہونا بھی کام یابی کے لیے ضروری شرط ہے اور جب تک انسان فطرت کی اس دنیا میں رہتا ہے یہ شرط کسی طرح ختم نہیں ہوسکتی۔ مگر وہ اصل چیز جو انسان کو گراتی اور اٹھاتی ہے اور اس کی قسمت کے بنانے اور بگاڑنے میں جس کا سب سے بڑا رول ہے وہ اخلاقی طاقت ہی ہے۔ ہم انسان کو انسان اس کے جسم یا اس کی جان کی بنا پر نہیں بلکہ اس کے اخلاق کی بنا پر کہتے ہیں۔ آدمی دوسری چیزوں سے جس خصوصیت کی بنا پر الگ اور نمایاں ہوتا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ وہ جگہ گھیرتا ہے یا سانس لیتا ہے یا اس کی نسل جاری رہتی ہے، بلکہ اس کی وہ خصوصیت، جو اسے سب سے الگ جاندار ہی نہیں بلکہ اسے زمین میں خلیفہ بناتی ہے، وہ اس کا اخلاقی اختیار اور اخلاقی ذمے داری رکھنا ہے۔ اس لیے جب انسانیت کا اصل جوہر اخلاق ہے تو پھر ضرور یہ ماننا پڑے گا کہ اخلاق ہی انسانی زندگی کے بناؤ اور بگاڑ میں فیصلہ کرتا ہے اور اخلاقی قوانین ہی کے تحت انسان کے اوپر اٹھنے اور نیچے گرنے کا فیصلہ ہوتا ہے۔

اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد جب ہم اخلاق کو الگ الگ کر کے دیکھتے ہیں تو ان کی دو قسمیں ہمارے سامنے آتی ہیں: (۱) بنیادی اخلاق، (۲) اسلامی اخلاق۔

بنیادی اخلاق

بنیادی اخلاق کا مطلب وہ خوبیاں ہیں جو انسان کے اخلاق کی بنیاد بنتی ہیں۔ ان میں وہ تمام خوبیاں آتی ہیں جو دنیا میں انسان کی کام یابی کے لیے ضروری شرطیں ہیں، چاہے وہ صحیح مقصد کے لیے کام کر رہا ہو یا غلط مقصد کے لیے۔ ان اخلاق میں اِس سوال کا کوئی دخل نہیں ہے کہ آدمی اللہ، وحی اور رسول اور آخرت کو مانتا ہے یا نہیں، اس کا نفس پاک ہے، اس کی نیت اچھی ہے اور اس کا عمل نیک ہے یا ایسا نہیں ہے، وہ اچھے مقصد کے لیے کام کر رہا ہے یا برے مقصد کے لیے۔ مطلب یہ کہ کسی میں ایمان ہو یا نہ ہو، اور اس کی زندگی پاک ہو یا ناپاک، اس کی کوشش کا مقصد اچھا ہو یا برا، جو شخص اور جو گروہ بھی اپنے اندر وہ خوبیاں رکھتا ہوگا، جو دنیا میں کام یابی کے لیے ضروری ہیں، وہ ضرور کام یاب ہوگا، اور اُن لوگوں سے بازی لے جائے گا جو اِن خوبیوں میں اس سے کم تر ہوں گے۔

مومن ہو یا کافر، نیک ہو یا بد، بنانے والا ہو یا بگاڑنے والا، غرض جو بھی ہو، وہ اگر کام کا انسان ہو سکتا ہے تو صرف اُسی صورت میں جب کہ اس کے اندر ارادے کی طاقت اور فیصلے کی قوت ہو، عزم اور حوصلہ، صبر و ثبات اور جماؤ ہو، گوارا کرنے اور برداشت کرنے کی خوبی ہو، ہمت اور بہادری ہو، پھرتی اور جفاکشی ہو، اپنے مقصد کا عشق اور اس کے لیے ہر چیز قربان کر دینے کا بل بوتا ہو، حزم و احتیاط اور سمجھ بوجھ ہو، حالات کو سمجھنے اور اُن کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے اور مناسب تدبیر کرنے کی قابلیت ہو، اپنے جذبات و خواہشات پر قابو ہو، اور دوسرے انسانوں کو موہنے اور اُن کے دل میں جگہ پیدا کرنے اور اُن سے کام لینے کی صلاحیت ہو۔

پھر ضروری ہے کہ اس کے اندر وہ شریفانہ خوبیاں بھی کچھ نہ کچھ موجود ہوں جو حقیقت میں آدمی کا جوہر ہیں اور جن کی وجہ سے آدمی کا وقار اور بھروسہ دنیا میں قائم ہوتا ہے۔ جیسے خودداری، سخاوت، رحم، ہم دردی، انصاف، سچائی، امانت، راست بازی، اعتدال، شائستگی، پاکی و صفائی، عہد کا پاس رکھنا، دل و نظر کا کشادہ ہونا، معقول بات کرنا، اور ذہن و نفس کو ضابطوں کا پابند رکھنا۔

یہ خوبیاں اگر کسی قوم یا گروہ کے زیادہ تر افراد میں پائی جائیں تو اس کا مطلب ہے کہ اس کے

پاس انسانیت کا وہ سرمایہ موجود ہے جس سے ایک طاقت ور اجتماعیت بن سکتی ہے۔ لیکن یہ سرمایہ ایک جگہ ہو کر بھی ایک مضبوط اور کام آنے والی اجتماعی طاقت نہیں بن سکتا جب تک کچھ دوسری اخلاقی خوبیاں بھی اس کی مدد پر نہ آئیں۔ جیسے تمام یا زیادہ تر افراد کسی اجتماعی مقصد پر متفق ہوں اور اُس مقصد کو اپنی ذاتی غرض، بلکہ اپنی جان، مال اور اولاد سے بھی زیادہ چاہیں۔ اُن کے اندر آپس کی محبت اور ہم دردی ہو۔ اُنھیں مل کر کام کرنا آتا ہو۔ وہ اپنی انا اور خواہش کو کم از کم اُس حد تک قربان کر سکیں جو منظم کوشش کرنے کے لیے ضروری ہے۔ وہ صحیح و غلط لیڈر میں فرق کر سکتے ہوں اور موزوں آدمیوں ہی کو اپنا لیڈر بنائیں۔ اُن کے لیڈروں میں اخلاص اور اچھی تدبیر اور لیڈرشپ کی دوسری ضروری خوبیاں پائی جاتی ہوں۔ اور خود قوم یا جماعت بھی اپنے لیڈروں کی اطاعت کرنا جانتی ہو، ان پر اعتماد رکھتی ہو، اور اپنے تمام ذہنی، جسمانی اور مادی ذرائع اُن کے کنٹرول میں دے دینے پر تیار ہو۔ اور پوری قوم کے اندر ایسی زندہ اور حساس رائے عامہ پائی جاتی ہو جو کسی ایسی چیز کو اپنے اندر پنپنے نہ دے جو اجتماعی کام یابی کے لیے نقصان دہ ہو۔

بنیادی اخلاق کی اہمیت

یہ ہیں وہ اخلاق جن کو میں "بنیادی اخلاق" کہتا ہوں، کیوں کہ انسان کی اخلاقی طاقت کو اصل طاقت انھی اخلاقی خوبیوں سے ملتی ہے۔ اور انسان کسی مقصد کے لیے بھی دنیا میں کام یاب کوشش نہیں کر سکتا جب تک اِن خوبیوں کی طاقت اس کے اندر نہ ہو۔ ان اخلاق کی مثال ایسی ہے جیسے فولاد، کہ وہ اپنے آپ میں ٹھوس اور مضبوط ہوتا ہے اور اگر کوئی کام کا ہتھیار بن سکتا ہے تو اسی سے بن سکتا ہے، چاہے وہ غلط مقصد کے لیے استعمال ہو یا صحیح مقصد کے لیے۔ آپ کے سامنے صحیح مقصد ہو تب بھی آپ کے کام کا وہی ہتھیار ہو سکتا ہے جو فولاد سے بنا ہو نہ کہ سڑی گلی پھُس پھُسی لکڑی سے، جو ایک ذرا سے بوجھ اور معمولی سی چوٹ کی بھی تاب نہ لا سکتی ہو۔ یہی وہ بات ہے، جسے نبی ﷺ نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ "تم میں جو لوگ جاہلیت میں بہترین تھے وہی اسلام میں بھی بہترین ہیں۔" یعنی جاہلیت کے زمانے میں جو لوگ اپنے اندر قابلیت رکھتے تھے

وہی اسلام کے زمانے میں کام کے مرد ثابت ہوئے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان کی قابلیت پہلے غلط راہوں میں لگ رہی تھی اور اسلام نے آکر اسے صحیح راہ پر لگا دیا۔ ناکارہ انسان نہ جاہلیت کے کسی کام کے تھے نہ اسلام کے۔ نبی ﷺ کو عرب میں جو زبردست کامیابی حاصل ہوئی اور جس کے اثرات تھوڑی ہی مدت گزرنے کے بعد دریائے سندھ سے لے کر اٹلانٹک کے ساحل تک دنیا کے ایک بڑے حصے نے محسوس کر لیے، اُس کی وجہ یہی تو تھی کہ آپ کو عرب میں بہترین انسان مل گئے تھے، جن کے اندر کیرکٹر کی زبردست طاقت موجود تھی۔ اگر آپ کو بودے، کم ہمت، کم زور ارادہ، اور ناقابلِ اعتماد لوگوں کی بھیڑ مل جاتی تو کیا پھر بھی وہ سب کچھ ہو سکتا تھا؟

بنیادی اخلاق کے لیے اسلامی اخلاق کی اہمیت

اب اخلاق کی دوسری قسم کو لیں جسے میں "اسلامی اخلاق" کہہ رہا ہوں۔ یہ بنیادی اخلاق سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اسی کی صحیح اور مکمل صورت ہے۔

(۱) بنیادی اخلاق کو اچھائی بنانا

اسلام کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ بنیادی اخلاق کو ایک صحیح مرکز دیتا ہے، جس سے جُڑ کر وہ اچھائی بن جاتے ہیں۔ یوں تو وہ بس ایک قوت ہیں جو اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی، جس طرح تلوار کا حال ہے کہ وہ بس ایک کاٹ ہے جو ڈاکو کے ہاتھ میں جا کر ظلم کا سامان بھی بن سکتی ہے اور اللہ کے مجاہد کے ہاتھ میں جا کر اچھائی کا سامان بھی، اُسی طرح اِن اخلاق کا بھی کسی شخص یا گروہ میں ہونا اچھائی کی بات نہیں ہے بلکہ اچھائی کی بات یہ ہے کہ یہ قوت صحیح راہ میں لگے اور اس کو صحیح راہ پر لگانے کا کام اسلام کرتا ہے۔ اسلام توحید کی دعوت دیتا ہے، اور توحید تقاضا کرتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں انسان کی تمام کوششوں اور محنتوں کا اور اس کی دوڑ دھوپ کا مقصد صرف اور صرف اللہ کو خوش کرنا ہو وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَ نَحْفِدُ "خدایا ہماری ساری کوششیں اور ساری دوڑ دھوپ تیری ہی خوشی پانے کے لیے ہے" اور اس کی سوچ اور اس کے کام اس لائن کے اندر رہیں جو اللہ نے اس کے لیے کھینچ دی ہے: اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ لَکَ نُصَلِّیْ وَ نَسْجُدُ "خدایا ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں

اور تیرے ہی لیے نماز پڑھتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں۔" اس طرح بنیاد کو ٹھیک کر دینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام بنیادی اخلاق، جن کا ابھی میں نے آپ سے ذکر کیا ہے، صحیح راہ پر لگ جاتے ہیں اور وہ قوت، جو ان اخلاق کے ہونے سے پیدا ہوتی ہے، نفس یا خاندان یا قوم یا ملک کے لیے جیسے تیسے نہیں لگتی ہے، بلکہ صرف حق کو اونچا کرنے ہی پر اور صرف جائز طریقوں ہی سے لگتی ہے۔ یہ چیز اُس کو صرف ایک قوت کے مقام سے اٹھا کر اچھائی اور رحمت کی قوت بنا دیتی ہے۔

(۲) بنیادی اخلاق کو مضبوط اور کشادہ کرنا

دوسرا کام جو اخلاق کے سلسلے میں اسلام کرتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ بنیادی اخلاق کو مضبوط بھی کرتا ہے اور پھر ان کو آخری حد تک پھیلا دیتا ہے۔ جیسے صبر کو لیں۔ بڑے سے بڑے صابر آدمی میں بھی جو صبر دنیوی غرض کے لیے ہو اور جسے شرک یا مادہ پرستی سے غذا مل رہی ہو، اس کی بس ایک حد ہوتی ہے، جس کے بعد وہ گھبرا اٹھتا ہے۔ لیکن جس صبر کو توحید کی جڑ سے غذا ملے اور جو دنیا کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے لیے ہو، وہ صبر اور ثابت قدمی کا ایک اتھاہ خزانہ ہوتا ہے جسے دنیا کی تمام مشکلات مل کر بھی لوٹ نہیں سکتیں۔ پھر غیر مسلم کا صبر نہایت محدود قسم کا ہوتا ہے۔ اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ ابھی تو گولوں اور گولیوں کی بوچھاڑ میں ڈٹا ہوا تھا اور ابھی جو کسی شہوت کی تسکین کا کوئی موقع سامنے آیا تو نفس کی ایک معمولی اکساہٹ کے مقابلے میں بھی نہ ٹھہر سکا۔ لیکن اسلام صبر کو انسان کی پوری زندگی میں پھیلا دیتا ہے اور اسے صرف چند خاص قسم کے خطروں، مصیبتوں اور مشکلوں ہی کے مقابلے میں نہیں بلکہ ہر اُس لالچ، ہر اُس خوف، ہر اُس اندیشے اور ہر اُس خواہش کے مقابلے میں ٹھہر جانے کی ایک زبردست طاقت بنا دیتا ہے جو آدمی کو صحیح راستے سے ہٹانے کی کوشش کرے۔ اسلام مومن کی پوری زندگی کو صبر والی زندگی بناتا ہے، جس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ عمر بھر صحیح طریقے پر جمے رہو، چاہے اس میں کتنے ہی خطرے، نقصان اور مشکلیں ہوں اور چاہے اِس دنیا کی زندگی میں اس کا کوئی نتیجہ نکلتا نظر نہ آئے، اور بری سوچ اور غلط کام سے دور رہو، چاہے فائدوں اور امیدوں کا کیسا ہی سبز باغ تمھارے سامنے لہلہا رہا ہو۔ آخرت کے یقینی نتیجے کی امید پر

دنیا کی پوری زندگی میں بدی سے رکنا اور خیر کی راہ پر جم کر چلنا اسلامی صبر ہے، اس صبر کے اندر صبر کی وہ شکلیں بھی آجاتی ہیں جو بہت چھوٹے پیمانے پر کفر والوں کی زندگی میں نظر آتی ہیں۔ دوسرے تمام بنیادی اخلاق کو بھی آپ اس مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔ کفر والوں کی زندگی میں صحیح فکری بنیاد نہ ہونے کی وجہ سے وہ اخلاق کم زور اور محدود ہوتے ہیں اور اسلام اُن سب کو ایک صحیح بنیاد دے کر مضبوط کرتا ہے اور دور تک پھیلا دیتا ہے۔

(۳) بنیادی اخلاق پر اخلاق کی عمارت بنانا

اسلام کا تیسرا کام یہ ہے کہ وہ بنیادی اخلاق کی شروع کی منزل پر اچھے اخلاق کی ایک نہایت شان دار بالائی منزل تعمیر کرتا ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے شرف کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے۔ وہ اس کے نفس کو خود غرضی سے، خواہش پرستی سے، ظلم سے، بے حیائی اور پستی و خود سری سے پاک کر دیتا ہے۔ اس میں خدا ترسی، پرہیز گاری اور حق پرستی پیدا کرتا ہے۔ اس کے اندر اخلاقی ذمے داریوں کا احساس ابھارتا ہے۔ اُس کو نفس پر کنٹرول رکھنے والا بناتا ہے۔ اُسے تمام مخلوقات کے لیے سخی، رحم دل، ہم درد، امانت دار، بے غرض، خیر خواہ، بے لوث، انصاف پسند، اور ہر حال میں سچا اور راست باز بنا دیتا ہے۔ اور اس میں ایک ایسی اونچی سیرت پرورش کرتا ہے جس سے ہمیشہ صرف بھلائی ہی کی امید ہو اور برائی کا کوئی اندیشہ نہ ہو۔ پھر اسلام آدمی کو صرف نیک ہی نہیں بناتا بلکہ وہ اُسے "بھلائی کا دروازہ کھولنے والا اور برائی کا دروازہ بند کرنے والا" (حدیث) بناتا ہے، یعنی وہ یہ مشن اُس کے حوالے کرتا ہے کہ دنیا میں بھلائی پھیلائے اور برائی کو روکے۔ اس سیرت و اخلاق میں وہ حسن ہے، وہ کشش ہے، وہ دل جیت لینے کی قوت ہے کہ اگر کوئی منظم جماعت اس سیرت کو رکھتی ہو اور اپنے اُس مشن کے لیے کام بھی کرے جو اسلام نے اس کے سپرد کیا ہے تو دنیا کو جیت لینے میں اس کا مقابلہ کرنا دنیا کی کسی قوت کے بس کا کام نہیں ہے۔

اللہ کے قانون کا خلاصہ

اب میں چند لفظوں میں اللہ کے اس قانون کو بیان کیے دیتا ہوں جو قیادت کے سلسلے میں

پہلے دن سے جاری ہے اور جب تک انسان اپنی موجودہ فطرت پر زندہ ہے اُس وقت تک برابر جاری رہے گی، وہ قانون یہ ہے:

> اگر دنیا میں کوئی ایسا منظم انسانی گروہ نہ ہو، جو اسلامی اخلاق اور بنیادی اخلاق دونوں سے مالامال ہو اور مادی ذرائع بھی استعمال کرے، تو دنیا کی قیادت ضرور کسی ایسے گروہ کے قبضے میں دے دی جاتی ہے جو اسلامی اخلاق سے چاہے بالکل ہی خالی ہو لیکن بنیادی اخلاق اور مادی سامان کے لحاظ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ بڑھا ہوا ہو، کیوں کہ اللہ ہر حال میں اپنی دنیا کا انتظام چاہتا ہے اور یہ انتظام اُسی گروہ کے حوالے کیا جاتا ہے جو اس وقت پائے گئے گروہوں میں زیادہ قابل ہو۔

لیکن اگر کوئی منظم گروہ ایسا موجود ہو جو اسلامی اخلاق اور بنیادی اخلاق دونوں میں باقی انسانی دنیا سے بہتر ہو، اور وہ مادی ذرائع کے استعمال میں بھی کوتاہی نہ کرے، تو یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا گروہ دنیا کی قیادت پر باقی رہ سکے۔ ایسا ہونا فطرت کے خلاف ہے، اللہ کے اُس قانون کے خلاف ہے، جو انسانوں کے معاملے میں اُس نے طے کر رکھا ہے، اُن وعدوں کے خلاف ہے، جو اللہ نے اپنی کتاب میں نیک مومنوں سے کیے ہیں۔ اللہ ہرگز بگاڑ پسند نہیں کرتا کہ اُس کی دنیا میں ایک صالح گروہ دنیا کے انتظام کو ٹھیک ٹھیک اُس کی رضا کے مطابق درست رکھنے والا موجود ہو اور پھر بھی وہ بگاڑ پھیلانے والوں ہی کے ہاتھ میں اس انتظام کی باگ ڈور رہنے دے۔

مگر یہ خیال رہے کہ یہ نتیجہ صرف اُسی وقت سامنے آسکتا ہے جب ان خوبیوں کو رکھنے والا ایک نیک گروہ موجود ہو۔ کسی ایک نیک فرد، یا بکھرے ہوئے بہت سے نیک افراد کے پائے جانے سے زمین کے اقتدار کا نظام تبدیل نہیں ہوسکتا، چاہے وہ افراد اپنی جگہ کیسے ہی بڑے بزرگ بلکہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ نے اقتدار کے متعلق جتنے وعدے بھی کیے ہیں، بکھرے ہوئے افراد سے نہیں، بلکہ ایک ایسے گروہ سے کیے ہیں جو دنیا میں اپنے آپ کو "بہترین امت" اور "درمیانی امت" ثابت کر کے دکھادے۔

نیز یہ بھی یاد رہے کہ ایسے ایک گروہ کے صرف پائے جانے سے قیادت کے نظام میں

تبدیلی نہیں ہو جائے گی، کہ ادھر وہ سامنے آئیں اور ادھر اچانک آسمان سے کچھ فرشتے اتریں اور برے لوگوں کو اقتدار کی گدی سے ہٹا کر اِنھیں تخت پر بٹھادیں۔ بلکہ اِس گروہ کو بدی کی طاقتوں سے زندگی کے ہر میدان میں، ہر ہر قدم پر مقابلہ کرنا ہوگا اور دین کو قائم کرنے کی راہ میں ہر قسم کی قربانیاں دے کر حق سے اپنی محبت اور قیادت کے لیے اپنی اہلیت کا ثبوت دینا پڑے گا۔ یہ ایسی شرط ہے جسے ہر کسی کو پورا کرنا ضروری ہے۔ نبیوں کے لیے بھی ضروری تھا تو دوسروں کے لیے کیوں نہیں ہوگا۔

بنیادی اخلاق اور اسلامی اخلاق کی طاقت کا فرق

مادی طاقت کتنی ضروری ہوتی ہے اور اخلاقی طاقت کتنی ضروری ہوتی ہے، اس سلسلے میں، قرآن اور تاریخ کے گہرے مطالعے سے جو اللہ کا قانون میں سمجھا ہوں، وہ یہ ہے کہ جہاں اخلاقی طاقت صرف بنیادی اخلاق کی ہو، وہاں مادی ذرائع بہت اہم ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر ایک گروہ کے پاس مادی ذرائع کی طاقت بہت زیادہ ہو تو وہ تھوڑی اخلاقی طاقت سے بھی دنیا پر چھا جاتا ہے اور دوسرے گروہ اخلاقی طاقت میں آگے ہو کر بھی صرف ذرائع کی کمی کی وجہ سے دبے رہتے ہیں۔ لیکن جہاں اخلاقی طاقت میں اسلامی اور بنیادی دونوں قسم کے اخلاق کا پورا زور شامل کر دیا جائے وہاں مادّی ذرائع اگر بہت کم ہیں تب بھی اخلاق کو آخر کار اُن تمام طاقتوں پر غلبہ حاصل ہو کر رہتا ہے جو صرف بنیادی اخلاق اور مادی سر و سامان کے بل بوتے پر اٹھی ہوں۔ اسے یوں سمجھیے کہ بنیادی اخلاق کے ساتھ اگر سو درجے مادی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے تو اسلامی اور بنیادی اخلاق کی مجموعی قوت کے ساتھ صرف ۲۵ درجے مادّی طاقت کافی ہو جاتی ہے، باقی ۷۵ فی صد قوت کی کمی اسلامی اخلاق کی طاقت پورا کر دیتی ہے۔ بلکہ نبی ﷺ کے زمانے کا تجربہ تو یہ بتاتا ہے کہ اسلامی اخلاق اگر اُس پیمانے کا ہو جو حضور اور آپ کے صحابہ کا تھا تو صرف پانچ فی صد مادی طاقت سے بھی کام چل جاتا ہے۔ یہی حقیقت ہے جس کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا گیا کہ "اگر تم میں سے بیس صابر آدمی ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے۔" (الانفال:۶۵)

یہ آخری بات جو میں نے کہی ہے اسے یہ نہ سمجھیں کہ میں یہ بات بس عقیدہ رکھنے کی وجہ سے کہہ رہا ہوں، اور نہ یہ سوچیں کہ میں کسی معجزے اور کرامت کا آپ سے ذکر کر رہا ہوں۔ نہیں، یہ بالکل فطری حقیقت ہے، جو اسباب کی اسی دنیا میں علت اور معلول کے قاعدے (law of cause and effect) کے تحت پیش آتی ہے اور ہر وقت پیش آسکتی ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آگے بڑھنے سے پہلے چند الفاظ میں یہ بتادوں کہ اسلامی اخلاق سے جن میں بنیادی اخلاق بھی شامل ہیں مادی اسباب کی ۷۵ فیصد تک کمی کس طرح پوری ہو جاتی ہے۔

بنیادی اخلاق کا محدود اثر

اس چیز کو سمجھنے کے لیے آپ ذرا خود اپنے زمانے ہی کی بین الاقوامی صورت حال پر ایک نگاہ ڈال کر دیکھیں۔ ابھی آپ کے سامنے وہ بڑا فساد، جو آج سے ساڑھے پانچ سال پہلے شروع ہوا تھا، جرمنی کی ہار پر ختم ہوا ہے اور جاپان کی ہار بھی قریب نظر آرہی ہے [دوسری جنگ عظیم کی طرف اشارہ ہے]۔ جہاں تک بنیادی اخلاق کا تعلق ہے اُن کے اعتبار سے اِس فساد کے دونوں فریق قریب قریب برابر ہیں، بلکہ کچھ پہلوؤں سے جرمنی اور جاپان نے اپنے دشمنوں کے مقابلے میں زیادہ زبردست اخلاقی طاقت کا ثبوت دیا ہے۔ جہاں تک طبیعی علوم اور اُن کے استعمال کا تعلق ہے اس میں بھی دونوں فریق برابر ہیں، بلکہ اس معاملے میں کم از کم جرمنی کی برتری تو کسی سے چھُپی نہیں ہے۔ مگر صرف ایک چیز ہے جس میں ایک فریق دوسرے فریق سے بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے اور وہ ہے مادی اسباب کا موافق ہونا۔ اُس کے پاس آدمی اپنے دونوں دشمنوں (جرمنی و جاپان) سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ اُس کو مادی ذرائع اُن کے مقابلے میں کہیں زیادہ حاصل ہیں۔ اُس کی جغرافیائی پوزیشن اُن سے بہتر ہے۔ اور اُس کو تاریخی اسباب نے اُن کے مقابلے میں بہت زیادہ بہتر حالات فراہم کر دیے ہیں۔ اسی وجہ سے اُس کو فتح نصیب ہوئی ہے اور اسی وجہ سے آج کسی ایسی قوم کے لیے بھی جس کی تعداد کم ہو اور جس کے ہاتھوں میں مادی ذرائع کم ہوں، یہ ممکن نظر نہیں آتا کہ وہ زیادہ تعداد اور زیادہ ذرائع والی قوموں کے مقابلے میں سر اٹھا سکے، چاہے وہ بنیادی اخلاق میں اور طبیعی علوم

کے استعمال میں ان سے کچھ بڑھ ہی کیوں نہ جائے۔ اس لیے کہ بنیادی اخلاق اور طبیعی علوم کے بل پر اُٹھنے والی قوم کا معاملہ دو میں سے ایک ہوگا۔ یا تو وہ خود قوم پرست ہوگی اور دنیا پر اپنا قبضہ کرنا چاہے گی، یا پھر وہ کچھ عالم گیر اصولوں کو لے کر اٹھے گی اور دوسری قوموں کو ان کی طرف بلائے گی۔ پہلی صورت میں تو اسے کامیابی اسی وقت ملے گی جب کہ وہ مادی طاقت اور ذرائع میں دوسروں سے برتر ہو، کیوں کہ وہ تمام قومیں، جن پر اس کے اِس لالچ کی زد پڑ رہی ہوگی، انتہائی غصہ و نفرت کے ساتھ سامنے آئیں گی اور اس کا راستہ روکنے میں اپنی حد تک کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گی۔ رہی دوسری صورت تو اس میں ایسا ضرور ہوسکتا ہے کہ قوموں کے دل و دماغ اس کی دعوت کو قبول کرتے چلے جائیں اور اسے رکاوٹوں کو راستے سے ہٹانے میں بہت تھوڑی قوت استعمال کرنی پڑے۔ لیکن یہ یاد رہنا چاہیے کہ دل جیتنے کے لیے صرف اچھی امید دلانے والے چند اصول کافی نہیں ہوا کرتے، بلکہ انھیں جیتنے کے لیے وہ سچی خیر خواہی، نیک نیتی، راست بازی، بے غرضی، فراخ دلی، فیاضی، ہم دردی اور شرافت و انصاف پسندی چاہیے جو جنگ اور صلح، فتح اور شکست، دوستی اور دشمنی، تمام حالات کی کڑی آزمائشوں میں کھری اور بے لوث ثابت ہو۔ اور یہ چیز عمدہ اخلاق کی اُس اونچی منزل سے تعلق رکھتی ہے جس کا مقام بنیادی اخلاق سے بہت اونچا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف بنیادی اخلاق اور مادی طاقت کے بل پر اُٹھنے والے، چاہے کھلے قوم پرست ہوں یا چھپی ہوئی قوم پرستی کے ساتھ کچھ عالم گیر اصولوں کی دعوت و حمایت کا ڈھونگ رچائیں، آخر کار ان کی ساری کوشش اور لڑائی صرف شخصی یا گروہی یا قومی خود غرضی ہی پر آ ٹھہرتی ہے، جیسا کہ آج آپ امریکہ، برطانیہ اور روس کی خارجہ سیاست میں صاف طور پر دیکھ سکتے ہیں۔ ایسی لڑائی میں یہ ایک بالکل فطری بات ہے کہ ہر قوم دوسری قوم کے مقابلے میں ایک مضبوط چٹان بن کر کھڑی ہو جائے، اپنی پوری اخلاقی و مادی طاقت اسے روکنے میں لگا دے اور اپنی حدوں میں اس کو ہرگز راستہ دینے کے لیے تیار نہ ہو جب تک کہ مخالف کی برتر مادی قوت اس کو پیس کر نہ رکھ دے۔

دینے والی چیزوں کو خاص ڈھنگ سے کر لینے سے تقویٰ پورا ہو جاتا ہے، اور پھر عبادتوں میں نوافل واذکار، اوراد و وظائف اور ایسے ہی کچھ اعمال کر لینے سے احسان کا اونچا مقام مل جاتا ہے۔ لیکن اسی "تقویٰ" اور "احسان" کے ساتھ کبھی کبھی لوگوں کی زندگیوں میں ایسی کھلی چیزیں بھی نظر آتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی ان کا ایمان ہی سرے سے صحیح اور پختہ نہیں ہوا ہے۔ یہ غلطیاں جب تک ہیں کسی طرح یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ ہم اسلامی اخلاق کو پورا کرنے میں کبھی کام یاب ہوسکیں گے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہمیں ایمان، اسلام، تقویٰ اور احسان کے ان چاروں درجوں کا پورا پورا علم بھی حاصل ہو اور اس کے ساتھ ہم ان کی صحیح ترتیب کو بھی اچھی طرح سمجھ لیں۔

ایمان

اس سلسلے میں سب سے پہلے ایمان کو لیں جو اسلامی زندگی کی بنیاد ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ توحید و رسالت کا اقرار کرنے کو ایمان کہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس کا اقرار کرلے تو اس سے وہ قانونی شرط پوری ہو جاتی ہے جو اسلام میں داخل ہونے کے لیے رکھی گئی ہے اور وہ اِس کا حق دار ہو جاتا ہے کہ اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جائے۔ مگر کیا یہی سادہ اقرار جو ایک قانونی ضرورت پوری کرنے کے لیے کافی ہے اتنا مضبوط ہوسکتا ہے کہ اسلامی زندگی کی تین منزلہ عمارت صرف اس پر کھڑی ہوسکے؟ لوگ ایسا ہی سمجھتے ہیں اور اسی لیے جہاں یہ اقرار موجود ہوتا ہے وہاں عملی اسلام اور تقویٰ اور احسان کی تعمیر شروع کر دی جاتی ہے، جو اکثر ہوائی قلعے سے زیادہ مضبوط ثابت نہیں ہوتی۔ لیکن ایک مکمل اسلامی زندگی کی تعمیر کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایمان زندگی پر پوری طرح پھیلا ہوا ہو اور زندگی کی گہرائی میں مضبوطی سے جما ہوا ہو۔ ایمان کا جو حصہ بھی چھوٹ جائے گا، اسلامی زندگی کا وہی حصہ تعمیر ہونے سے رہ جائے گا اور اس کی گہرائی میں جہاں بھی کسر رہ جائے گی اسلامی زندگی کی عمارت اسی مقام پر بودی ثابت ہوگی۔

مثال کے طور پر اللہ پر ایمان کو دیکھیں، جو دین کی سب سے پہلی بنیاد ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ اللہ کے اقرار کی جب تفصیل پر بات ہوتی ہے تو لوگوں کے ذہن میں اس کی بے شمار صورتیں

بن جاتی ہیں۔ کہیں وہ صرف اس بات پر ختم ہو جاتا ہے کہ بے شک اللہ ہے اور دنیا کا خالق ہے اور اپنی ذات میں اکیلا ہے۔ کہیں بات یہاں تک جاتی ہے کہ اللہ ہمارا معبود ہے اور ہمیں اس کی بندگی کرنی چاہیے۔ کہیں اللہ کی صفات اور اس کے حقوق و اختیارات کا خیال کچھ زیادہ پھیل کر بھی اس سے آگے نہیں بڑھتا کہ غیب کو جاننے والا، سننے اور دیکھنے والا، دعاؤں کو سننے اور حاجتوں کو پورا کرنے والا اور "پرستش" کی تمام چھوٹی شکلوں کا حق دار ہونے میں اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے، اور یہ کہ "مذہبی معاملات" میں آخری بات اللہ ہی کی کتاب ہے۔ ظاہر ہے کہ ان الگ الگ خیالوں سے ایک ہی طرح کی زندگی نہیں بن سکتی، بلکہ جو خیال جتنا سکڑا ہوا ہے، عملی زندگی اور اخلاق میں بھی ضرور اسلامی رنگ اتنا ہی سکڑا ہوا ہوگا، یہاں تک کہ جہاں اللہ پر اس طرح کا ایمان اپنی آخری حدوں پر پہنچ جائے گا وہاں بھی اسلامی زندگی زیادہ سے زیادہ یہی ہوگی کہ اللہ کے باغیوں کی وفاداری اور اللہ کی وفاداری ایک ساتھ نباہ لی جائے، یا کفر کے نظام اور اسلام کے نظام کو ملا کر ایک چورن بنا لیا جائے۔

اسی طرح اللہ پر ایمان کی گہرائی کا پیمانہ بھی الگ الگ ہے۔ کوئی اللہ کا اقرار کرنے کے بعد بھی اپنی کسی معمولی سے معمولی چیز کو اللہ پر قربان کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا۔ کوئی کچھ چیزوں سے اللہ کو زیادہ محبوب رکھتا ہے مگر بعض چیزیں اسے اللہ سے زیادہ محبوب ہوتی ہیں۔ کوئی اپنی جان مال تک اللہ پر قربان کر دیتا ہے مگر اپنے نفس کی پسند اور اپنے نظریہ اور فکر کی قربانی یا اپنی شہرت کی قربانی اسے گوارا نہیں ہوتی۔ ٹھیک ٹھیک اسی حساب سے یہ طے پاتا ہے کہ اسلامی زندگی مضبوط ہے یا نہیں ہے۔ اور انسان کا اسلامی اخلاق ٹھیک اسی جگہ پر دھوکہ دے جاتا ہے جہاں نیچے ایمان کی بنیاد کم زور رہ جاتی ہے۔

ایک مکمل اسلامی زندگی کی عمارت اگر اٹھ سکتی ہے تو صرف توحید کے اسی اقرار پر اٹھ سکتی ہے، جو انسان کی پوری انفرادی و اجتماعی زندگی پر پھیلا ہوا ہو، جس کے مطابق انسان اپنے آپ کو اور اپنی ہر چیز کو اللہ کی ملکیت سمجھے۔ اس کو اپنا اور تمام دنیا کا ایک ہی جائز مالک، عبادت کا حق دار، اطاعت کے لائق اور حکم دینے اور روکنے کا اختیار رکھنے والا تسلیم کرے۔ یہ مانے کہ ہدایت اسی

سے ملے گی، اور پوری سمجھ بوجھ کے ساتھ اس حقیقت پر مطمئن ہوجائے کہ اللہ کی اطاعت سے ہٹ جانا، یا اس کی ہدایت سے آنکھ بند کرلینا، یا اس کی ذات وصفات اور حقوق واختیارات میں کسی کو کسی بھی طرح شریک کرنا سراسر گم راہی ہے۔ پھر اس عمارت میں اگر مضبوطی پیدا ہوسکتی ہے تو صرف اسی وقت جب کہ آدمی اچھی طرح سمجھ کر اور پورے ارادے کے ساتھ یہ فیصلہ کرے کہ وہ اور اس کا سب کچھ اللہ کا ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے۔ پسند اور ناپسند کے اپنے معیار کو ختم کرکے خود کو اللہ کی پسند اور ناپسند کا پابند کردے۔ اپنے آپ کو سب کچھ سمجھنے کے بجائے، اپنے نظریات وخیالات، خواہشات، جذبات اور سوچنے کے انداز کو اس علم کے مطابق ڈھال لے جو اللہ نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔ ایسی تمام وفاداریوں کو دریا میں بہادے جو اللہ کی وفاداری کی پابند نہ ہوں بلکہ اس کی دشمن بنی ہوئی ہوں یا بن سکتی ہوں۔ اپنے دل میں سب سے اونچے مقام پر اللہ کی محبت کو بٹھائے، اور ہر اس محبوب کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے دل کے اندر سے نکال پھینکے، جو اللہ کے مقابلے میں زیادہ محبوب ہونے کی مانگ کرتا ہو۔ اپنی محبت اور نفرت، اپنی دوستی اور دشمنی، اپنی پسند اور ناپسند، اپنی صلح اور جنگ ہر چیز کو اللہ کی مرضی میں اس طرح گم کردے کہ اس کا دل وہی چاہنے لگے، جو اللہ چاہتا ہے اور اسی سے بھاگنے لگے، جو اللہ کو ناپسند ہے۔ یہ ہے اللہ پر ایمان کا حقیقی درجہ۔ اور آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ جہاں ایمان ہی ان پہلوؤں سے اتنا پھیلا ہوا اور اتنا پختہ اور مضبوط نہ ہو، وہاں تقویٰ یا احسان کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔ کیا اس کمی کی کسر ڈاڑھیاں لمبی کرنے اور لباس کی تراش خراش درست کرنے یا تسبیح پڑھنے اور تہجد میں اٹھنے سے پوری کی جاسکتی ہے۔

اسی پر ایمان کی دوسری باتوں کے بارے میں بھی اندازہ کرلیں۔ نبوت پر ایمان اس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک انسان زندگی کے سارے معاملات میں نبی کو اپنا رہ نما نہ مان لے اور اس کی رہ نمائی کے خلاف یا اس سے آزاد جتنی باتیں ہوں اُن کو رد نہ کردے۔ کتاب پر ایمان اُس وقت تک ادھورا ہی رہتا ہے جب تک اللہ کے بتائے ہوئے زندگی کے اصولوں کے سوا کسی دوسری چیز کی حکومت کے لیے دل میں ذرا بھی جگہ ہو، یا اللہ کے فرمان کو اپنی اور ساری دنیا کی زندگی کا

قانون دیکھنے کے لیے دل اور روح کی بے چینی میں کچھ بھی کمی ہو۔ اسی طرح آخرت پر ایمان بھی پورا نہیں کہا جاسکتا جب تک دل پوری طرح آخرت کو دنیا کے اوپر رکھنے اور آخرت کی قدروں کے مقابلے میں دنیا کی قدروں کو ٹھکرا دینے پر آمادہ نہ ہو جائے اور آخرت میں جواب دینے کا خیال اسے قدم قدم پر کھٹکنے نہ لگے۔ یہ بنیادیں ہی جہاں پوری نہ ہوں آخر وہاں اسلامی زندگی کی عالی شان عمارت کس چیز پر تعمیر ہوگی؟ جب لوگوں نے ان بنیادوں کو پورا کیے اور پختہ بنائے بغیر اسلامی اخلاق کی تعمیر کو ممکن سمجھا، تب ہی تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ اللہ کی کتاب کے خلاف فیصلہ کرنے والے جج، غیر شرعی قوانین کی بنیاد پر مقدمے لڑانے والے وکیل، کفر کے نظام کے مطابق زندگی کے معاملات کا انتظام کرنے والے کارکن، کفر والے اصولوں پر تمدن اور سیاست کو چلانے والے لیڈر اور پیرو، غرض سب کے لیے تقویٰ اور احسان کے اونچے درجوں کا دروازہ کھل گیا، بس اتنی شرط رکھی گئی کہ وہ اپنی زندگی کے نظر آنے والے حلیے اور انداز کو ایک خاص ڈھنگ کا بنالیں اور کچھ نوافل اور اذکار کی عادت ڈال لیں۔

اسلام

ایمان کی یہ بنیادیں، جن کا میں نے ابھی آپ سے ذکر کیا ہے، جب مکمل اور گہری ہو جاتی ہیں، تب ان پر اسلام کی منزل بننا شروع ہوتی ہے۔ اسلام اصل میں یہ ہے کہ ایمان عمل بن کر سامنے آجائے۔ ایمان اور اسلام کا آپس کا تعلق ویسا ہی ہے جیسا بیج اور درخت کا تعلق ہوتا ہے۔ بیج میں جو کچھ اور جیسا کچھ ہوتا ہے وہی درخت کی شکل میں سامنے آجاتا ہے، یہاں تک کہ درخت کا امتحان کر کے آسانی سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ بیج میں کیا تھا اور کیا نہ تھا۔ آپ نہ یہ سوچ سکتے ہیں کہ بیج نہ ہو اور درخت ہو، اور نہ یہی سوچ سکتے ہیں کہ زمین بنجر بھی نہ ہو اور بیج اس میں پایا بھی جائے، پھر بھی درخت پیدا نہ ہو۔ ایسا ہی معاملہ ایمان اور اسلام کا ہے۔ اگر ایمان ہوگا تو وہ ضرور آدمی کے عمل میں، اخلاق میں، برتاؤ میں، تعلقات کے کٹنے اور جڑنے میں، دوڑ دھوپ کے رخ میں، مزاج اور طبیعت میں، کوشش اور محنت کے راستوں میں، وقت اور قوت اور قابلیت کے استعمال میں،

غرض زندگی کے نظر آنے والے ہر ہر حصے میں سامنے آکر رہے گا۔ ان میں سے جس پہلو میں بھی اسلام کے بجائے کچھ اور نظر آرہا ہو، یقین کرلیں کہ اس پہلو میں ایمان موجود نہیں ہے، یا ہے تو بالکل بودا اور بے جان ہے۔ اور اگر زندگی ساری کی ساری ہی غیر اسلامی طریقے سے بسر ہو رہی ہو، تو جان لیں کہ دل ایمان سے خالی ہے۔ زمین اتنی بنجر ہے کہ ایمان کا بیج پھول پتیاں نہیں لا رہا ہے۔ میں نے جہاں تک قرآن و حدیث کو سمجھا ہے، یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ دل میں ایمان ہو اور عمل میں اسلام نہ ہو۔

ایمان اور عمل کا تعلق

قرآن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دل میں بسنے والا ایمان اور عمل میں رہنے والا اسلام ایک دوسرے کے لیے ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ جگہ جگہ ایمان اور نیک عمل کا ساتھ ساتھ ذکر کرتا ہے اور تمام اچھے وعدے جو اس نے اپنے بندوں سے کیے ہیں اُنھی لوگوں سے ہیں جو عقیدے کے لحاظ سے مومن اور عمل میں مسلم ہوں۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں منافقین کی پکڑ کی ہے وہاں اُن کے عمل ہی کی خرابیوں سے ان کے ایمان کے ادھورے ہونے کو ثابت کیا ہے اور عمل میں نظر آنے والے اسلام ہی کو سچے ایمان کی نشانی بتایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قانونی لحاظ سے کسی شخص کو کافر ٹھہرانے اور اُمت سے اس کا رشتہ کاٹ دینے کا معاملہ دوسرا ہے اور اس میں انتہائی احتیاط ہونی چاہیے۔ مگر میں یہاں اُس ایمان و اسلام کا ذکر نہیں کر رہا ہوں جس پر دنیا میں قانونی احکام طے پاتے ہیں، بلکہ یہاں اُس ایمان و اسلام کا ذکر ہے جو اللہ کے ہاں مانا جائے اور جس پر آخرت میں نتیجے نکلنے والے ہیں۔ قانونی پہلو کو چھوڑ کر اگر آپ حقیقت کو دیکھیں گے تو بے شک یہی پائیں گے کہ جہاں خدا کے آگے خود کو حوالے کر دینے میں کمی ہے، جہاں دل کی پسند اللہ کی پسند سے الگ ہے، جہاں اللہ کی وفاداری کے ساتھ دوسروں کی وفاداری نبھ رہی ہے، جہاں اللہ کا دین قائم کرنے کی کوشش کے بجائے زندگی دوسرے کاموں میں لگی ہوئی ہے، جہاں کوششیں اور محنتیں اللہ کے راستے کے بجائے دوسری راہوں میں خرچ ہو رہی ہیں، وہاں ضرور ایمان میں کمی

ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ادھورے ایمان پر تقویٰ اور احسان کی تعمیر نہیں ہوسکتی، چاہے دکھاوے کے لیے تقویٰ والوں کا حلیہ بنانے اور احسان والوں کے کچھ کاموں کی نقل اتارنے کی کتنی ہی کوشش کی جائے۔ دکھاوے والی شکلیں اگر حقیقت کی روح سے خالی ہوں تو ان کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے ایک نہایت خوب صورت آدمی کی لاش بہترین حالت اور حلیے میں ہو مگر اس میں جان نہ ہو۔ اس خوب صورت لاش کی ظاہری شان سے دھوکا کھا کر آپ اگر کچھ امیدیں اس سے رکھ لیں گے تو یہ ثابت ہونے میں دیر نہیں لگے گی کہ یہ لاش کسی کام کی نہیں ہے، اور ایک بدصورت مگر زندہ انسان ایک خوب صورت مگر بے روح لاش سے ہر حال میں زیادہ کام کا ہوتا ہے۔ دکھاوے کی چیز سے آپ اپنے آپ کو تو ضرور دھوکا دے سکتے ہیں، لیکن نہ تو حقیقت کو بدل سکتے ہیں اور نہ اللہ کی ترازو ہی میں کوئی وزن حاصل کر سکتے ہیں۔ اس لیے اگر آپ کو دکھاوے والا نہیں بلکہ وہ سچا تقویٰ اور احسان چاہیے ہو جو دنیا میں دین کا بول بالا کرنے اور آخرت میں نیکی کا پلڑا جھکانے کے لیے ضروری ہے تو میری اس بات کو اچھی طرح ذہن میں بٹھالیں کہ اوپر کی یہ دونوں منزلیں کبھی نہیں اٹھ سکتیں جب تک ایمان کی بنیاد مضبوط نہ ہو جائے اور اس کی مضبوطی کا ثبوت عمل والے اسلام یعنی اطاعت اور فرماں برداری کرنے سے نہ مل جائے۔

تقویٰ

تقویٰ کی بات کرنے سے پہلے یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ تقویٰ ہے کیا چیز۔ تقویٰ کسی حلیے، لباس اور کسی خاص طریقے سے ملنے جلنے کا نام نہیں ہے بلکہ اصل میں وہ دل کی اُس کیفیت کا نام ہے جو اللہ سے ڈرنے اور ذمے داری کو محسوس کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور زندگی کے ہر پہلو میں نظر آتی ہے۔ سچا تقویٰ یہ ہے کہ انسان کے دل میں اللہ کا خوف ہو، بندگی کا خیال ہو، اللہ کے سامنے اپنی ذمے داری اور جواب دہی کا احساس ہو، اور اس بات کا جیتا جاگتا علم ہو کہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے جہاں اللہ نے عمر کی ایک مہلت دے کر مجھے بھیجا ہے اور آخرت میں میرے مستقبل کا فیصلہ بس اس پر ہونا ہے کہ میں اس دیے ہوئے وقت کے اندر اِس امتحان گاہ میں اپنی قوت اور قابلیت کو

کس طرح استعمال کرتا ہوں، ان چیزوں کو کس طرح کام میں لاتا ہوں جو اللہ کی طرف سے مجھے دی گئی ہیں، اور اُن انسانوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہوں جن کو اللہ نے میری زندگی سے الگ الگ حیثیت میں جوڑ دیا ہے۔ یہ احساس اور سمجھ جس شخص کے اندر پیدا ہو جائے اُس کا ضمیر جاگ جاتا ہے۔ اس کی دینی حس تیز ہو جاتی ہے۔ اس کو وہ ہر چیز کھٹکنے لگتی ہے جو خدا کی مرضی کے خلاف ہو۔ وہ اپنے آپ کا خود جائزہ لینے لگتا ہے کہ میرے اندر کس قسم کے رجحان اور پسند پرورش پا رہے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کا خود حساب لینے لگتا ہے کہ میں کن کاموں میں اپنا وقت اور اپنی قوتیں خرچ کر رہا ہوں۔ جن چیزوں سے صاف منع کیا گیا ہے وہ تو چھوڑیں، جن چیزوں کے بارے میں اسے شبہ ہوتا ہے ان سے بھی خود ہی جھجکنے لگتا ہے۔ فرض کا احساس اسے مجبور کر دیتا ہے کہ تمام حکموں پر ٹھیک ٹھیک عمل کرے۔ اللہ کا ڈر ہر اس موقعے پر اُس کے قدم میں لرزش پیدا کر دیتا ہے جہاں اللہ کی بتائی ہوئی حدوں سے آگے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو۔ اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کا خیال رکھنا آپ سے آپ اس کی فطرت بن جاتی ہے اور اس خیال سے بھی اس کا ضمیر کانپ اٹھتا ہے کہ کہیں اس سے کوئی بات حق کے خلاف نہ ہو جائے۔ یہ کیفیت کسی ایک شکل یا کسی خاص معاملے ہی میں نہیں ہوتی بلکہ آدمی کی پوری سوچ اور اس کے سارے کاموں میں یہ کیفیت رہتی ہے، اور اس کے اثر سے ایک ایسی یک رنگ سیرت پیدا ہوتی ہے جس میں آپ ہر پہلو سے ایک ہی طرح کی پاکی اور صفائی پائیں گے۔ لیکن جہاں تقویٰ بس اسے سمجھ لیا گیا ہے کہ آدمی چند خاص شکلوں کی پابندی کر لے اور کچھ خاص طریقوں کو اپنا لے اور بناوٹی طور پر اپنے آپ کو ایک ایسے سانچے میں ڈھال لے جس کی پیمائش کی جا سکتی ہو، وہاں آپ دیکھیں گے کہ تقویٰ کی ان چند شکلوں کی پابندی تو خوب ہو رہی ہے، مگر اس کے ساتھ زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں وہ اخلاق، وہ سوچ اور وہ عمل بھی سامنے آ رہے ہیں، جو تقویٰ سے تو چھوڑیے ایمان سے بھی میل نہیں کھاتے۔ یعنی حضرت مسیحؑ کی زبان میں مچھر چھانے جا رہے ہیں اور اونٹ بے تکلفی کے ساتھ نگلے جا رہے ہیں۔

حقیقی تقویٰ اور بناوٹی تقویٰ کا فرق

حقیقی تقویٰ اور بناوٹی تقویٰ کے اس فرق کو یوں سمجھیں کہ ایک شخص تو وہ ہے جس کے اندر پاکی وصفائی کی حس موجود ہے اور پاکیزگی کا ذوق پایا جاتا ہے۔ ایسا شخص گندگی سے نفرت کرے گا چاہے وہ جس شکل میں بھی ہو، اور پاکی وصفائی کی ساری شکلوں کو ضرور اپنائے گا۔ جب کہ ایک دوسرا شخص ہے جس کے اندر پاکی کی حس نہیں پائی جاتی ہے مگر وہ گندگیوں اور پاکیوں کی ایک لسٹ لیے پھرتا ہے جو کہیں سے اس نے نقل کرلی ہے۔ یہ شخص اُن گندگیوں سے تو خوب بچے گا، جو اس نے لسٹ میں لکھی ہوئی پائی ہیں، مگر بے شمار ایسی گھناؤنی چیزوں میں لت پت پایا جائے گا جو اُن گندگیوں سے کہیں زیادہ ناپاک ہوں گی جن سے وہ بچ رہا ہے، صرف اس وجہ سے کہ وہ اس لسٹ میں آنے سے رہ گئیں۔ یہ فرق جو میں آپ کو بتا رہا ہوں، یہ صرف ایک نظری فرق نہیں ہے بلکہ آپ اس کو اپنی آنکھوں سے اُن لوگوں کی زندگیوں میں دیکھ سکتے ہیں جن کے تقویٰ کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ ایک طرف اُن کے ہاں شریعت کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا یہ اہتمام ہے کہ ڈاڑھی ایک خاص سائز سے کچھ بھی کم ہو تو فاسق ہونے کا فیصلہ نافذ کر دیا جاتا ہے۔ پائنچہ ٹخنے سے ذرا نیچے ہو جائے تو جہنم کی دھمکی سنادی جاتی ہے۔ اپنے مسلک کے چھوٹے احکام سے ہٹنا ان کے نزدیک گویا دین سے نکل جانا ہے۔ لیکن دوسری طرف دین کے اصول اور بڑی باتوں سے اُن کی غفلت اس حد کو پہنچی ہوئی ہے کہ مسلمانوں کی پوری زندگی کو انھوں نے رخصتوں اور سیاسی مصلحتوں پر رکھ چھوڑا ہے۔ دین قائم کرنے کی کوشش سے چھٹی لینے کی بے شمار راہیں انھوں نے نکال رکھی ہیں۔ کفر کی حکومت کے تحت "اسلامی زندگی" کے نقشے بنانے ہی میں اُن کی ساری محنتیں اور کوششیں لگ رہی ہیں۔ اور انھی کی غلط رہ نمائی نے مسلمانوں کو اس چیز پر مطمئن کیا ہے کہ ایک غیر اسلامی نظام کے اندر رہتے ہوئے بلکہ اس کی خدمت کرتے ہوئے بھی ایک چھوٹے دائرے میں مذہبی زندگی بسر کر کے وہ دین کے سارے تقاضے پورے کر سکتے ہیں، اس سے آگے انھیں کچھ نہیں چاہیے، جس کے لیے وہ کوشش کریں۔ پھر اس سے بھی زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی ان کے سامنے دین کے اصلی

مطالبے پیش کرے اور دین قائم کرنے کی کوشش کی طرف توجہ دلائے تو صرف یہی نہیں کہ وہ اس کی بات سنی اَن سنی کر دیتے ہیں، بلکہ کوئی حیلہ، کوئی بہانہ اور کوئی چال ایسی نہیں چھوڑتے، جو اس کام سے خود بچنے اور مسلمانوں کو بچانے کے لیے استعمال نہ کریں۔ اس پر بھی اُن کے تقویٰ پر کوئی آنچ نہیں آتی اور نہ مذہبی ذہنیت رکھنے والوں میں سے کسی کو یہ شک ہوتا ہے کہ ان کے تقویٰ میں کوئی کسر ہے۔ اسی طرح اصلی اور بناوٹی تقویٰ کا فرق بے شمار شکلوں میں سامنے آتا رہتا ہے۔ مگر آپ اسے تب ہی محسوس کر سکتے ہیں جب تقویٰ کی اصلی صورت آپ کے ذہن میں صاف طور پر ہو۔

اصل چیز تقویٰ کی حقیقت ہے

میری ان باتوں کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ حلیہ اور حالت، لباس اور رہن سہن کی ظاہری چیزوں کے بارے میں، جو آداب اور احکام حدیث سے ثابت ہیں میں اُن کو ہلکا کرنا چاہتا ہوں یا انھیں غیر ضروری قرار دیتا ہوں۔ اللہ کی پناہ اس سے کہ میرے دل میں ایسا کوئی خیال ہو۔ اصل میں جو کچھ میں آپ کے ذہن میں بٹھانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اصل چیز تقویٰ کی حقیقت ہے نہ کہ یہ صورت شکل۔ تقویٰ کی حقیقت جس کے اندر پیدا ہوگی اس کی پوری زندگی ایک جیسی اور ایک رنگ والی اسلامی زندگی بنے گی۔ اسلام اپنے پورے پھیلاؤ کے ساتھ اس کے خیال میں، اس کے جذبے اور پسند میں، اس کے مزاج اور طبیعت میں، اس کے وقتوں کی تقسیم اور اس کی قوتوں کے لگنے کی جگہوں میں، اس کی کوشش کے راستوں میں، اس کی زندگی کے طریقے اور رہن سہن میں، اس کی کمائی اور خرچ میں، غرض اس کی زندگی کے سارے ہی پہلوؤں میں رفتہ رفتہ نظر آتا چلا جائے گا۔ لیکن اگر صورت شکل کو حقیقت سے زیادہ اہمیت دی جائے گی اور ان پر بے جا زور دیا جائے گا اور حقیقی تقویٰ کا بیج ڈالے اور پانی دیے بغیر بناوٹی طور پر چند نظر آنے والے احکام پر عمل کرا دیا جائے گا، تو نتیجے وہی کچھ ہوں گے، جو میں نے ابھی آپ کو بتائے ہیں۔ اس لیے یہ سمجھ لیں کہ پہلی چیز زیادہ وقت لیتی ہے اور صبر کراتی ہے، رفتہ رفتہ پلتی بڑھتی ہے اور ایک مدت کے بعد پھل پھول لاتی ہے، جس طرح بیج سے درخت کے پیدا ہونے اور پھل پھول لانے میں کافی دیر لگا کرتی ہے۔ اسی لیے

سطحی مزاج کے لوگ اس سے اُپراتے ہیں۔ جب کہ دوسری چیز جلدی اور آسانی سے پیدا کرلی جاتی ہے، جیسے ایک لکڑی میں پتے اور پھل اور پھول باندھ کر درخت کی سی شکل بنادی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تقویٰ پیدا کرنے کا یہی ڈھنگ آج پسند کیا جاتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جو امیدیں ایک فطری درخت سے پوری ہوتی ہیں وہ اس قسم کے بناوٹی درختوں سے تو کبھی پوری نہیں ہوسکتیں۔

احسان

اب احسان کو لیں جو اسلام کی سب سے اونچی منزل ہے۔ احسان اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین کے ساتھ اُس دلی لگاؤ، اس گہری محبت، اُس سچی وفاداری اور سب کچھ قربان کردینے کے جذبے کو کہتے ہیں، جس سے مسلمان اپنے آپ کو پوری طرح اسلام کی راہ میں لگادے۔ تقویٰ اصل میں اللہ کا ڈر ہے، جو انسان کو اس کی ناراضی سے بچنے پر آمادہ کرے اور احسان اللہ کی محبت ہے، جو آدمی کو اسے راضی کرنے کے لیے ابھارے۔ اِن دونوں چیزوں کے فرق کو ایک مثال سے یوں سمجھیں کہ حکومت کے ملازموں میں سے ایک تو وہ لوگ ہیں جو نہایت فرض شناسی، محنت اور لگن سے وہ تمام کام ٹھیک ٹھیک کردیتے ہیں، جو ان کے ذمے کیے گئے ہوں۔ تمام ضابطوں اور قاعدوں کی پوری پوری پابندی کرتے ہیں اور کوئی کام ایسا نہیں کرتے جس پر حکومت کو اعتراض ہوسکتا ہو۔ دوسرے وہ مخلص وفادار ہیں، جو دل و جان سے حکومت کا بھلا چاہتے ہیں۔ صرف وہی کام انجام نہیں دیتے، جو ان کے ذمے کیے گئے ہوں، بلکہ ان کے دل کو ہمیشہ یہ فکر لگتی رہتی ہے کہ سلطنت کے مفاد کو زیادہ سے زیادہ کس طرح ترقی دی جائے، اس دھن میں وہ فرض اور مانگ سے بڑھ کر کام کرتے ہیں۔ سلطنت پر کوئی آنچ آئے تو وہ جان و مال اور اولاد سب کچھ قربان کرنے کے لیے آمادہ ہوجاتے ہیں۔ قانون کی کہیں خلاف ورزی ہو تو اُن کے دل کو چوٹ لگتی ہے۔ کہیں بغاوت کے آثار پائے جائیں تو وہ بے چین ہوجاتے ہیں اور اسے ختم کرنے میں جان لڑادیتے ہیں۔ جان بوجھ کر خود سلطنت کو نقصان پہنچانا تو دور کی بات، اس کے مفاد کو کسی طرح نقصان پہنچتے دیکھنا بھی ان سے برداشت نہیں ہوتا ہے اور اس خرابی کے دور کرنے میں وہ اپنی حد تک ساری کوشش کرڈالتے

ہیں۔ اُن کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ دنیا میں بس ان کی سلطنت ہی کا بول بالا ہو اور زمین کا کوئی چپہ ایسا باقی نہ رہے جہاں اس کا پھریرا نہ اڑے۔ ترقیاں تو پہلی قسم کے ملازموں کو بھی ملتی ہیں اور اُن کے نام اچھے ہی ملازموں کی لسٹ میں لکھے جاتے ہیں، مگر جو انعامات دوسری قسم کے ملازموں کے لیے ہیں وہ بس انھی کے لیے خاص ہوتے ہیں۔ بس اسی مثال پر اسلام کے متقی اور محسن کو بھی سوچ لیں۔ یوں تو متقی لوگ بھی قدر کے قابل اور اعتماد کے لائق ہوتے ہیں، مگر اسلام کی اصلی طاقت احسان والوں کا گروہ ہے۔ اصلی کام جو اسلام چاہتا ہے کہ دنیا میں ہو وہ اسی گروہ سے پورا ہو سکتا ہے۔

سچی وفاداری نہیں تو احسان نہیں

احسان کی اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد آپ خود ہی اندازہ کرلیں کہ جو لوگ اپنی آنکھوں سے اللہ کے دین پر کفر کو غالب ہوتے دیکھیں، جن کے سامنے اللہ کی حدیں روندی ہی نہیں جارہی ہوں بلکہ مٹادی جائیں، اللہ کے قانون پر عمل کرنا ہی نہیں چھوڑا جائے بلکہ اس کے ختم ہونے کا اعلان کر دیا جائے، اللہ کی زمین پر اللہ کا نہیں بلکہ اُس کے باغیوں کا بول بالا ہو رہا ہو، کفر کا نظام اس طرح سوار ہو کہ عام انسانی سوسائٹی کے اخلاق اور تہذیب میں بگاڑ پھیل گیا ہو بلکہ خود مسلم اُمت بھی نہایت تیزی کے ساتھ اخلاق اور عمل کے بگاڑ کا شکار ہو رہی ہو، اور یہ سب کچھ دیکھ کر بھی ان کے دلوں میں نہ کوئی بے چینی پیدا ہو، نہ اس حالت کو بدلنے کے لیے کوئی جذبہ بھڑکے، بلکہ الٹا وہ اپنے دل کو اور عام مسلمانوں کو غیر اسلامی نظام کے غلبے پر مطمئن کر دیں، اُن کا شمار آخر احسان والوں میں کس طرح ہو سکتا ہے؟ اِس بڑے جرم کے ساتھ بس اتنی بات انھیں احسان کے اونچے مقام پر کیسے پہنچا سکتی ہے کہ وہ چاشت اور اشراق اور تہجد کے نوافل پڑھتے رہے، ذکر و شغل اور مراقبے کرتے رہے، حدیث و قرآن کے درس دیتے رہے، فقہ کی چھوٹی سے چھوٹی باتوں کی پابندی اور چھوٹی چھوٹی سنتوں کا سخت اہتمام فرماتے رہے اور خانقاہوں میں دین داری کا وہ فن سکھاتے رہے جس میں حدیث و فقہ اور تصوف کی باریکیاں تو ساری تھیں مگر نہیں تھی تو حقیقی دین داری، جو سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ پیدا کر دے۔ آپ دنیوی ریاستوں اور قوموں میں بھی

وفادار اور غیر وفادار کی اتنی تمیز ضرور پائیں گے کہ اگر ملک میں بغاوت ہو جائے یا ملک کے کسی حصے پر دشمن کا قبضہ ہو جائے تو باغیوں اور دشمنوں کے اقتدار کو جو لوگ جائز مان لیں یا اُن کے قابض رہنے پر راضی ہو جائیں اور اُن کے ساتھ دب کر سمجھوتہ کر لیں، یا اُن کی سرپرستی میں کوئی ایسا نظام بنائیں جس میں اصلی اقتدار کی باگیں انھی کے ہاتھ میں رہیں اور کچھ معمولی حقوق اور اختیارات انھیں بھی مل جائیں، تو ایسے لوگوں کو کوئی ریاست اور کوئی قوم اپنا وفادار ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتی، چاہے وہ قومی فیشن کے کیسے ہی سخت پابند اور چھوٹے معاملات میں قومی قانون کو ماننے میں کتنے ہی سخت ہوں۔ آج آپ کے سامنے زندہ مثالیں ہیں کہ جو ملک جرمنی کے قبضے سے نکلے ہیں وہاں ان لوگوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، جنھوں نے جرمن قبضے کے زمانے میں سمجھوتے کے راستے اپنا لیے تھے۔ ان سب ریاستوں اور قوموں کے پاس وفاداری کو جانچنے کا ایک ہی پیمانہ ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی شخص نے دشمن کے قبضے کو کس حد تک روکا، اس کو مٹانے کے لیے کیا کام کیا اور اُس اقتدار کو واپس لانے کی کیا کوشش کی، جس کی وفاداری کا وہ دم بھرتا تھا، پھر کیا (اللہ کی پناہ) اللہ کے بارے میں آپ کا یہ گمان ہے کہ وہ اپنے وفاداروں کو پہچاننے کی اتنی تمیز بھی نہیں رکھتا، جتنی دنیا کے ان کم عقل انسانوں میں پائی جاتی ہے؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ بس داڑھیوں کی لمبائی، ٹخنوں اور پائنچوں کا فاصلہ، تسبیحوں کا گننا، اوراد و وظائف اور نوافل اور مراقبے کے مشاغل اور ایسی ہی چند اور چیزیں دیکھ کر ہی دھوکا کھا جائے گا کہ آپ اس کے سچے وفادار ہیں؟

دین میں اصل اہمیت کس چیز کی ہے؟

عام مسلمانوں کے ذہن پر مدتوں کے غلط تصورات کی وجہ سے چھوٹی اور نظر آنے والی چیزوں کی اہمیت کچھ اس طرح چھا گئی ہے کہ دین کی اصل بڑی باتوں اور اصلی دین داری اور اصلی اسلامی اخلاق کی طرف چاہے کتنی ہی توجہ دلائی جائے، مگر لوگوں کے دماغ ہر پھر کر انھی چھوٹے چھوٹے مسائل اور ذرا ذرا سی چیزوں میں اٹک کر رہ جاتے ہیں جنھیں اصل دین بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ ہر طرف پھیلی اس وبا کے اثرات خود ہمارے، بہت سے ساتھیوں اور ہم دردوں میں بھی پائے

جاتے ہیں۔ میں یہ سمجھانے میں اپنا پورا زور لگاتا رہا ہوں کہ دین کی حقیقت کیا ہے، اس میں اصل اہمیت کن چیزوں کی ہے، اور اس میں پہلے نمبر پر کیا ہے اور بعد کے نمبر پر کیا ہے۔ لیکن ان ساری کوششوں کے بعد جب دیکھتا ہوں یہی دیکھتا ہوں کہ وہی دکھاوے پر زور اور تنے سے بڑھ کر شاخوں کی اہمیت دماغوں پر سوار ہے۔ آج تین روز سے میرے پاس پرچوں کی بھرمار ہو رہی ہے، جن میں سارا مطالبہ بس اس کا ہے کہ جماعت کے لوگوں کی ڈاڑھیاں بڑھوائی جائیں، پائنچے ٹخنوں سے اونچے کرائے جائیں اور ایسی ہی دوسری چھوٹی باتوں کی پابندی کرائی جائے۔ اس کے علاوہ کچھ لوگوں کے اس خیال کا بھی مجھے علم ہوا کہ انھیں جماعت میں اس چیز کی بڑی کمی محسوس ہوتی ہے جس کو وہ "روحانیت" کہتے ہیں۔ مگر شاید وہ خود نہیں بتا سکتے کہ یہ روحانیت ہے کیا چیز۔ اِسی بنا پر ان کی رائے یہ ہے کہ مقصد اور کام کرنے کا طریقہ تو اِس جماعت کا لیا جائے اور نفس کے تزکیہ اور روح کی تربیت کے لیے خانقاہوں کو جایا جائے۔ یہ ساری باتیں صاف بتاتی ہیں کہ ابھی تک ہماری تمام کوششوں کے بعد بھی لوگوں میں دین کی سمجھ پیدا نہیں ہوئی ہے۔ میں ابھی آپ کے سامنے ایمان، اسلام، تقویٰ اور احسان کی جو وضاحت کر چکا ہوں اُس میں اگر کوئی چیز قرآن و حدیث کی تعلیم سے ہٹ کر کے میں نے خود گھڑ لی ہو تو آپ بے جھجک اسے بتا دیں۔ لیکن اگر آپ مانتے ہیں کہ اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول کی سنت کی رو سے ان چار چیزوں کی یہی حقیقت ہے تو پھر خود ہی سوچیں کہ جہاں ایمان کے تقاضے بھی پوری طرح پورے نہ ہوں، اور جہاں تقویٰ اور احسان کی جڑ ہی نہ پائی جاتی ہو، وہاں آخر کون سی روحانیت پائی جا سکتی ہے، جسے آپ تلاش کرنے جا رہے ہیں۔ رہی شریعت کی وہ چھوٹی باتیں، جن کو آپ نے دین کے سب سے پہلے مطالبوں میں جگہ دے رکھی ہے، تو ان کی صحیح جگہ میں آپ کو پھر ایک مرتبہ صاف صاف بتا دیتا ہوں تاکہ میں اپنی ذمے داری سے بری ہو جاؤں۔

رسول کس غرض کے لیے بھیجے گئے؟

سب سے پہلے ٹھنڈے دل سے اس سوال پر غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول دنیا میں کس غرض کے لیے بھیجے ہیں؟ دنیا میں آخر کس چیز کی کمی تھی؟ کیا خرابی پائی جاتی تھی جسے دور

کرنے کے لیے نبیوں کو بھیجنے کی ضرورت پیش آئی؟ کیا وہ یہ تھی کہ لوگ داڑھیاں نہ رکھتے تھے اور انھی کے رکھوانے کے لیے رسول بھیجے گئے؟ یا یہ کہ لوگ ٹخنے ڈھانکے رہتے تھے اور نبیوں کے ذریعے سے انھیں کھلوانا مقصود تھا؟ یا وہ چند سنتیں، جن کے اہتمام کا آپ لوگوں میں بہت چرچا ہے، دنیا میں جاری کرنے کے لیے نبیوں کی ضرورت تھی؟ ان سوالات پر آپ غور کریں گے تو خود ہی کہہ دیں گے کہ نہ اصل خرابیاں یہ تھیں اور نہ نبیوں کے بھیجے جانے کا اصل مقصد یہ تھا۔ پھر سوال یہ ہے کہ وہ اصل خرابیاں کیا تھیں جنھیں دور کرنا تھا، اور وہ حقیقی بھلائیاں کیا تھیں جنھیں قائم کرنے کی ضرورت تھی؟ اس کا جواب آپ اس کے سوا اور کیا دے سکتے ہیں کہ ایک اللہ کی اطاعت اور بندگی سے لوگوں کا ہٹ جانا، اپنے بنائے ہوئے اصول اور قوانین کو ماننا اور اللہ کی دی ہوئی ذمہ داریوں کا اور ان کے بارے میں جواب دینے کا احساس ختم ہو جانا، یہ تھیں وہ اصل خرابیاں جو دنیا میں پیدا ہو گئی تھیں۔ انھی کی وجہ سے اخلاق میں بگاڑ پیدا ہوا، زندگی کے غلط اصول رائج ہوئے اور زمین میں بگاڑ پھیلا۔ پھر نبی اِس غرض کے لیے بھیجے گئے کہ انسانوں میں اللہ کی بندگی اور وفاداری اور اس کے سامنے جواب دینے کا احساس پیدا کیا جائے، اچھے اخلاق کی پرورش کی جائے اور انسانی زندگی کا نظام اُن اصولوں پر قائم کیا جائے جن سے بھلائی اور نیکی کو بڑھاوا ملے اور برائی اور بگاڑ دب جائے۔ یہی ایک مقصد تمام نبیوں کے آنے کا تھا اور آخر میں اسی مقصد کے لیے حضرت محمد ﷺ بھیجے گئے۔

رسولِ کریم ﷺ کے کام کی ترتیب

اب دیکھیں کہ اس مقصد کے لیے حضرت محمد ﷺ نے کس ترتیب کے ساتھ کام کیا۔ سب سے پہلے آپ نے ایمان کی دعوت دی اور اس کو بہت کشادہ بنیادوں پر پختہ اور مضبوط کیا۔ پھر اس ایمان کے تقاضوں کے مطابق درجہ بہ درجہ اپنی تعلیم و تربیت کے ذریعے سے ایمان والوں میں اطاعت و فرماں برداری (اسلام)، اخلاقی پاکیزگی (تقویٰ) اور اللہ کی گہری محبت و وفاداری (احسان) کو پیدا کیا۔ پھر ان مخلص مومنوں کی منظم کوشش و محنت سے پرانی جاہلیت کے خراب نظام کو مٹایا اور اس کی جگہ اللہ کے قانون اور اللہ کے دیے ہوئے اخلاق اور تمدن کے اصولوں پر ایک صالح

نظام قائم کر دیا۔ اس طرح جب یہ لوگ اپنے دل و دماغ، نفس و اخلاق، افکار و اعمال، غرض ہر لحاظ سے واقعی مسلم، متقی اور محسن بن گئے اور اس کام میں لگ گئے، جو اللہ تعالیٰ کے وفاداروں کو کرنا چاہیے تھا، تب آپ نے اُن کو بتانا شروع کیا کہ پہننے اوڑھنے، کھانے پینے، رہنے سہنے، اٹھنے بیٹھنے اور دوسرے ظاہری برتاؤ میں وہ مہذب آداب کیا ہیں، جو تقویٰ والوں پر جچتے ہیں۔ گویا پہلے مٹی کو سونا بنایا پھر اس پر اشرفی کا ٹھپہ لگایا۔ پہلے سپاہی تیار کیے پھر انھیں وردی پہنائی۔ یہی اس کام کی صحیح ترتیب ہے، جو قرآن و حدیث کے گہرے مطالعے سے صاف نظر آتی ہے۔ اگر سنت کی پیروی نام ہے اس طریقے کا، جو نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی مرضی پوری کرنے کے لیے اللہ کی ہدایت کے تحت اپنایا تھا، تو بے شک یہ سنت کی پیروی نہیں بلکہ اس کی خلاف ورزی ہے کہ حقیقی مومن، مسلم، متقی اور محسن بنائے بغیر لوگوں کو تقویٰ والوں کے ظاہری سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جائے اور اُن سے احسان والوں کے چند مشہور کاموں کی نقل اتروائی جائے۔ یہ سیسے اور تانبے کے ٹکڑوں پر اشرفی کا ٹھپہ لگا کر بازار میں اُن کو چلا دینا، اور سپاہیت، وفاداری اور جاں نثاری پیدا کیے بغیر نرے وردی پوش نمائشی سپاہیوں کو میدان میں لا کھڑا کرنا میرے نزدیک تو جعلی سامان بنانے کی طرح ہے۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ نہ بازار میں آپ کی اِن جعلی اشرفیوں کی کوئی قیمت اٹھتی ہے اور نہ میدان میں آپ کے اِن نمائشی سپاہیوں کی بھیڑ سے کوئی جنگ جیتی جاتی ہے۔

اصلی قدر کس چیز کی ہے؟

پھر آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اللہ کے ہاں اصلی قدر کس چیز کی ہے؟ فرض کریں کہ ایک شخص سچا ایمان رکھتا ہے، فرض شناس ہے، اچھے اخلاق والا ہے، اللہ کی حدوں کا پابند ہے اور اللہ کی وفاداری کا حق ادا کر دیتا ہے، مگر ظاہری فیشن کے اعتبار سے اس میں کمی ہے اور ظاہری تہذیب کے معیار سے گرا ہوا ہے۔ اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ بس یہی تو ہوگی کہ ایک اچھا ملازم ہے مگر اس میں ذرا سلیقے کی کمی ہے۔ ممکن ہے کہ سلیقے کی اس کمی کی وجہ سے اس کے اونچے درجوں میں کچھ کمی ہو جائے، مگر کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس قصور میں اس کی وفاداری کا اجر بھی مارا جائے گا اور اس کا

مالک صرف اس لیے اسے جہنم میں جھونک دے گا کہ وہ اچھے حلیے اور عمدہ طور طریقے والا نہ تھا؟ فرض کریں کہ ایک دوسرا شخص ہے، جو بہترین شرعی فیشن میں رہتا ہے اور تہذیب و آداب کی بہت زیادہ پابندی کرتا ہے۔ مگر اس کی وفاداری میں کمی ہے، اس کی فرض شناسی میں کمی ہے، اس کی ایمانی غیرت میں خامی ہے۔ آپ کیا اندازہ کرتے ہیں کہ اِس کمی کے ساتھ اُس ظاہری کمال کی حد سے حد کتنی قدر اللہ کے ہاں ہوگی؟ یہ مسئلہ تو کوئی گہرا اور پیچیدہ قانونی مسئلہ نہیں ہے، جسے سمجھنے کے لیے کتابیں کھنگالنے کی ضرورت ہو۔ معمولی سمجھ ہی سے ہر آدمی جان سکتا ہے کہ ان دونوں چیزوں میں سے اصلی قدر کس چیز کی ہونی چاہیے۔ دنیا کے کم عقل لوگ بھی اتنی تمیز ضرور رکھتے ہیں کہ حقیقت میں جو چیز قدر کے قابل ہے اس میں اور سیکنڈری خوبیوں میں فرق کر سکیں۔ یہ انگریزی حکومت آپ کے سامنے ہے۔ یہ لوگ جیسے کچھ فیشن پرست ہیں اور ظاہری آداب اور طریقوں پر جس طرح جان دیتے ہیں اس کا حال آپ کو معلوم ہے۔ لیکن آپ جانتے ہیں ان کے ہاں اصلی قدر کس چیز کی ہے؟ جو فوجی افسر اُن کی سلطنت کا جھنڈا بلند کرنے میں اپنے دل و دماغ اور جسم و جان کی ساری قوتیں لگا دے اور فیصلے کے وقت پر کوئی قربانی دینے میں پیچھے نہ ہٹے، وہ ان کے نزدیک چاہے کتنا ہی اجڈ اور گنوار ہو، کئی کئی دن شیو نہ کرتا ہو، بے ڈھنگا لباس پہنتا ہو، کھانے پینے کی ذرا تمیز نہ رکھتا ہو، اسے ناچ گانا نہ آتا ہو، مگر ان سارے عیبوں کے ہوتے ہوئے وہ اس کی عزت کریں گے اور اسے ترقی کے سب سے اونچے درجے دیں گے۔ لیکن جو شخص فیشن، تہذیب، سلیقے اور سوسائٹی کے پسندیدہ طور طریقے کا مثالی ماڈل ہو، لیکن وفاداری میں کھوٹا ہو اور کام کے وقت اپنے مفادات کا زیادہ خیال کر جائے اسے وہ کوئی عزت کا مقام دینا تو دور کی بات ہے شاید اس کا کورٹ مارشل کرنے سے بھی پیچھے نہ رہیں۔ یہ جب دنیا کے کم عقل انسانوں کی جانکاری کا حال ہے تو اپنے خدا کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا وہ سونے اور تانبے میں تمیز کرنے کے بجائے محض اوپر اشرفی کا ٹھپہ دیکھ کر اشرفی کی قیمت اور پیسہ کا ٹھپہ دیکھ کر پیسے کی قیمت لگا دے گا؟

میری اس بات کا یہ مطلب نہ نکالیں کہ میں ظاہری خوبیوں کو مانتا نہیں ہوں یا اُن احکام

کی تعمیل کو ضروری قرار نہیں دے رہا ہوں، جو زندگی کے ظاہری پہلوؤں کو ٹھیک کرنے کے بارے میں دیے گئے ہیں۔ حقیقت میں تو میں یہ مانتا ہوں کہ مومن بندے کو ہر اس حکم پر عمل کرنا چاہیے جو اللہ اور رسول نے دیا ہو اور یہ بھی مانتا ہوں کہ دین انسان کے اندر اور باہر دونوں کو ٹھیک کرنا چاہتا ہے۔ لیکن جو چیز میں آپ کے ذہن میں بٹھانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو چیز پہلے ہے وہ آپ کے اندر والا حصہ ہے نہ کہ باہری حصہ۔ پہلے اپنے اندر میں حقیقت کا جوہر پیدا کرنے کی فکر کریں، پھر اپنے باہر کو حقیقت کے مطابق ڈھالیں۔ آپ کو سب سے بڑھ کر اور سب سے پہلے اُن خوبیوں کی طرف توجہ کرنی چاہیے جو اللہ کے ہاں اصل مقصود ہیں۔ ان خوبیوں کے نتیجے میں باہری حصہ تو خود ہی سنورتا جائے گا۔ اور اگر اس میں کچھ کسر رہ جائے تو خوبیوں کو پورا کرتے وقت اس کا اہتمام بھی کیا جاسکتا ہے۔

اگر آپ واقعی اسلامی نظام دیکھنا چاہتے ہیں تو پہلے اپنے آپ کو اور اپنے لوگوں کے دلوں کو بدلیں۔ وہ دل ان جسموں کو بدلیں گے جن میں وہ دھڑک رہے ہوں گے، پھر وہ جسم اپنے گھروں اور خاندانوں اور بستیوں اور شہروں کو بدلیں گے جن میں وہ رہتے ہوں گے۔ ان کی سیرتیں، ان کی صورتیں، ان کے معاملات، تعلقات سیاست، تجارت، رہن سہن اور تمدن ہر چیز بدلتی چلی جائے گی، یہاں تک کہ وہ ایک ایسی سوسائٹی اور ایسی جماعت بن جائیں گے کہ ان کے اندر زندگی کے کسی دوسرے نظریے کا چلنا ناممکن ہو جائے گا اور وہ اسلام نظام آجائے گا جس کی ہر چیز اسلامی اور ہر حصہ پورا کا پورا اسلام ہو گا۔
(ملک نصر اللہ خاںؒ، روداد جماعت اسلامی، حصہ پنجم، ص ۲۱۴)

دنیا کا فضول سے فضول اور غلط سے غلط طریقہ ممکن اور آسان ہے، شرط یہ ہے کہ اس کے پیچھے کچھ عزم والے مخلص لوگوں کی جماعت ہو، اور اگر ایسا نہیں ہے تو دنیا کا بہتر سے بہتر اور صحیح سے صحیح طریقہ بھی ناممکن اور مشکل بن جاتا ہے۔
(ملک نصر اللہ خاںؒ، روداد جماعت اسلامی، حصہ پنجم، ص ۲۱۲)

اجتماعات کا معیار*

اجتماع کے آداب

ذکر الٰہی کا اہتمام

یوں تو اللہ کی یاد انسان کی روحانی زندگی کے لیے ہر وقت اسی طرح ضروری ہے جس طرح ہماری مادی زندگی کے لیے سانس، لیکن ان موقعوں پر اس کا خصوصی اہتمام ہونا چاہیے، جہاں اللہ سے غافل کرنے والی چیزیں زیادہ جمع ہو جائیں۔ ایسے موقعوں پر نبی ﷺ لوگوں کو خاص طور پر اللہ کو یاد کرنے پر زور دیا کرتے تھے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ کے لیے یہ موقع بھی ان موقعوں میں سے ایک ہے جہاں بہت سی چیزیں آپ کو اللہ سے غافل کر سکتی ہے، اس وجہ سے میں خاص طور پر اللہ کو یاد کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ یہ یاد ہی آپ کے فکر و نظر کو روشن رکھے گی اور آپ جن باتوں پر غور کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں، اسی کی مدد سے ان میں آپ کو صحیح نتیجوں پر پہنچنے کی توفیق حاصل ہوگی۔ یہی چیز آپ کو اس وقت دوسروں کی برائی کرنے، غیبت کرنے اور توہین کرنے سے بچائے گی، جب آپ اپنے خیموں اور شامیانوں میں اکٹھے ہوں گے۔ اور یہی چیز آپ کے دلوں اور زبانوں کی اس وقت حفاظت کرے گی جب آپ کی رایوں میں اختلاف اور خیالات میں ٹکراؤ کی کوئی وجہ پیدا ہوگی اور اسی چیز کی مدد سے آپ اپنی اس سفر والی زندگی کے بے شمار مشکل مرحلوں میں اپنے اخلاق اور ایمان کو فتنوں سے بچا سکیں گے۔ اگر آپ نے اس کا اہتمام نہ رکھا تو ہر قدم پر آپ سے غلطی کا اندیشہ ہے۔ آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ آپ اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کا عزم لے کر

* اپریل ۱۹۴۶ء میں کل ہند اجتماع عام، الہ آباد کے موقع پر مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی افتتاحی تقریر

اٹھے ہیں۔ اس طرح کی جماعت کا فرض ہے کہ وہ ہر وقت اپنے قول و فعل کی کڑی نگرانی رکھے کہ اس سے کوئی بات ایسی نہ ہو جائے جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو اور ایسا صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے دل ہر وقت اللہ کی یاد سے آباد ہوں۔

ذکر کے ساتھ فکر بھی ضروری ہے

ذکر کے مفہوم سے کہیں آپ کو غلط فہمی نہ ہو۔ میرے نزدیک ذکر کا مطلب اس کے رائج مطلب سے بہت بڑا ہے۔ میں صرف زبان سے سبحان اللہ سبحان اللہ کے ورد کو ذکر نہیں سمجھتا۔ ایسا ذکر اکثر صرف زبان کا ایک مشغلہ بن کر رہ جاتا ہے اور انسان کی زندگی کی حفاظت نہیں کرتا۔ میرے خیال میں ذکر کے ساتھ فکر ضروری ہے۔ جو ذکر فکر سے خالی ہو وہ بے اثر ہوتا ہے۔ آپ اگر ذکر کی برکتوں سے پورے طور پر فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو دل سے اللہ کا، اس کی اعلیٰ صفات کا، اس کے انوکھے کرشموں کا، اس کی قدرتوں اور حکمتوں کا اور اس کے اس انعام یا سزا کا جو عہد کی پابندی یا عہد شکنی کی صورت میں اس کی طرف سے آپ کے لیے مقرر ہے، دھیان رکھیے اور جو کچھ کریں اللہ کے کلمے کو اونچا کرنے کے لیے کریں۔ آپ کی زبان سے جو کچھ نکلے وہ اللہ کی مرضی کے مطابق ہو، اور آپ کا جو قدم بھی اٹھے وہ اللہ کی راہ میں ہو، شیطان کی راہ میں نہ ہو۔ یہی ذکر ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے مطالبہ کیا ہے نہ یہ کہ آپ اس کے نام کو تو صبح و شام جپتے رہیں اور اس کے کاموں سے غافل ہو جائیں۔ اللہ کے ہاں اس ذکر کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اگر آپ واقعی اللہ کو یاد کرنا چاہتے ہیں تو اس عہد کو یاد رکھیے جو آپ کے اور اس کے درمیان اس کے رسولوں کے ذریعے سے ہوا ہے۔ یہ عہد اللہ کی پوری شریعت پر پھیلا ہوا ہے اور زندگی کے ہر مرحلے میں اسی کا اہتمام، اسی کی پابندی اور اسی کی اقامت کی کوشش وہ حقیقی ذکر ہے جس کا حکم قرآن مجید میں دیا گیا ہے۔ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ (البقرہ: ۱۵۲) "تو میرے عہد کو یاد رکھو جو تم نے مجھ سے کیا ہے، میں اس عہد کو یاد رکھوں گا جو میں نے تم سے کیا ہے اور میں نے شریعت کی جو نعمت تم پر نازل کی ہے اس پر میرے شکر گزار رہنا اور میری ناشکری نہ کرنا۔" یہی ذکر ہے جس کی میں اس وقت آپ کو تاکید کر رہا ہوں اور اگر آپ

نے اس سے غفلت برتی تو یہ سب کچھ کرنے کے باوجود جو میں یہاں دیکھ رہا ہوں، میں یہ سمجھوں گا کہ آپ نے اپنا وقت بھی ضائع کیا اور مال بھی برباد کیا۔ اور یہ دنیا اور آخرت دونوں کا گھاٹا ہو گا۔

نظم کی پابندی کا خیال

نظم کی پوری پابندی کا خیال رکھیے۔ مختلف شعبوں کے منتظمین کی طرف سے آپ کو جو ہدایتیں ملیں ان کی ذرا بھی خلاف ورزی نہ ہو۔ نماز کی جگہ، کھانا کھانے کی جگہ، اجتماع کی جگہ، آپ کی چلت پھرت ایک منظم اور باوقار جماعت کی سی ہو۔ کہیں ہڑبونگ اور ہلّڑ کی صورت نہ پیدا ہونے پائے۔ اس سلسلے میں یہ حقیقت سامنے رکھیے کہ ڈسپلن کے تقاضوں کو پورا کرنا، دوسروں کے نزدیک صرف ایک اجتماعی اخلاق ہے جس کی خلاف ورزی کرنے والا صرف سوسائٹی میں نکّو بنتا ہے، مگر ایک مسلمان کے نزدیک اس کی حیثیت ایک مذہبی فریضے کی ہے جس کی خلاف ورزی سے آخرت میں اللہ اور رسول کی ناراضی کا ڈر ہے اور دنیا میں بھی انسان ذلیل ہوتا ہے۔ جماعتی زندگی کی بقا اور ترقی کے لیے جن باتوں کی ضرورت ہے ان کا حکم خود اللہ اور رسول ﷺ نے دیا ہے اور ان کی پابندی کا ہر مسلمان سے مطالبہ کیا ہے۔ اس لیے جن لوگوں کا جماعتی اخلاق کم زور ہے اور جو نہیں جانتے کہ ایک فرد کو جماعت کے اندر کس سیرت اور کس اخلاق کے ساتھ رہنا چاہیے۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ صرف ایک اخلاقی خوبی سے محروم ہیں۔ بلکہ حقیقت میں جس قدر ان کا جماعتی اخلاق کم زور ہے اسی قدر ان کی دین داری میں کم زوری ہے۔ کوئی مسلمان اعلیٰ درجے کی جماعتی سیرت کے بغیر اعلیٰ درجے کا دین دار مسلمان نہیں ہوسکتا، چاہے وہ کتنے ہی روزے رکھے اور کتنی ہی نمازیں پڑھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ "میں اعلیٰ اخلاق کی ساری باتوں کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں" اس اعلیٰ اخلاق کا سب سے اعلیٰ نمونہ اگر خود مسلمان نہ پیش کر سکیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان اس مقصد سے غافل ہو گئے جس کے لیے رسول ﷺ بھیجے گئے تھے۔

رسول ﷺ نے بہترین اخلاق کی جو تعلیم دی اور اس کا اثر عربوں جیسی جاہل اور اُجڈ قوم پر جو کچھ پڑا اس کا کچھ اندازہ ایرانی سپہ سالار رستم کے اس فقرے سے کیا جا سکتا ہے جو اس نے اسلامی

فوج کی نمازوں کی صفیں دیکھ کر کہا تھا کہ أکل عمر کبدی یعلم الکلاب الأداب "عمر تو میرا کلیجہ کھا گیا۔ یہ تو کتوں کو ڈسپلن کی تعلیم دے رہا ہے" جس جماعت کے ڈسپلن پر ایران ایسی تہذیب یافتہ قوم کے سپہ سالار کو رشک آئے اس جماعت کی جماعتی سیرت کا تصور کریں اور پھر اس سے اپنے آپ کو ملا کر دیکھیں، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ کا اجتماعی اخلاق اس سے کوئی جوڑ نہیں رکھتا، بلکہ شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آپ اسی مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں سے چلے تھے۔ یہاں تک کہ ایک معمولی سا اجتماع آپ کی اجتماعی سیرت کی تمام کمزوریوں کو سامنے لے آتا ہے۔ آپ کے مستقبل کی طرف سے کچھ مایوسی ہونی لگتی ہے کہ جو لوگ اتنی چھوٹی چھوٹی آزمائشوں میں پورے نہیں اترتے، وہ بڑے بڑے امتحانوں میں کسی مضبوط اجتماعی کیرکٹر کا کیا ثبوت دے سکیں گے؟

اجتماعی سفر کے آداب کا خیال

میں نے ایک لمبا سفر ابھی ابھی آپ کے ساتھ کیا ہے۔ اس سفر میں آپ کی سیرت کا جو مظاہرہ میں نے دیکھا ہے اس سے نہ صرف یہ کہ مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی بلکہ اگر سچ پوچھیے تو تھوڑی سی تکلیف ہوئی ہے۔ سفر میں جس ایثار، جس برداشت، جس وقار کی ضرورت ہے اس کا ابھی بہت تھوڑا حصہ آپ میں نظر آیا۔ مختلف موقعوں پر آپ نے جیسی بے صبری اور جلد بازی دکھائی ہے وہ ریل کے عام مسافروں سے کچھ مختلف نہیں تھی۔ آپ نے ایسے بہت سے لوگوں کو تکلیفیں بھی پہنچائی ہیں، جن سے معافی مانگنے کا بھی اب آپ کے لیے کوئی موقع باقی نہیں رہا۔ سفر میں آپ کا وقت زیادہ تر اسی قسم کی باتوں میں گزرا جن میں ریل کے عام مسافر گزارتے ہیں۔ میں نے کبھی کبھی یہ بات بھی محسوس کی کہ جماعت کے ارکان نے آپس میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح کا سلوک نہیں کیا جو صحیح اسلامی اخلاق کا تقاضا تھا، بلکہ سفر میں آزمائش کے موقعوں پر ایک دوسرے سے بے گانہ ہو گئے۔ یہ علامتیں اچھی نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اندر سچی اسلامی سیرت کی تعمیر بڑی سست رفتاری سے ہو رہی ہے۔ مجھے ان باتوں کا ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے، لیکن خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ میں اس شرم کی پروا کیے بغیر آپ کی کوتاہیوں پر آپ کو

ٹوکوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس اعلیٰ مقصد کو یاد رکھیں گے جس کے لیے آپ اٹھے ہیں اور آپ اس اعلیٰ مقصد کے لیے جس انفرادی اور اجتماعی سیرت کی ضرورت ہے اس کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے پوری سرگرمی سے کام لیں گے اور جس جگہ ہوں گے، بازار ہو یا اسٹیشن، ریل ہو یا سڑک، ہر جگہ اسی سیرت کا مظاہرہ کریں گے۔

اجتماعات کا مقصد سامنے رکھیں

ہمارے اجتماعات کا مقصد آپ کو معلوم ہے، وعظ اور تقریر نہیں ہے ہم نے اس کام کے لیے آپ کا وقت اور روپیہ نہیں خرچ کرایا ہے۔ بلکہ ہمارے سامنے چند اہم مقاصد ہیں جن کے لیے یہ اجتماعات کیے جاتے ہیں۔ اور نہایت ضروری ہے کہ اس موقع پر آپ ان کو سامنے رکھیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ ہنگامہ آپ کو ان سے غافل کر دے اور یہ تمام کوشش بے فائدہ ہی رہ جائے۔

آپس میں تعارف

ان اجتماعات کا پہلا مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں کو ایک خاص مقصد کے عشق نے ایک دوسرے سے جوڑ دیا ہے وہ آپس میں ایک دوسرے کو قریب سے جان لیں، ایک دوسرے کے حالات اور مشکلات معلوم کر سکیں اور اصل مقصد کی راہ میں ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس سے یہ ہوگا کہ آج بھی آپ جتنا ہو سکے گا آپس میں تعاون اور مل جل کر کام کرنے کی راہیں کھول لیں گے اور آئندہ بھی جب ضرورت پیش آئے گی تو آپ کو آسانی سے آپس میں جوڑا اور ملایا جا سکے گا اور ایک مقصد کے لیے ایک راہ میں آپ کی قوتوں اور قابلیتوں کو استعمال کیا جا سکے گا۔ یہ مقصد چاہتا ہے کہ آپ اپنی فرصت کے اوقات فضول باتوں میں ضائع کرنے کی جگہ ایک دوسرے سے تعارف اور ملاقاتیں پیدا کرنے میں صرف کریں۔ اگر یہ کام آپ نے اس کے اصل مقصد کو سامنے رکھ کر کیا تو اس اجتماع کے ایک بنیادی مقصد کو پورا کریں گے اور اس سے آپ کی شخصی زندگی کو بھی فائدے پہنچیں گے اور آپ کی جماعتی زندگی میں بھی اس سے مفید نتیجے حاصل ہوں گے۔

فکر کو سمجھنے سمجھانے کا موقع

دوسرا مقصد یہ ہے کہ ہم تبلیغ و دعوت کے کام کو صرف لٹریچر کی اشاعت تک محدود نہیں رکھنا چاہتے، بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے لٹریچر سے لوگوں میں جو اچھی فکر پیدا ہو رہی ہے، موقع پر پہنچ کر اس کی سینچائی کا سامان بھی کریں۔ اس مقصد کے لیے ہم یہ سالانہ اجتماع ہندوستان کے مختلف حصوں میں کرنا چاہتے ہیں تاکہ ملک کے ہر حصے کے لوگوں تک ہم اپنی دعوت سیدھی پہنچا سکیں اور جو لوگ ہم سے ملنا چاہیں آسانی سے ہم سے مل کر اگر کچھ شکوک و شبہات ہوں تو دور کر سکیں۔ اس مقصد کو پوری طرح حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے ارکان میں سے جو لوگ جماعت کے مقاصد کو دوسروں کے سامنے پیش کرنے کی کوئی قابلیت رکھتے ہیں، یا اعتراض کرنے والوں کے شبہات و اعتراضات کو دور کر سکتے ہیں، وہ اجتماعِ عام سے فرصت پانے کے بعد اپنا زیادہ تر وقت ان لوگوں کے ساتھ صرف کریں جو اس موقع پر ہندوستان کے مختلف حصوں سے یہاں آئے ہوئے ہیں اور جماعت کے مقصد کو سمجھنا چاہتے ہیں یا اس کے متعلق کچھ شبہات دور کرنا چاہتے ہیں۔

. . .

اجتماع کے بعد اپنا احتساب*

جس طرح آپ کے اجتماعات کی ظاہری شکل و صورت دوسرے اجتماعات سے مختلف ہوتی ہے، اسی طرح ان کا اندرون بھی دوسرے اجتماعات کے اندرون سے مختلف ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ کو اس کے ظاہری ہنگاموں نے اس قدر مشغول نہ رکھا ہوگا کہ آپ کو اس کے اندرون کی طرف توجہ کرنے کا سرے سے موقع ہی نہ ملا ہو۔ میں تو توقع رکھتا ہوں کہ آپ کا یہاں آنا آپ کے لیے مفید ہوا ہوگا۔ آپ نے اپنے مقصد میں بصیرت حاصل کی ہوگی اور اس کے لیے آپ میں نئی ہمت اور تازہ سرگرمی پیدا ہوئی ہوگی۔ اللہ نہ کرے، اگر اس طرح کی کوئی بات نہ پیدا ہوئی ہو، آپ محض محنت اور تکان کا اثر یہاں سے لے کر واپس جا رہے ہوں، تو گھر جا کر اپنا اچھی طرح جائزہ لے کر

* مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی اختتامی تقریر

ہمیں اطلاع دیں کہ ہم بالکل خالی ہاتھ واپس آئے، تاکہ ہم غور کرسکیں کہ یہ محرومی کس کی غلطی کا نتیجہ ہے؟ آپ کی یا ہماری؟ یا دونوں کی؟ اور آئندہ کے لیے اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔ جس طرح آپ کی پیش کی ہوئی رپورٹوں سے ہم نے اپنے کاموں کی رفتار معلوم کرنے کی کوشش کی ہے اسی طرح آپ کی اطلاعات سے ہم اندازہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے اجتماعات کتنے مفید رہے، تاکہ وقت اور مال کی بربادی سے اپنے آپ کو بچا سکیں اور یہ اجتماعات محض رسمی چیز بن کے نہ رہ جائیں، بلکہ ان سے وہ مقصد حاصل ہو جس کو سامنے رکھ کر یہ کیے جاتے ہیں۔

جماعت اسلامی سے سچے تعلق کی کسوٹی

میں اس وقت جماعتِ اسلامی کی بعض خصوصیات کی طرف اشارہ کروں گا لیکن ان خصوصیات کے بیان کرنے سے مقصد یہ نہیں ہے کہ یہ واقعی جماعت کے ارکان کے اندر موجود ہیں، بلکہ یہ ہے کہ یہ آپ کے اندر ہونی چاہئیں اور آپ کا فرض ہے کہ آپ برابر اپنا جائزہ لے کر دیکھتے رہیں کہ یہ آپ کے اندر موجود ہیں یا نہیں اور اگر موجود ہیں تو کس حد تک؟ اور انھی کو آپ جماعت کے ساتھ تعلق کے لیے کسوٹی بنائیے۔ اگر یہ خصوصیات پورے طور پر موجود ہیں تو سمجھیے کہ جماعت کے ساتھ آپ کا رشتہ پورا ہے اور اگر پورے طور پر موجود نہیں ہیں تو سمجھیے کہ جماعت کے ساتھ آپ کا تعلق بھی ادھورا ہے اور اگر یہ سرے سے موجود ہی نہیں ہیں تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ جماعت کے ساتھ آپ کا تعلق صرف رسمی و ظاہری ہے۔ حقیقت سے اس کو کچھ لینا نہیں۔

(۱) غربت و اجنبیت محسوس کریں

موجودہ ماحول کے اندر آپ غربت کا احساس کریں۔ غربت سے میری مراد مال و اسباب کی کمی نہیں ہے۔ اس چیز کا احساس تو ایک مسلمان، اگر وہ سچا مسلمان ہے، کبھی کرتا ہی نہیں۔ غربت سے میری مراد یہ ہے کہ موجودہ فضا میں آپ کو ہر جگہ اجنبیت کا احساس ہو۔ خاندان میں، سوسائٹی میں، قوم میں آپ کو ہم درد اور ہم خیال بہت کم نظر آئیں۔ آپ کو ہر مجلس میں احساس ہو کہ آپ جو کچھ چاہتے ہیں، دوسروں کی چاہت اس سے مختلف ہے۔ آپ جو کچھ سوچتے ہیں، دوسروں کی فکر

اس سے بالکل الگ ہے۔ آپ کی پسند، آپ کا رجحان، آپ کا خیال اور آپ کا ارادہ، ہر چیز دوسروں کی پسند، رجحان اور خیال و ارادہ سے بالکل الگ بلکہ ٹکراتی ہوئی نظر آئے۔ آپ کو ایسا محسوس ہو کہ آپ خشکی کی مخلوق ہیں اور آپ کو سمندر میں ڈال دیا گیا ہے یا آپ سمندر کے جانور ہیں اور آپ کو خشکی میں پھینک دیا گیا ہے۔ دوسروں کو اپنی کام یابی کی راہیں بہت کشادہ نظر آرہی ہوں مگر آپ کو اپنی کام یابی کی راہ رُندی ہوئی ملے۔ دوسرے جس راہ پر چل رہے ہوں، وہ قافلوں سے بھری ہوئی ہو، مگر آپ کو ہر راہ میں مددگاروں کی کمی کا سامنا ہو۔ دوسرے کے لیے زندگی کے سامانوں کے انبار لگے ہوں مگر آپ کو زندہ رہنے کے چند سوکھے نوالوں کے لیے بھی چوٹی کا پسینہ ایڑی تک پہنچانا پڑے۔ جب آپ موجودہ دنیا میں اس طرح اپنے آپ کو مشکلات کے شکنجوں میں کسا ہوا پائیں اور آپ کے قریبی سے قریبی عزیز بھی ان مشکلات کے حل کرنے میں آپ کی کوئی مدد نہ کریں، بلکہ الٹا انھیں اور زیادہ بڑھانے کی کوشش کریں، تب آپ سمجھیے کہ جماعت اسلامی کے مقاصد کا سچا شعور آپ کے اندر پیدا ہو گیا ہے اور اس کی نشانیاں آپ کے باہر اور اندر دونوں میں اچھی طرح اُبھر رہی ہیں۔ اور اگر یہ باتیں نہ پائی جائیں، بلکہ جماعت اسلامی میں داخل ہونے کے بعد بھی ماحول آپ کے لیے اسی طرح سازگار اور موافق ہے جس طرح جماعت میں داخل ہونے سے پہلے تھا اور آپ کے پھیلے ہوئے تعلقات کے کسی گوشے میں کوئی خرابی نہیں آئی ہے، آپ کے احباب پہلے کی طرح آپ سے خوش اور آپ کے عزیز اب بھی آپ سے راضی ہیں، آپ کی کمائی اور روزگار کی ساری راہیں پہلے کی طرح اب بھی کھلی ہوئی ہیں اور کسی طرف سے آپ اجنبیت محسوس نہیں کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے جماعت اسلامی کا صرف لیبل اپنے اوپر لگا لیا ہے، اس کی حقیقت آپ کے دل کے اندر نہیں اتری ہے۔

اس چیز کو آپ جماعت کے ساتھ اپنے رشتے کو جاننے کے لیے کسوٹی قرار دیں اور آپ میں سے ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر خود اپنا اندازہ کر کے فیصلہ کر لے کہ جماعت کے ساتھ اس کا تعلق حقیقی ہے یا محض دکھانے کا۔ ہم جن لوگوں کی تلاش میں ہیں وہ پہلی قسم کے لوگ ہیں۔ وہی لوگ ہیں

جن کے لیے حدیث میں مبارک باد دی گئی ہے اور جن کے بارے میں رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

"وہی ہیں جو میرے بعد کے بگاڑ کی اصلاح کریں گے۔"

(۲) راہ حق کے ساتھیوں سے سچی دوستی کریں

دوسری خصوصیت جو مطلوب ہے، اور جو پہلی خصوصیت ہی کا لازمی نتیجہ ہے، یہ ہے کہ آپ اپنا سارا تعلق اور دل چسپی ان لوگوں کے ساتھ بڑھائیں جو اصول و مقاصد میں آپ کے ساتھ ہوں۔ اگر ان کی تعداد کم ہو تو اس کی پروانہ کریں۔ انھی کی رفاقت اور مدد کی قدر کریں۔ وہ آپ کے عزیز نہ ہوں، لیکن آپ ان کو عزیزوں سے بڑھ کر عزیز رکھیے۔ وہ آپ کی قوم سے باہر کے ہوں، لیکن آپ کی حمیت ان کے لیے اپنی قوم سے بھی زیادہ ہو۔ وہ ہمیشہ سے آپ کے اور آپ کی قوم کی دشمن رہے ہوں، لیکن آج اگر انھوں نے اس حق کو قبول کرلیا ہے، جس حق کو آپ نے قبول کیا ہے، تو آپ کی طرف سے ان کے لیے صرف سچی دوستی ہی ہونی چاہیے۔ آپ ہر طرف سے کٹ کر اپنی ساری دل چسپیاں صرف ان کے اندر ڈھونڈھیے۔ یہی آپ کے عزیز ہوں، یہی آپ کے دوست ہوں، یہی آپ کے ہم درد ہوں۔ ان کے سوا دوسروں کے ساتھ آپ کا تعلق دوستی اور محبت کا نہ ہو بلکہ صرف خیر خواہی اور خیر سگالی کا ہو، آپ ان کو بھی اس حق سے جوڑیے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر کھولا ہے۔

آپ کا گھرانہ حق والوں اور ایمان والوں کا گھرانہ ہو۔ جن کا رشتہ حق کے ساتھ جتنا کم زور ہو آپ کا رشتہ ان کے ساتھ اُتنا ہی کم زور ہونا چاہیے۔ اور جن کا رشتہ ایمان کے ساتھ جتنا ہی مضبوط ہو، آپ کا رشتہ ان کے ساتھ اتنا ہی مضبوط ہونا چاہیے۔ اس اصول کو سامنے رکھ کر اپنی دوستیوں اور دشمنیوں کا پورا جائزہ لیں اور اگر کہیں آپ کو نظر آئے کہ آپ دوستی کے حق دار کے ساتھ دشمنی اور دشمنی کے حق دار کے ساتھ دوستی کا معاملہ کر رہے ہیں تو اللہ کے ڈر سے اس کی اصلاح کریں۔ اگر آپ ایک اصول کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں تو اس کے دشمنوں کے ساتھ آپ کی دوستی نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح جو لوگ اس اصول سے دوستی رکھتے ہیں ان کے ساتھ آپ کی دشمنی بھی فطرت کے خلاف

ہے۔ آپ نسل و نسب کے بُت کے پجاری نہیں ہیں اور نہ آپ کو رنگ و خون کے فرق ہی سے کوئی دل چسپی ہے۔ آپ کی نفرت و محبت تو بس اللہ اور رسولؐ کے لیے ہے۔ جو لوگ اللہ و رسولؐ کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑلیں آپ ان کے بن گئے۔ آپ کا اور ان کا رشتہ مادی رشتہ ہے، اخلاقی رشتہ ہے اور روحانی رشتہ ہے۔ اگر ایمان اور اسلام کے رشتہ کے سوا کوئی اور رشتہ بھی آپ نے باقی رکھ چھوڑا ہے، تو اس کی اصلاح کی کوشش کریں اور جلد سے جلد اس کو حق کا پابند کریں۔ نہیں معلوم کب آپ کے سامنے آزمائش کی گھڑی آجائے اور وہ آپ سے مطالبہ کرے کہ حق کے لیے چچا بھتیجے کی گردن پر تلوار چلائے اور بھانجا ماموں کے سینے پر نیزہ مارے۔

باطل اور باطل کے تمام رشتوں سے دل کو کاٹ لینا اصل روحانی ہجرت ہے۔ جو اس دن سے شروع ہوجاتی ہے، جس دن اللہ کا ایک بندہ حق کو قبول کرتا اور اس کی خاطر باطل کو چھوڑتا ہے۔ آپ اس روحانی ہجرت کا عزم کریں اور اس راہ میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں ان پر قابو پانے کی مشق حاصل کریں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے لیے پہلے سے کسی اہتمام کی ضرورت نہیں ہے۔ جب وقت آئے گا، وہ حق کے لیے بڑی سے بڑی قربانیاں بھی پیش کردیں گے اور عزیز سے عزیز رشتوں پر قینچی بھی چلادیں گے لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ آزمائش کی گھڑیوں میں دل و دماغ کی ضرورت اسی قوت سے پوری ہوتی ہے جو واقعی موجود ہو اور جس کا ذخیرہ پہلے سے فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ جو لوگ اپنی فوج کو اس وقت ٹریننگ دیتے ہیں جب دشمن نے حملہ کردیا ہو، ان کے حصے میں ناکامی کے سوا اور کچھ نہیں آتا۔

(۳) اپنے موقف میں مضبوطی پیدا کریں

تیسری خصوصیت جو آپ کو اپنے اندر پیدا کرنی ہے، وہ یہ ہے کہ جو لوگ اصول اور مقصد میں آپ سے الگ ہوں، وہ آپ کو نرم چارہ نہ پائیں۔ وہ جب آپ کو ٹٹولیں تو انھیں محسوس ہو کہ ان کے لیے آپ کے اندر انگلی دھنسانے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ وہ اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے آپ کو کھلونا نہ بنا سکیں۔ پہلی جماعت کے لیے آپ جتنے سادہ دل، کریم النفس اور بھولے

بھالے ہوں، دوسری جماعت کے لیے آپ کو اسی قدر ہوشیار، چوکنا اور اصول پرست ہونا چاہیے۔ ان کو آپ ہرگز اس بات کا موقع نہ دیں کہ وہ آپ پر اپنا رنگ چڑھادیں اور آپ کو اپنے سانچے میں ڈھال لیں۔ جب تک آپ میں یہ صفت نہ پیدا ہو، اس وقت تک نہ آپ کے اندر جماعتِ اسلامی کے مقاصد کی صحیح سمجھ پیدا ہوئی ہے اور نہ آپ میں وہ سیرت پیدا ہوئی ہے جو جماعت اسلامی کے مقاصد کی تکمیل کے لیے چاہیے ہے۔ قرآن مجید میں ایمان والوں کی جو تعریف کی گئی ہے کہ وہ "اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ" کفّار پر سخت ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جو لوگ اللہ کی فوج میں بھرتی ہو چکے ہیں ان کے لیے یہ بات جائز نہیں ہوسکتی کہ وہ دشمن کے بگل پر بھی لیفٹ رائٹ شروع کردیں اور وقتی فائدوں کے لیے اس کا کلمہ بلند کردینے اور اس کی لڑائی لڑدینے میں بھی کوئی حرج نہ خیال کریں۔ جو لوگ حق و باطل دونوں کے ساتھ رشتہ رکھنا چاہتے ہیں ان کا رشتہ صرف باطل کے ساتھ رہتا ہے۔ حق اس قسم کی شرکت اور آلودگی کو گوارا نہیں کرتا آپ کی سیرت کی وہ ساری کم زوریاں جو آپ کے اندر باطل کو گھسنے کی راہ دیتی ہے، آپ کے ایمان کی کم زوری کی دلیل ہیں اور اب جو زندگی آپ نے شروع کی ہے اس کا سب سے پہلا تقاضا ہے کہ آپ ان کم زوریوں کو دور کرنے کی پوری کوشش کریں۔

یہ دو تین باتیں میں نے آپ کے سامنے کسوٹی کی حیثیت سے پیش کی ہیں، آپ ان کے اوپر اپنے آپ کو جانچ کر معلوم کرسکتے ہیں کہ جماعت کے ساتھ آپ کا تعلق کس طرح کا ہے؟ بس زبان سے آپ اس کے ساتھ ہوگئے ہیں اور دل آپ کا انھی کوچوں میں ابھی آوارہ گردی کررہا ہے جن میں پہلے آوارہ گردی کررہا تھا یا آپ دل اور زبان دونوں سے اس کے ساتھ ہیں؟

اللہ کی یاد، پوری زندگی کا زادِ راہ

میں رخصت کرنے سے پہلے کچھ راستے کا سامان بھی آپ کو دینا چاہتا ہوں۔ یہ آپ کے راستے میں بھی کام آئے گا، گھر پر بھی کام دے گا، اور اگر آپ نے اس کی قدر کی تو یہ زندگی کے ہر مرحلے میں آپ کے کام آئے گا۔ یہ زادِ راہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی یاد! مجھ پر اللہ کی کتاب اور اس کے

رسول کی حدیثوں سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ تمام طاقت و قوت کا خزانہ اللہ کی یاد ہے۔ آپ کا دل اس کی یاد سے کبھی خالی نہ رہنا چاہیے۔ اللہ کی یاد سے میری مراد ذکر اور فکر دونوں ہے۔ میں صرف اس ذکر کی دعوت نہیں دے رہا ہوں جو بس زبان کا وظیفہ بن کے رہ جائے۔ دل و دماغ سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اس طرح کے ذکر کا کچھ فائدہ نہیں ہے۔ اور میں صرف قولی ذکر کی دعوت نہیں دے رہا ہوں، میرے نزدیک اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کی ہر کوشش اللہ کے ذکر میں داخل ہے بلکہ حقیقی ذکر یہی ہے۔ آپ اس ذکر کا اہتمام کریں۔ آپ کے سامنے جو مرحلے آرہے ہیں ان میں یہی چیز کام دے گی۔ اسی سے ہر مشکل آسان ہوگی۔

اگر انھیں ہم پر یا ہماری جماعت کے نظام پر اطمینان نہیں ہے تو انھیں کسی دوسری ایسی جماعت کی تلاش کرنی چاہیے جو اسلامی مقصد کے لیے اسلامی طریقے سے کوشش کر رہی ہو۔ اگر وہ کوئی ایسی جماعت پائیں اور اس کے بارے میں ان کا دل مطمئن ہو جائے تو اس میں شریک ہو جائیں، اور اگر وہ کوئی ایسی جماعت نہ پائیں، یا پائیں اور ان کا دل وہاں بھی مطمئن نہ ہو سکے تو پھر انھیں خود اپنے اور دوسرے ہم خیال لوگوں کے ساتھ مل کر اسی مقصد کے لیے نئی جماعت بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن یہ بات کہ نہ وہ کسی دوسری اسلامی جماعت میں شریک ہوں اور نہ خود اسے قائم کرنے کے لیے کوشش کریں تو اس کے لیے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(مولانا امین احسن اصلاحیؒ، روداد جماعت اسلامی، حصہ پنجم، ص ۲۱۶)

انسان بہر حال انسان ہیں بدلتے بدلتے ہی بدلیں گے، ان کو اینٹ پتھر کی طرح ہتھوڑے مار مار کر فوراً مطلوبہ شکل نہیں دی جاسکتی۔

(میاں طفیل محمدؒ، روداد جماعت اسلامی، حصہ سوم، ص ۳۱)

خواتین کا مطلوبہ کردار*

بہنو! مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ یہاں خواتین میں بھی اسلامی تحریک پھیل رہی ہے اور آپ نے اس دعوت کو پھیلانے کے لیے اپنا ایک منظم حلقہ بنالیا ہے۔ ہمارے اس کام میں عورتوں کی شرکت اور تعاون کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی مردوں کی شرکت اور تعاون کی ہے۔ انسانی زندگی میں آپ برابر کی حصہ دار ہیں اور زندگی کے جو پہلو آپ سے تعلق رکھتے ہیں وہ ان پہلوؤں سے کسی طرح بھی اہمیت میں کم نہیں ہیں جو مردوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس طرح گاڑی کے دو پہیوں میں سے کوئی بھی اس وقت تک ٹھیک نہیں چل سکتا جب تک کہ دوسرا پہیّہ اس کا ساتھ نہ دے، اسی طرح انسان کی اجتماعی زندگی کا نظام بھی کبھی ٹھیک نہیں چل سکتا جب تک کہ اس کے چلانے میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی برابر کا حصہ نہ لیں۔ اللہ نے اس گاڑی کو بنایا ہی اس طرح ہے کہ یہ دو پہیوں پر حرکت کرتی ہے اور اگر ایک پہیہ جم جائے یا الٹی حرکت کرنے لگے تو تنہا دوسرا پہیہ اس کو لے کر زیادہ دور تک اور زیادہ دیر تک نہیں گھسیٹ سکتا۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی بنا پر ہر اجتماعی تحریک عورتوں کی شرکت اور تعاون کو اہمیت دینے پر مجبور ہے۔ مگر خاص طور پر اسلامی تحریک تو اس کو بہت ہی زیادہ اہمیت دیتی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ اسلام ٹھیک ٹھیک اللہ کی بنائی ہوئی ساخت کے مطابق انسانی زندگی کا نظام درست کرنا چاہتا ہے، جس کے لیے عورتوں کا درست ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا مردوں کا درست ہونا۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام جس اللہ کی بندگی کی طرف بلاتا

* اپریل ۱۹۴۷ء میں ٹونک کے اجتماع میں امیر جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا خواتین سے خطاب

ہے وہ عورتوں کا بھی ویسا ہی اللہ ہے جیسا مردوں کا ہے۔ جس دین کو حق کہتا ہے وہ عورتوں کے لیے بھی ویسا ہی حق ہے جیسا مردوں کے لیے ہے۔ جس نجات کو مقصود قرار دیتا ہے اس کی ضرورت عورتوں کو بھی ویسی ہی ہے جیسی مردوں کو ہے۔ جس دوزخ سے بچانا چاہتا ہے وہ عورتوں کے لیے بھی اتنی ہی خوف ناک ہے جتنی مردوں کے لیے ہے۔ اور جس جنت کی امید دلاتا ہے وہ عورتوں کو بھی اپنی ہی کوشش سے مل سکتی ہے، جس طرح مردوں کو اپنی کوشش سے۔ اگر کسی مرد کی نجات کے لیے یہ بات کافی نہیں ہوسکتی کہ اس کی بیوی یا ماں یا بہن ایمان لائی تھی اور اللہ کو خوش کرنے کے لیے کوشش کرتی رہی تھی تو ظاہر ہے کہ کوئی عورت بھی بس اس بنا پر نجات نہیں پاسکتی کہ اس کا شوہر یا باپ یا بھائی ایمان لایا تھا اور اس نے اپنے اللہ کو خوش کرنے کے لیے جان کھپائی تھی۔ اللہ کے ہاں کوئی شخص کچھ بھی نہیں پاسکتا جب تک کہ اس نے خود کچھ پانے کی کوشش نہ کی ہو۔ اس لیے اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کو یکساں اپنی اپنی نجات کی فکر ہو۔ ہر ایک دل و جان سے وہ کام انجام دے جو اسے اللہ کی سزا سے بچائیں اور اس کے انعام کا حق دار بنائیں، کوئی مرد یا عورت اس طرح اپنے آپ کو دوسروں کے ساتھ نہ باندھ لے کہ اسی کے ساتھ بندھے بندھے دوزخ میں جا پہنچے۔ اور نہ کوئی مرد یا عورت ایسی اندھوں کی سی زندگی بسر کرے کہ اس کے اپنے گھر میں دین و ایمان کی روشنی موجود ہو مگر وہ اس سے فائدہ نہ اٹھائے۔

تحریک اسلامی کی جو تاریخ ہمارے سامنے ہے وہ ہمیں بتاتی ہے کہ شروع سے عورتوں نے اس تحریک میں مردوں کے ساتھ برابر کا حصہ لیا ہے۔ نبی ﷺ پر ایمان لانے کی سعادت سب سے پہلے جس کو نصیب ہوئی وہ ایک خاتون ہی تھیں۔ یعنی ہماری، آپ کی اور سب مسلمانوں کی ماں حضرت خدیجہؓ۔ وہی تھیں جنھوں نے نبوت کے بار کو اٹھاتے وقت حضورؐ کے کانپتے ہوئے دل کو تسلی دی۔ وہی تھیں جو دس سال تک ہر قسم کی سختیوں میں حضورؐ کی بہترین رفیق بنی رہیں۔ اور انھی کا سرمایہ تھا جس سے مکی دور میں اسلام کا مشن چلتا رہا۔ نبوت کے پہلے تین برسوں میں جو پچپن اشخاص ایمان لائے تھے ان میں نو عورتیں شامل تھیں۔ سات آٹھ برس تک مکے میں انتہائی

ظلم و ستم سہنے کے بعد جو تراسی اشخاص اپنا گھر بار چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کر گئے تھے ان میں اٹھارہ عورتیں تھیں، جنھوں نے دین و ایمان کی خاطر جلاوطنی کی مصیبتوں میں اپنے شوہروں اور بھائیوں کا ساتھ دیا۔ مکے میں جن لوگوں نے کفار کے ہاتھوں سب سے بڑھ کر ظلم سہے ان میں اگر بلالؓ اور عمارؓ جیسے مرد تھے تو ام عُبَیسؓ، ام عمارؓ اور زنّیرہؓ جیسی عورتیں بھی تھیں۔ اسی طرح مدینے میں جہاں انصار کے مردوں نے اسلام کی خاطر قربانیاں پیش کیں، عورتوں نے بھی ان میں کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ کیا آپ نے اس نیک بخت خاتون کا قصہ نہیں سنا جسے جنگِ اُحد کے موقع پر شوہر، باپ اور بھائی کی شہادت کی خبر پہنچی تو اس نے پوچھا مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ تو خیریت سے ہیں؟ اور جب اس نے آپ کو خیریت سے دیکھ لیا تو کہنے لگی "آپ زندہ ہیں تو ہر مصیبت ہلکی ہے۔" اسی جنگ اُحد میں ایک خاتون ام عمارہؓ پانی پلانے کی خدمت کر رہی تھیں، جب انھوں نے دیکھا کہ حضورؐ زخمی ہو گئے ہیں اور کفار نے آپ پر نرغہ کر لیا ہے تو تلوار سونت کر سامنے آ کھڑی ہوئیں اور آپ کو بچانے کے لیے لڑتی رہیں، یہاں تک کہ شانے پر گہرا زخم کھایا۔ یہ اور ایسے ہی بہت سے واقعات بتاتے ہیں کہ اسلام کی راہ میں جو کچھ مردوں نے کیا ہے اس سے کچھ کم عورتوں نے نہیں کیا ہے۔ انھوں نے اس دین کی خاطر ظلم بھی سہے، خطرے بھی مول لیے، جان و مال کی قربانیاں بھی دیں، عزیزوں اور رشتے داروں کو بھی چھوڑا، جلاوطنی اور فقر و فاقہ کی تکلیفیں بھی اٹھائیں، اور اپنے ایمان دار باپوں، شوہروں اور بھائیوں کے ساتھ وفاداری کا حق بھی پوری طرح ادا کیا۔ یہ آپ سے پہلے کی خواتین کے کارنامے ہیں، جن کی محنت سے شروع میں اسلام دنیا پر چھایا تھا، اور آج اگر دین کو پھر دنیا پر چھانا ہے تو یہ بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ آپ انھی جاں نثار خواتین کے راستے پر چلیں اور انھی کی طرح ایمانی اخلاص کا ثبوت دیں۔

اس وقت عورتوں کے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ وہ اپنے گھروں کو اور اپنے خاندان اور اپنے ہم سایوں اور اپنے ملنے جلنے والوں کے گھروں کو شرک و جاہلیت اور برائیوں سے پاک کرنے کی کوشش کریں، گھروں کی زندگی کو اسلامی بنائیں، اَن پڑھ اور کم پڑھی عورتوں میں دین کے علم کی روشنی

پھیلائیں، تعلیم یافتہ خواتین کے خیالات کی اصلاح کریں، خوش حال گھروں میں اللہ سے غفلت اور اسلام سے دوری کی جو بیماریاں پھیلی ہوئی ہیں ان کو روکیں، اپنی اولاد کو اسلام پر اٹھائیں، اپنے گھروں کے مردوں کو، اگر وہ برائی اور بے دینی میں مبتلا ہوں، سیدھے راستے پر لانے کی کوشش کریں، اور اگر وہ اسلام کی راہ میں کوئی خدمت کر رہے ہوں تو اپنی رفاقت اور مدد سے ان کا ہاتھ بٹائیں۔ آگے چل کر اس دین کے لیے آپ کو اور دوسری خدمات بھی انجام دینی ہوں گی اور ان کے لیے آپ کو تیار کرنے کا انتظام بھی ان شاء اللہ اپنے وقت پر ہو جائے گا، لیکن ابھی آپ کے لیے اس تحریک میں یہی کام ہے اور یہ آپ ہی کے کرنے کا ہے۔

عورت کو سب سے بڑی مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب وہ خود حق کے راستے کو پاکر اس پر چلنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے، مگر اس کے گھر کے مرد اس کی راہ میں رکاوٹ ہوتے ہیں۔ یہ واقعی ایک بڑی مشکل صورتِ حال ہے جو بہت کچھ پریشانی پیدا کرتی ہے۔ لیکن اس معاملے میں بھی آپ کے لیے انھی اسلامی خواتین کا نمونہ تقلید کے قابل ہے جنھوں نے شروع میں اس راستے کو اپنایا تھا۔ آپ کی پوزیشن کتنی ہی بے بسی اور کم زوری کی ہو، مگر اس حد کو نہیں پہنچتی جس حد تک زمانہ جاہلیت کے عرب میں عورتوں کی پوزیشن گری ہوئی تھی۔ اسی طرح آپ میں سے جن کو بھی ایسے مرد عزیزوں سے سابقہ ہے وہ بگڑے ہوئے مسلمانوں سے ہے، مگر جن خواتین کا میں ذکر کر رہا ہوں ان کا سابقہ تو کافروں اور اسلام کے بدترین دشمنوں سے تھا۔ اس فرق کے باوجود جو کچھ انھوں نے اپنے دین کے لیے کیا، اور جس جرأت و ہمت اور استقامت کے ساتھ اپنے خاندان کی انتہائی مخالفت اور دشمنی کے مقابلے میں حق پرستی کا کمال دکھایا، وہ ہمیشہ تمام دنیا کی عورتوں کے لیے ایک بہترین نمونہ رہے گا۔ مثال کے طور پر میں آپ کے سامنے چند خواتین کے حالات بیان کروں گا۔

سب سے پہلے تو حضرت خدیجہؓ ہی کو لیں۔ ان کے خاندان کے زیادہ تر لوگ اسلام کے سخت دشمن تھے۔ خاص طور پر ان کا حقیقی بھائی نوفل، ان کا چچازاد بھائی اسود بن مطلب، اور اسود کا بیٹا زمعہ، یہ لوگ تو نبی ﷺ کی مخالفت میں ابوجہل کا دایاں بازو تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ حضورؐ کا

ساتھ دیتی رہیں اور خود اپنے میکے والوں کی دشمنی کی انھوں نے ذرہ برابر پروا نہیں کی۔

حضرت ام سلمہؓ کو دیکھیں۔ ان کے ایک چچا کا بیٹا ابوجہل تھا۔ دوسرا چچا ولید بن مغیرہ اور اس کا بیٹا خالد (اس وقت) اسلام کے سخت دشمن تھے۔ ان کا اپنا حقیقی بھائی عبداللہ بن امیہ ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں سرگرم تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ بہادر خاتون اسلام لائیں اور جب خاندان والوں نے بہت زیادہ تنگ کیا تو گھر بار اور خاندان کو چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کر گئیں۔

حضرت فاطمہؓ بنت خطاب کی مثال لیں۔ ان کا باپ خطاب اور ان کا ماموں ابوجہل، دونوں اسلام کی دشمنی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ ان کے سگے بھائی عمر بھی اسلام لانے سے پہلے اسلام کی دشمنی اور مسلمانوں پر ظلم کرنے میں کسی سے کم نہ تھے۔ باپ، بھائی اور ماموں کے اس رویے سے وہ واقف تھیں۔ پھر بھی وہ اپنے شوہر کے ساتھ اسلام قبول کرنے سے پیچھے نہ ہٹیں۔ عمر کو جب معلوم ہوا کہ بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو گئے ہیں تو وہ ٹوہ لگانے آئے۔ ابھی دروازے ہی پر تھے کہ اندر سے قرآن پڑھنے کی آواز سنی۔ گھر میں گھس کر بہن اور بہنوئی دونوں کو خوب مارا، یہاں تک کہ بہن لہولہان ہو گئی۔ مگر اس اللہ کی بندی نے بھائی سے صاف کہہ دیا کہ چاہے تم مار ڈالو، یہ حق جو میں پا چکی ہوں اسے چھوڑ نہیں سکتی۔ اس پر بھائی کا دل کچھ پسیجا اور اس نے کہا کہ لاؤ، ذرا میں بھی تو سنوں کہ وہ چیز کیا تھی جو تم دونوں پڑھ رہے تھے۔ بہن نے قرآن کے اوراق نکال کر سامنے رکھ دیے جن میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ بھائی نے پڑھنا شروع کیا اور جوں جوں پڑھتا گیا حق کی تاثیر دل میں اترتی چلی گئی، یہاں تک کہ جب سورہ ختم ہوئی تو وہی دل جو ابھی تھوڑی دیر پہلے تک کفر سے اور اسلام کی نفرت سے بھرا ہوا تھا ایمان سے آباد ہو گیا۔ اس طرح ایک عورت ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ عمر فاروقؓ جیسے عظیم انسان کو اسلام میں لائی جس کا نام اسلامی تاریخ میں ہمیشہ روشن رہے گا۔

سب سے زیادہ سبق والی مثال حضرت امّ حبیبہؓ کی ہے جو بنی امیہ کے اس خاندان سے تھیں جس کا بچہ بچہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں سانپ اور بچھو بنا ہوا تھا۔ اس کا باپ ابوسفیان،

وہ شخص تھا جو مسلسل ۲۱ سال نبی ﷺ کے خلاف جنگ کرتا رہا۔ ان کی ماں ہندہ بنت عتبہ وہ عورت تھی جو جنگ اُحد میں حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبا گئی تھی۔ ان کی پھوپھی ام جمیل، ابولہب کی جورو، وہی عورت تھی جس کی مذمت قرآن میں کی گئی ہے، ان کا نانا عتبہ بن ربیعہ قریش کے ان سرداروں میں سے تھا جو اسلام کی دشمنی میں سب سے آگے آگے تھے۔ اندازہ کریں کہ ایسے خاندان کی لڑکی کا اسلام قبول کرنا کس قدر مشکل تھا۔ مگر آپ کو تعجب ہوگا کہ مکہ کے ابتدائی پانچ برسوں میں جو لوگ ایمان لائے تھے ان میں ایک امّ حبیبہؓ بھی تھیں۔ ان کے ساتھ ان کے شوہر نے بھی اسلام قبول کیا اور دونوں خوب ستائے گئے۔ دو تین سال بعد مجبور ہو کر انھیں اپنے شوہر کے ساتھ حبش کی طرف نکل جانا پڑا۔ وہاں جا کر شوہر عیسائی ہو گیا اور اس بہادر خاتون نے جہاں ایمان کی خاطر ماں باپ اور بھائی بہنوں کو چھوڑا تھا، اس مرتد شوہر کو بھی چھوڑ دیا۔ وطن سے دور کی اس زندگی میں وہ تنہا ایک بچی کے ساتھ رہ گئیں مگر ان کے عزم اور ایمان کی مضبوطی میں ذرا فرق نہیں آیا۔ اِنھی اونچی ایمانی صفات کا انعام تھا جو اللہ نے ان کو اس شکل میں دیا کہ نبی ﷺ نے انھیں اپنے لیے پسند فرمایا اور حبش ہی میں ان کا غائبانہ نکاح حضورؐ کے ساتھ پڑھایا گیا۔ جنگِ خیبر کے زمانے میں یہ حبش سے واپس ہو کر مدینہ پہنچیں۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد ان کا باپ ابوسفیان صلح کی بات چیت لے کر مدینہ آیا اور اس نے چاہا کہ بیٹی سے مل کر صلح کے معاملے میں اس سے بھی مدد لے۔ بارہ تیرہ سال کی جدائی کے بعد پہلا موقع تھا کہ بیٹی اور باپ مل رہے تھے۔ مگر آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ کافر باپ جب مسلمان بیٹی کے ہاں گیا اور رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنے لگا تو بیٹی نے دوڑ کر بستر کھینچ لیا اور باپ سے کہا کہ میں رسول اللہ کے بستر پر اسلام کے ایک دشمن کو بیٹھنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔

یہ ہیں سچّی اور اصل مسلمان عورتوں کی صفات۔ اور اگر آپ کو اپنی نجات چاہیے تو یہی صفات آپ کو بھی اپنے اندر پیدا کرنی ہوں گی۔ خوب سمجھ لیں کہ والدین ہوں، یا بھائی بہن، یا شوہر، یا اولاد، کسی کا حق بھی آپ کے اوپر اللہ اور رسول سے بڑھ کر یا ان کے برابر نہیں ہے۔ کوئی

بھی اس کا حق دار نہیں ہے کہ اس کو خوش کرنے اور راضی رکھنے کے لیے آپ اللہ اور رسول کی نافرمانی کریں۔ کوئی آپ کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین سے بڑھ کر یا برابر عزیز نہ ہونا چاہیے اور کسی کا ڈر بھی آپ کے دل میں اس حد تک نہ ہونا چاہیے کہ آپ اس سے ڈر کر اللہ سے نڈر ہو جائیں۔ یہ کیفیت اگر آپ کے اندر پیدا ہو جائے تو دین کا راستہ آپ کے لیے آسان ہو جائے گا اور کوئی طاقت آپ کو حق کے راستے سے نہ روک سکے گی نہ ہٹا سکے گی۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کے موجودہ مالی پوزیشن بھی ظاہر کر دی جائے۔ ۱۹۲۸ء میں جب ادارۂ دارالاسلام قائم کیا گیا تھا تو موجودہ امیر جماعت [مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ] نے اپنی تمام کتابیں (باستثنا **الجہاد فی الاسلام** و رسالہ دینیات اردو و انگریزی) ادارے کے لیے وقف کر دی تھیں۔ ۷/ جنوری ۱۹۳۹ء کو ۱۳۲ روپے کے سرمایہ سے کام شروع کیا گیا۔ اس وقت سے ۳۱/ اگست ۱۹۴۱ء تک آمد و خرچ کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

آمدنی		خرچ	
از مد فروخت کتب	۳۹۴۸ روپے ۶۱۵ پائی	طباعت کتب	۳۲۰۰ روپے ۳/ ۶ پائی
از مد زکوٰۃ	۱۳۰ روپے	خرچ ڈاک	۵۹۰ روپے ۴/ ۹ پائی
از مد اعانت اہل خیر	۶۳۸ روپے ۱۲ آنہ	تنخواہ ملازمین	۴۸۰ روپے
میزان	۴۷۱۷ روپے ۱۱/ ۶ پائی	سفر خرچ	۱۳۵ روپے ۱۳ آنہ ۳ پائی
ابتدائی سرمایہ	۱۳۲ روپے	مصارف دارالاقامہ	۱۲۵ روپے ۱ آنہ
جملہ	۴۸۴۹ روپے ۱۱/ ۶ پائی	صرف از مد زکوٰۃ	۶۳ روپے
جملہ آمدنی	۴۸۴۹ روپے ۱۱/ ۶ پائی	متفرقات	۳۶ روپے ۱۱ آنہ
جملہ خرچ	۴۷۷۴ روپے ۱۳/ ۶ پائی	اسٹیشنری	۲۷ روپے ۳ آنہ ۶ پائی
باقی	۷۴ روپے ۱۴ آنہ	مصارف اجتماع اول	۱۱۶ روپے ۸ آنہ ۶ پائی
			۴۷۷۴ روپے ۳ آنہ ۶ پائی

اس کے علاوہ ادارے کی جو رقوم تاریخ مذکورہ تک مختلف تاجروں اور ایجنٹوں کے ذمہ واجب الادا تھیں ان کی مقدار ۱۳۵۶ روپے ۲ آنہ تھی۔ اور جو ذخیرۂ کتب ادارہ کے دفتر میں ۳۱/ اگست ۱۹۴۱ء کو موجود تھا اس کی قیمت کا تخمینہ ۲۰۱۴/ روپے ہے۔ (روداد جماعت اسلامی، حصہ اول، ص ۲۲)

ہندوستان میں کام کا نقشہ*

میں آپ کو مختصر طور پر یہ بتاؤں گا کہ ہندوستان میں اسلامی تبدیلی کا راستہ ہموار کرنے کے لیے ہمیں کیا کرنا ہے۔

قومی کش مکش کا خاتمہ کیا جائے

سب سے پہلے کرنے کا کام یہ ہے کہ اُس قومی کش مکش کا خاتمہ کیا جائے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اب تک جاری رہی ہے۔ میرے نزدیک یہ بات پہلے بھی غلط تھی کہ مسلمان اسلام کے لیے کام کرنے کے بجائے اپنے قومی فائدوں اور مطالبوں کے لیے لڑتے رہے۔ مگر اب تو اس لڑائی کو جاری رکھنا صرف غلطی نہیں بلکہ مہلک غلطی اور احمقانہ خودکشی ہے۔ اب یہ نہایت ضروری ہے کہ مسلمان اپنے عمل کو بالکل بدل دیں۔ اسمبلیوں میں نمائندگی کے تناسب کا سوال، یہ انتخابات کی دوڑ دھوپ، یہ ملازمتوں کے لیے کش مکش، اور یہ دوسرے قومی حقوق اور مطالبوں کے لیے چیخ پکار آئندہ دور میں بے فائدہ ہوگی اور نقصان دہ بھی۔ بے فائدہ اس لیے کہ اب جن لوگوں کے ہاتھ میں ہندوستان کی حکومت آرہی ہے وہ مخلوط انتخابات اور ملازمتوں میں صرف "قابلیت" کے لحاظ کا اصول مقرر کر کے مسلمانوں کی الگ سیاسی حیثیت کو ختم کر دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور ان کے فیصلے کو نافذ ہونے سے کسی طرح نہیں روکا جاسکتا۔ نقصان دہ اس لیے کہ اِن "حقوق" کو برقرار رکھنے کی جتنی کوشش بھی مسلمان کریں گے وہ ہندوؤں کے قومی جوش کو اور زیادہ بھڑکائے گی، اور اگر

* اپریل ۱۹۴۷ء میں مدراس کے اجتماع میں امیر جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تقریر کا ایک حصہ

وہ اپنی شکایتوں کو دور کرانے کے لیے پاکستان کی مدد حاصل کرنا چاہیں گے، تو یہ بین الاقوامی پیچیدگی اور کش مکش کا سبب بن جائے گا، جس سے ہندو قوم پرستی کو زندگی کی مزید طاقت مل جائے گی۔ اس لیے اب ہمیں بڑے پیمانے پر مسلمانوں میں ایسی رائے عامہ تیار کرنی چاہیے کہ وہ ایک قوم کی حیثیت سے حکومت اور اس کے نظام سے بے رخی اختیار کرلیں اور ہندو قوم پرستی کو اپنے عمل سے یہ اطمینان دلادیں کہ میدان میں کوئی دوسری سیاسی قومیت اس کے ساتھ کش مکش کرنے کے لیے موجود نہیں ہے۔ یہی ایک طریقہ ہے اس غیر معمولی تعصب کو ختم کردینے کا جو اس وقت غیر مسلم اکثریت کے اندر اسلام کے خلاف پیدا ہوگیا ہے، اور اسی طریقے سے غیر مسلموں کے اس اندیشے کو بھی دور کیا جاسکتا ہے کہ اگر اسلام کو مزید پھیلنے کا موقع دیا گیا تو کہیں پھر کسی علاقے کے مسلمان ایک اور پاکستان مانگنے کے لیے کھڑے نہ ہوجائیں۔

مسلمانوں کو اسلام کا عملی ترجمان بنائیں

دوسرا اہم کام ہمارے لیے یہ ہے کہ ہم مسلمانوں میں بڑے پیمانے پر اسلام کا علم پھیلائیں، ان میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کا عام جذبہ پیدا کردیں، اور ان کی اخلاقی و تمدنی اور معاشرتی زندگی کی اس حد تک اصلاح کرلیں کہ ان کے ہم سایہ غیر مسلموں کو خود اپنی سوسائٹی کے مقابلے میں ان کی سوسائٹی صاف طور پر بہتر محسوس ہونے لگے اور ان میں سے جو لوگ بھی اس سوسائٹی میں شامل ہونے کے لیے تیار ہوں، چاہے وہ کسی طبقے کے ہوں، ان کو بالکل برابر حیثیت سے اپنے اندر لیا جاسکے۔ یہ کام برسوں کی ان تھک اور لگاتار محنت چاہتا ہے، مگر جب تک ہم مسلم سوسائٹی کے ایک بڑے حصہ کو علمی و عملی اور معاشرتی حیثیت سے اسلام کا صحیح نمائندہ نہ بنالیں ہمارا یہ اُمید کرنا بالکل فضول ہے کہ ہندوستان کی عام غیر مسلم آبادی کی رائے کو اسلام کے حق میں ہم وار کیا جاسکے گا۔ غیر مسلموں کے سامنے آپ کاغذ پر یا تقریر میں اسلام کو کیسے ہی موثر انداز سے پیش کریں، وہ ان کو اپیل نہیں کرسکتا، کیوں کہ اسلام کے اصلی نمائندوں کا جو تجربہ انھیں رات دن کی زندگی میں ہورہا ہے، وہ آپ کے بیان کو سچ نہیں بتاتا۔ پھر اگر ان میں کوئی ایسا حق پسند نکل بھی

آئے کہ مسلمانوں کے بجائے اسلام کو دیکھ کر اسے قبول کرلے، تو موجودہ مسلم سوسائٹی میں اس کا کھپنا مشکل ہوتا ہے، اس لیے کہ یہاں ابھی تک قدیم ہندوانہ جاہلیت کے تعصبات، اونچ نیچ، ذات برادری کی تقسیم، اسلام میں آجانے کے بعد بھی ویسی کی ویسی برقرار ہے اور اس بنا پر ایک نو مسلم کو پھر انھی معاشرتی خرابیوں کا سامنا ہوتا ہے جنھیں چھوڑ کر وہ ہندو سوسائٹی سے نکلا تھا۔ اس لیے مسلمانوں کی ــــ اگر سب کی نہیں تو کم از کم ان کے ایک قابل لحاظ حصہ کی ــــ اخلاقی، تمدنی، اور معاشرتی زندگی کی اصلاح کے بغیر اسلامی دعوت کا قدم آگے نہیں بڑھ سکتا اور یہ ممکن نہیں ہے کہ محض نو مسلموں سے ہم ایک الگ سوسائٹی بنا سکیں۔ اس اصلاح میں اگر ہم کہیں کسی حد تک بھی کام یاب ہوجائیں اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں اسلام کی عام سمجھ بھی پیدا کردیں اور ان کے اندر یہ جذبہ بھی ابھار دیں کہ رات دن کی زندگی میں ان کو ہر جگہ غیر مسلموں سے جو سابقہ پیش آتا ہے اس میں وہ موقع کا خیال کرکے ان کے سامنے اسلام کو پیش کرتے رہیں، تو دعوت کی رفتار اتنی تیز ہوسکتی ہے کہ ہندوستان میں کوئی دوسری تحریک اسلام کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ یہاں مسلمانوں کی تعداد چار پانچ کروڑ کے قریب ہے۔ اس تعداد کا بیسواں حصہ بھی اگر اسلام کو جانتا ہو اور اس کی تبلیغ شروع کردے، تو اسلام کے مبلغوں کی تعداد ۲۰، ۲۵ لاکھ کے لگ بھگ ہوگی۔ کیا کوئی دوسری تحریک ایسی موجود ہے جس کے پاس اتنے مبلغ ہوں؟ پھر مسلمان ہندوستان کی آبادی میں کھچڑی کی طرح غیر مسلموں کے ساتھ ملے جلے ہیں اور زندگی کے ہر شعبے میں ہر جگہ ہر وقت انھیں دوسروں تک اپنے خیالات پہنچانے اور اپنے برتاؤ کا اثر ڈالنے کا موقع ملتا ہے۔ کیا کسی دوسری تحریک کو یہ مواقع حاصل ہیں؟ پھر دوسری کسی تحریک کی اپنی کوئی مستقل سوسائٹی اور اپنا کوئی تمدنی نظام نہیں ہے۔ ان کے دامن میں پناہ لے کر ہندوستان کے بسنے والے اور دبے ہوئے طبقے کچھ اپنے پیٹ کے مطالبے تو پورے کرسکتے ہیں مگر اپنی معاشرتی زندگی کی مشکلات اور خرابیاں دور نہیں کرسکتے۔ جب کہ مسلمان اپنی ایک مستقل سوسائٹی رکھتے ہیں جو اگر ہمارے مقصد کے مطابق اپنی کچھ بھی اصلاح کرلے تو ان تمام لوگوں کے لیے پوری پناہ گاہ بن سکتی ہے، جنھیں معاشرتی زندگی

میں پیچھے بناکر رکھ دیا گیا ہے، یا جن کو جاہلی نظام کی دوسری خرابیوں نے پریشان کر دیا ہے۔

ذہنی صلاحیتوں کو مقصد سے وابستہ کریں

تیسرا ضروری کام یہ ہے کہ ہم اس ملک کی ذہنی طاقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ اپنی اس دعوت کے لیے فراہم کریں اور اس سے باقاعدگی کے ساتھ کام لیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ اپنے ان مقاصد میں ناکام ہوچکا ہے جن پر اس نے اب تک نظر جمار کھی تھی۔ اس ناکامی کا احساس ہوتے ہی اس پر مایوسی طاری ہونی شروع ہوجائے گی۔ اس موقع پر اگر ان کے سامنے ایک روشن مقصد امیدوں اور بشارتوں کے ساتھ آئے تو وہ ان کے ایک بڑے حصے کی توجہ اپنی طرف کھینچ لے گا۔ اس طرح جیسے جیسے ہماری دعوت کو یہ طاقت حاصل ہوتی جائے، ہم چاہتے ہیں کہ اُسے ان مفید کاموں پر لگایا جاتا رہے جو اسلامی تبدیلی کو زیادہ قریب لاسکیں۔ جیسے ہم مسلمانوں کے اخبار نکالنے کے موجودہ رجحانات کو بالکل بدل دینا چاہتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ بہتر قسم کے اہلِ قلم اب انگریزی، اردو اور دوسری زبانوں میں اخبارات جاری کریں اور ان میں حقوق کی چیخ پکار، ملازمتوں کے فیصد تناسب پر شور وغل اور محکموں میں ہندو گردی پر واویلا کرنے کے بجائے موجودہ نظام کی بنیادوں پر تنقید کریں، اس کی خامیوں کا ایک ایک پہلو نمایاں کرکے پبلک کو دکھائیں اور اس سے بہتر زندگی کا ایک نظام پیش کرکے رائے عامہ کو اس کے حق میں ہموار کریں۔ اسی طرح ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے نوجوان ادیب مستی اور تفریح کا پیشہ چھوڑ کر اپنی ادبی قابلیتوں کو ایک اعلیٰ درجے کا تعمیری ادب پیدا کرنے میں صرف کریں جو انسانیت کے شعور کو بیدار کرے اور ذہنوں میں ایک صالح نظام کے لیے تڑپ پیدا کردے پھر جن لوگوں کو اللہ نے زیادہ اونچے درجے کی دماغی صلاحیتیں دی ہیں، ان کو ہم دنیا کی ذہنی امامت کا راستہ دکھانا چاہتے ہیں کہ یہ لوگ قرآن کی مشعل ہاتھ میں لے کر علم کے ہر گوشے اور زندگی کے مسائل کے ہر پہلو کا جائزہ لیں اور تحقیق ومحنت کے ساتھ اسلامی نظام زندگی کی پوری تصویر دنیا کے سامنے پیش کردیں جسے دیکھ کر آپ آسانی سے یہ معلوم کرسکیں کہ اگر دنیا کا انتظام اس نظام کے مطابق ہو تو اس کی تفصیلی صورت کیا ہوگی۔ ان سب کے

علاوہ اسی ذہین طبقے میں سے وہ لوگ بھی نکل سکتے ہیں جو لیڈرشپ کی صلاحیتیں رکھتے ہیں۔ اسلامی دعوت کو ایک عمومی تحریک بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ان لوگوں کو اس کی رہ نمائی کا منصب سنبھالنے کے لیے تیار کیا جائے۔

ملک کی تمام زبانوں کو وسیلۂ دعوت بنائیں

چوتھا ضروری کام یہ ہے کہ ہمارے سب کارکن اور وہ تمام لوگ جو آئندہ ہماری تحریک سے متاثر ہوں، ہندوستان کی اُن مقامی زبانوں کو سیکھیں اور ان میں تحریر و تقریر کی قابلیت حاصل کریں جو آئندہ تعلیم اور لٹریچر کی زبانیں بننے والی ہیں۔ اور اس کی آخری درجے تک کوشش کریں کہ ان زبانوں میں جلدی سے جلدی اسلام کا ضروری لٹریچر منتقل کر دیا جائے۔ جنوبی ہند میں تامل، تیلگو، کنڑ، ملیالم اور مراٹھی، مغربی ہند میں گجراتی، مشرقی ہند میں بنگلہ، اور باقی ہندوستان میں ہندی اب تعلیم کی زبانیں ہوں گی۔ یہی اپنے اپنے علاقوں میں دفتری اور سرکاری زبانیں بھی ہوں گی اور انھی میں ملک کا لٹریچر شائع ہوگا۔ اگر مسلمان اپنی قومی عصبیت کی بنا پر صرف اردو تک اپنی تحریر و تقریر کو محدود رکھیں گے تو ملک کی عام آبادی کے لیے اجنبی ہو کر رہ جائیں گے اور ان کے پاس اپنے کروڑوں ہم سایوں کو اپنا ہم خیال بنانے کا کوئی ذریعہ نہ رہے گا۔ بلاشبہ ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ اردو زبان نہ صرف باقی رہے بلکہ خوب پھیلے۔ کیوں کہ ہمارا اب تک کا سارا علم و تہذیب کا سرمایہ اسی زبان میں ہے، لیکن ہم اسلام کے مستقبل کو اردو زبان کے دامن سے باندھ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اگر اردو زبان ملک کی عام زبان نہیں بن سکتی، اور آثار یہی بتا رہے ہیں کہ اس کو یہ حیثیت حاصل نہ ہوگی، تو پھر جن جن زبانوں کو ملک میں رواج حاصل ہوگا، ہم ان سب میں اسلام کا لٹریچر مہیا کریں گے اور ان سب کو اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے استعمال کریں گے، ایسا کرنا صرف غیر مسلموں ہی کی خاطر نہیں بلکہ خود مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کو بھی مسلمان رکھنے کی خاطر ضروری ہے، کیوں کہ آگے چل کر مسلمان بچّے درس گاہوں میں تعلیمی زبان اور درس گاہوں سے باہر سرکاری اور ملکی زبان سے اس قدر متاثر ہوں گے کہ اردو سے ان کا تعلق بس نام کا رہ جائے گا، اور اگر ان زبانوں میں

کافی اسلامی لٹریچر نہ ملا تو وہ اکثریت کے رنگ میں رنگتے چلے جائیں گے۔

یہ چار کام ایسے ہیں جن پر ہمیں آئندہ پانچ سال میں اپنی پوری قوت صرف کرنی ہے۔ بعد کے مرحلوں میں اسلامی تبدیلی کو آگے بڑھانے کے لیے جو کچھ کرنا ہوگا اس کا ذکر اس وقت فضول ہے۔ مگر خوب سمجھ لیں کہ آگے کے کسی پروگرام کی نوبت اس وقت تک آ ہی نہیں سکتی جب تک یہ چار کام بڑی حد تک انجام نہ پائیں۔ اس لیے ہندوستان میں ہمارے ارکان جماعت اور کارکن ہم دردوں کو اپنے تمام ذرائع اور اپنی پوری قوت اور اپنی ساری فکر اس ابتدائی پروگرام پر صرف کر دینی چاہیے۔ اب وہ وقت ہے کہ آپ اس کا ایک لمحہ بھی اگر ٹال مٹول میں ضائع کریں گے تو جرم کریں گے۔ جس طوفان کی میں دس سال سے خبر دیتا رہا ہوں وہ امنڈ آیا ہے۔ اب اگر آپ نے اسے روکنے کی فکر نہ کی تو یہ سب مسلمانوں کے ساتھ آپ کو بھی لے ڈوبے گا۔ جو حالات اب اس ملک میں پیش آنے والے ہیں وہ آپ کے صبر کا، آپ کے عزم کا، آپ کے صبر و ثبات کا، آپ کی دانائی کا، اور آپ کی عملی طاقت کا سخت امتحان لیں گے۔ آپ کے ایک طرف دجّال کی جنت ہوگی جس میں داخل ہونے اور اونچے درجوں پر چڑھنے کے لیے ضروری شرط ہوگی کہ سونگھنے کی تیز سے تیز قوت رکھنے والے شخص کو بھی آدمی کے اندر سے اسلامیت اور اسلامی غیرت کی ذرا سی بو تک محسوس نہ ہو سکے۔ اور آپ دیکھیں گے کہ آپ کے آس پاس بہت سے مسلمان اپنی دنیوی نجات کی خاطر اس شرط کو پورا کرنے پر تیار ہو جائیں گے۔ آپ کے دوسری جانب ہتھوڑے اور درانتی کا جھنڈا بلند ہوگا اور اس کے سائے میں شداد کی ایک دوسری جنت کا خیالی نقشہ پیش کیا جائے گا جس کے عاشقوں کو قسم دی جائے گی کہ خدا پرستی اور دیانت و اخلاق سے اپنے دلوں کو خالی رکھیں۔ آپ کی آنکھیں یہ بھی دیکھیں گی کہ دنیا کے بھوکے مسلمانوں کی بڑی بھیڑ اس کی طرف دوڑ رہی ہوگی۔ ان دو جھوٹی جنتوں کے درمیان آپ اپنے آپ کو ایک ایسے مقام پر کھڑا پائیں گے جہاں اسلام پر جمنے والوں اور اس کے لیے کام کرنے والوں کو ترقی و خوش حالی تو دور کی بات ہے زندگی کا سامان بھی مشکل ہی سے ملے گا۔ ان کو ہر ہر قدم پر ہمت توڑنے والے حالات سے سابقہ پڑے گا۔ ان کی اسلامی غیرت اور خودداری کو ہر وقت چرکے لگیں گے۔ اسلامی نشانوں کو وہ نہ صرف مٹتے دیکھیں

گے بلکہ ان کی بے حرمتی بھی علانیہ ہوگی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کے اپنے ہاتھوں ہو۔ ان حالات میں صرف وہی لوگ اسلامی تبدیلی کے لیے کام کرسکیں گے جو غیر معمولی صبر و ثبات، بہت زیادہ سرگرمی، اور حد درجے کی حکمت و دانائی رکھتے ہوں۔ یہ تین خصوصیات اگر آپ اپنے اندر پیدا کرلیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس طوفان کا رُخ پھیر دینے میں کچھ زیادہ دیر نہ لگے گی۔ اب اپنے دلوں کے میل اور مزاجوں کے فرق کو دور کرکے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں تاکہ آپ کی پوری اجتماعی طاقت اس کام میں لگ جائے۔ اب اپنے دل کی تنگی کو جڑ سے اکھاڑ دیں کیوں کہ اس کام کے لیے آپ کو باہر سے ذرائع نہ ملیں گے بلکہ سارے ذرائع آپ کو اپنے اندر ہی سے لانے پڑیں گے۔ اب اپنے ان سب مشغلوں اور دل چسپیوں کو ختم کردیں جن کے اندر آپ کے وقت اور فکر کا کوئی حصہ اس کام سے ہٹ کر صرف ہوتا ہو، اور ضروری معاشی تقاضوں کے سوا اپنے وقت کا ایک ایک لمحہ اسی کام کے لیے وقف رکھیے۔ آپ کی مٹھی بھر جماعت کو آئندہ پانچ برسوں میں، ایسے پانچ سال جو اسلام اور مسلمانوں اور خود آپ کے حق میں فیصلہ کن ہیں، بہت بڑا کام کرنا ہے۔ اتنا بڑا کام جو پہاڑ کھود کر دودھ کی نہر نکالنے سے کم نہیں ہے۔ آپ کو مسلمانوں کی رائے عامہ اور ان کے قومی رویے کا رُخ بدلنا ہے۔ آپ کو عام مسلمانوں کے عقیدے، اخلاق اور تمدن کی اصلاح کرنی ہے۔ آپ کو مسلمانوں کے ذہین طبقے کے اندر پہنچنا اور اسے ذہنی و عملی افراتفری سے بچا کر اسلامی تبدیلی کی راہ پر لگانا ہے۔ آپ کو ملک کے مختلف حصوں کی زبانوں میں اسلامی لٹریچر پھیلانے کا انتظام کرنا ہے اور یہ سارے کام صرف اللہ کے بھروسے اور اپنے بوتے ہی پر کرنے ہیں، کہیں سے کوئی مدد ملنے یا ہمت بڑھانے کی امید نہیں ہے۔ اگر آپ ہمت کرکے کھڑے نہ ہوں گے اور پوری یکسوئی کے ساتھ اپنی ساری اجتماعی طاقت نہیں لگائیں گے تو یہ کام کیسے انجام پائیں گے۔ اللہ سے جو عہد کرکے آپ جماعت میں داخل ہوئے ہیں اسے یاد کریں، اپنے ایمان کی طاقت کو تازہ اور مضبوط کریں، اور صرف اللہ کی مدد کے بھروسے پر کام کے لیے آگے بڑھیے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اپنے رب کو خوش کرنے کے لیے جب کام کریں گے تو وہ بھی آپ کو ایسے ایسے راستوں سے مدد پہنچائے گا جدھر آج آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔

تحریکی جذبہ*

روشنی کا سرچشمہ: اللہ کی یاد

مجھے اس بات میں ذرا بھی شبہ نہیں رہا ہے کہ انسان کے علم، انسان کی عقل یا انسان کے دل و دماغ اور اس کے فکر و نظر کو جو روشنی بھی نصیب ہوتی ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے ہوتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسان کا تمام اندرون بالکل تاریک رہتا ہے اور اس کا ہر کام چاہے وہ دیکھنے میں کتنا ہی صحیح معلوم ہوتا ہو حقیقت میں بالکل غلط ہوتا ہے۔ اس کا دل اس کو غلط مشورے دیتا ہے اور اس کا دماغ غلط رہ نمائی کرتا ہے اور اس کے ہاتھ پاؤں جس راہ میں اور جس مقصد کے لیے بھی اٹھتے ہیں غلط ہی اٹھتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص دین کا نام لے کر بھی اٹھے اور دین ہی کا کام کرنا چاہے لیکن اللہ کی یاد سے اس کا دل خالی ہو جائے تو اس کی وہ دین داری بھی دنیا داری بن جاتی ہے۔ آپ دین کے کام کے لیے اٹھے ہیں پھر بھی آپ کو اس خطرے سے بے پروا نہیں رہنا چاہیے کہ اللہ سے غفلت آپ کے اس سارے کام کو خراب کر سکتی ہے اور آگے کی کسی منزل میں بھی شیطان آپ کو گم راہ کر سکتا ہے۔ اگر اس خطرے سے آپ محفوظ رہنا چاہتے ہیں تو اس کے سوا اس کی کوئی تدبیر نہیں ہے کہ آپ اپنے دلوں کو اللہ کی یاد سے روشن رکھیں تاکہ آپ کے دل و دماغ اور آپ کے ہاتھ پاؤں سب صحیح طریقے پر اور صحیح راہ میں کام کریں۔

جماعتی سیرت کی تعمیر

دوسری چیز جس کی طرف میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ جماعتی سیرت کی تعمیر ہے۔

* اپریل ۱۹۴۷ء میں پٹنہ کے اجتماع میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی افتتاحی تقریر

آپ کو اس بات کا اچھی طرح علم ہے کہ مسلمانوں میں اچھے افراد نہ پہلے غائب تھے اور نہ اب گم ہو گئے ہیں۔ ان کی ایک اچھی خاصی تعداد پہلے بھی موجود تھی اور اب بھی اللہ کے فضل سے موجود ہے۔ لیکن اچھے لوگوں کی اس جماعت کے ہوتے ہوئے بھی یہ قوم گرتے گرتے پستی کے اس درجے تک پہنچ گئی جو آج آپ دیکھ رہے ہیں۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ اچھے لوگ نیکی اور تقویٰ کی خوبیاں رکھنے کے باوجود نہ جماعتی زندگی کی اہمیت جانتے تھے اور نہ جماعت کی سیرت ہی کے اعتبار سے کوئی وزن رکھتے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نہ اپنی قوم ہی کو گرنے سے بچا سکے اور نہ آپ ہی کو موجودہ فتنوں سے دور رکھ سکے۔ آپ کو اس غلطی کی اصلاح اور اس کمی کو دور کرنا ہے۔ آپ کو نیک بننے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر وہ جماعتی سیرت بھی پیدا کرنی ہے جو نیک لوگوں کی جماعت کے لیے ضروری ہے، اس کے بغیر جماعت اسلامی کے قیام کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ ہم صرف انفرادی نیکی کی طرف نہیں بلاتے، بلکہ آپ کو اجتماعی نیکی کی کوشش کے لیے تیار کرنا چاہتے ہیں۔ اس وجہ سے آپ کو اجتماعی سیرت اور اجتماعی اخلاق کے لحاظ سے نہایت اونچا دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب آپ ایک جماعتی نظم اور ایک اجتماعی ڈسپلن کے تحت ہو کر یہ دکھا دیں کہ آپ ایک دوسرے سے جڑ کر اور مل کر کس خوبی کے ساتھ ایک مقصد اور مقصد کے لیے مارچ کر سکتے ہیں۔ آپ کو قیادت اور اطاعت دونوں چیزوں کا ہنر معلوم کرنا ہے اور دونوں کے حقوق پورے کے پورے ادا کرنے ہیں۔ آپ میں سے ہر فرد کو اپنی روز کی زندگی میں یہ ثابت کرنا ہے کہ آپ جماعتی مقصد کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتے ہیں، بڑی سے بڑی بازی کھیل سکتے ہیں، اپنے جان و مال اور بیوی بچوں کو بڑے سے بڑے خطرے سے دوچار کر سکتے ہیں اور ایثار، ملنساری، خاک ساری، محبت، ہمدردی اور خیر خواہی کی بہترین مثال پیش کر سکتے ہیں۔ اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ دنیا کی دوسری قومیں ہم سے جس میدان میں بازی لے گئی ہیں وہ یہی میدان ہے۔ ہم شخصی اور انفرادی نیکیوں میں ان سے کم نہیں تھے، بلکہ شاید ان سے بڑھ چڑھ کر ہی تھے، لیکن جماعتی کیرکٹر، اور اجتماعی سیرت میں ان سے بہت پیچھے تھے، جس کی سزا ہم کو یہ ملی ہے کہ

ہم ہر چیز میں ان سے پیچھے ہو گئے اور برابر پیچھے ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اور مصیبت پر مصیبت یہ ہے کہ اب تک ہمارے بہت سے پڑھے لکھے لوگ بھی ہماری بیماری کی تہہ کو نہیں پہنچے، وہ خود بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں (اور دوسروں کو بھی اس غلط فہمی میں ڈالنا چاہتے ہیں) کہ ہماری یہ پستی پوری کی پوری دوسروں کی وجہ سے ہے، ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مذہب صرف انفرادی نیکیوں کا مطالبہ کرتا ہے اور وہ اس کو پورا کر رہے ہیں۔ اجتماعی نیکیوں کے لیے ان کے نزدیک نہ مذہب نے کوئی ضابطہ بنایا ہے اور نہ اس کے لیے اس کا کوئی مطالبہ ہے، وہ صرف روزہ، نماز، حج اور زکوٰۃ کے احکام دیتا ہے اور اسی پر اس کا مطالبہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہ خیال بے شمار خرابیوں کی جڑ ہے۔ اس چیز نے مسلمانوں کے سارے دینی تصور کو غلط کر دیا ہے اور ان کو اس درجے تک لا گرایا ہے جس کو آپ دیکھ رہے ہیں۔ اسلام نے آپ کی انفرادی زندگی کے لیے جس طرح احکام و قوانین دیے ہیں اسی طرح آپ کی اجتماعی زندگی کے لیے بھی احکام و قوانین دیے ہیں۔ اور جس طرح آپ کی انفرادی زندگی کے لیے اس نے ایک نظامِ اخلاق بنایا ہے اسی طرح آپ کی اجتماعی زندگی کے لیے بھی اخلاق کا ایک نظام مقرر کیا ہے اور ہر مسلمان سے اس کی پابندی کا مطالبہ کیا ہے اور اس کی عدم پابندی کی صورت میں ہم میں سے ہر شخص اسی طریقے سے گناہ گار ہوتا ہے، جس طریقے سے انفرادی زندگی کے احکام و قوانین یا اخلاقی نظام کو توڑنے سے ہوتا ہے۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں تو شاید غلطی نہیں کروں گا کہ اجتماعی احکام و قوانین اور اجتماعی نظامِ اخلاق کی خلاف ورزی کرنے والا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نظروں میں اس سے کہیں زیادہ قابل نفرت ہے جتنا کہ انفرادی زندگی کے احکام و قوانین اور اس کے نظامِ اخلاق کی خلاف ورزی کرنے والا ہو سکتا ہے، کیوں کہ جو شخص اپنی اجتماعی زندگی کے دائرے میں کوئی کوتاہی یا غلطی یا نافرمانی کرتا ہے اس کا نقصان اس سے کہیں زیادہ بڑا ہوتا ہے اور دور تک پھیلتا ہے جتنا کہ کسی انفرادی زندگی کے دائرے میں غلطی کرنے والے شخص کا ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جماعتی نظم میں خرابیاں پیدا کرنے والوں کے لیے اسلام نے جو سزائیں رکھی ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ سخت ہیں جو انفرادی زندگی کے آداب و قوانین میں خرابیاں

پیدا کرنے والوں کے لیے رکھی ہیں۔ لیکن ایک عرصے تک اجتماعی زندگی سے انجان رہنے کی وجہ سے آج ہندوستان کے مسلمان جماعتی اخلاق و کردار کی اہمیت سے اس قدر بے پرواہو گئے ہیں کہ سرے سے ان کی نظر میں اس کی کوئی مذہبی حیثیت ہی باقی نہیں رہ گئی ہے اور اس قسم کی کوئی ذمے داری ان پر ڈالی جاتی ہے تو وہ اس کو ایک بوجھ محسوس کرتے ہیں، یہاں تک کہ بعض ذمے داریاں اپنے سر لے کر پھر ان سے کترا جانے سے بھی کوئی عیب نہیں محسوس کرتے۔ ظاہر ہے کہ جب تک ہمارا یہ حال رہے گا اس وقت تک ہماری حیثیت فرد کی ہے نہ کہ جماعت کی اور اس صورت میں ہم کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں اور برکتوں کی امید لگائیں جن کا وعدہ اس جماعت سے کیا گیا ہے جس کے افراد اپنے اندر بہترین جماعتی سیرت اور بہترین جماعتی اخلاق رکھتے ہوں۔ آپ اگر مسلمانوں کو یہ بھولا ہوا سبق یاد دلانا چاہتے ہیں اور ان ٹکڑیوں میں الگ الگ رہنے کی اس ذلت سے نکال کر مل جل کر ایک بن جانے کی بلندیوں پر لے جانا چاہتے ہیں تو اس کا یہی ایک طریقہ ہے کہ ہر جگہ اور ہر وقت آپ کی جماعتی حیثیت سامنے آئے۔ آپ کے افراد سے انانیت، خود غرضی، دکھاوا، نفس پرستی اور اس طرح کی ساری بیماریاں نکل جائیں اور ان کی جگہ ایثار، اخلاص، خیر خواہی اور ہم دردی کے جذبات لے لیں۔ صرف یہی راستہ ہے جس پر چل کر آپ دنیا اور آخرت میں عزت حاصل کر سکتے ہیں اور صرف یہی ایک چیز ہے جس کے بل بوتے پر آپ دنیا کی باطل طاقتوں کو شکست دے سکتے ہیں۔

میں اس سلسلے میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جماعتی سیرت اور جماعتی اخلاق کے جو الفاظ میں بار بار بول رہا ہوں اس سے میری مراد محض قومی کردار (national character) نہیں ہے۔ بے شک اس چیز کی بھی ایک خاص اہمیت ہے اور کوئی قوم اس کے بغیر اپنی جماعتی حیثیت باقی نہیں رکھ سکتی۔ لیکن ہم اس سے کہیں زیادہ اونچی چیز کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔ ہم اس جماعتی کیرکٹر کا آپ سے مطالبہ کر رہے ہیں جو اسلام نے اس دینی گروہ کے لیے ضروری قرار دیا ہے جس کو اسلامی الفاظ میں الجماعت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ چیز نیشنل کیرکٹر سے بہت اونچی ہے۔ نیشنل

کیرکٹر سے اگر ایک چھوٹے دائرے کے اندر کچھ بھلائیاں اور خوبیاں نظر آتی ہیں تو ایک بڑے دائرے کے اندر اسی سے بہت سی خرابیاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن ہم جس اجتماعی سیرت کو پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اس سے انسانوں کی پوری دنیا کے لیے صرف بھلائی ہی بھلائی پیدا ہوسکتی ہے۔

مشکلوں بھرے اس نازک زمانے میں جب کہ راس کماری سے لے کر کشمیر تک اور بنگال سے لے کر سرحد تک ہر جگہ آگ لگی ہوئی ہے، لوگوں کی عزت و ناموس اور جان و مال پر غنڈوں کا قبضہ ہے ہم صرف جمع ہونے کے لیے نہیں جمع ہوئے ہیں بلکہ ہمارے سامنے بہت اہم مقصد ہیں جن کے لیے ہم نے خود بھی یہ زحمت اٹھائی ہے اور آپ کو بھی یہ زحمت دی ہے۔ اس وجہ سے بہت ضروری ہے کہ آپ اس وقت کی قدر و قیمت کو پہچانیں اور اپنی ساری توجہ اصل مقصد پر رکھیں۔

ملک کے حالات اور ہماری ذمہ داریاں

اس وقت اس ملک میں جو حالات پیدا ہیں ان پر آپ کو غور کر کے فیصلہ کرنا ہے کہ ان حالات میں آپ کا عمل کیا ہونا چاہیے۔ یہ آپ کو معلوم ہے کہ جو نازک حالات اس وقت پیدا ہو گئے ہیں، یہ سرسری اور سطحی نہیں ہیں بلکہ ان کے اسباب نہایت گہرے ہیں۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ غنڈوں اور بدمعاشوں کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور دیر یا سویر ٹھیک ہو جائیں گے، وہ سخت غلط فہمی میں ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ سارے حالات اس قومیت کی تعلیم کا نتیجہ ہیں جس کو پیدا کرنے کے لیے اس ملک کے لیڈروں نے محنت کی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قومیت کا جذبہ جتنا مضبوط اور طاقت ور ہوتا جائے گا اسی قدر اس ملک میں بگاڑ کے اسباب زیادہ طاقت ور ہوتے جائیں گے۔ اور اگر اس قومیت کے فلسفے پر اس ملک میں کوئی اجتماعی نظام قائم ہو گیا تو وہ اس ملک کے لیے بھی اور تمام دنیا کے لیے بھی بگاڑ پھیلانے والا شیطانی نظام ہو گا، اور مستقبل میں اس سے جو خرابیاں سامنے آئیں گی آج آپ انھیں سوچ بھی نہیں سکتے۔ اس وجہ سے آپ کو صرف موجودہ ہنگاموں اور موجودہ

یہ اچھی طرح جان لیں کہ حق کی دعوت کا یہی مرحلہ ہے جس میں اس کے لیے خرچ کیا ہوا ایک پیسہ، اس کے لیے بہایا ہوا خون کا ایک قطرہ اور اس کی خاطر آنکھوں میں کاٹی ہوئی ایک رات، بعد کے مراحل میں کیے ہوئے بڑے بڑے اعمال و ایثار سے زیادہ اونچے درجات تک پہنچا سکتی ہے۔

(میاں طفیل محمدؒ، روداد جماعت اسلامی، حصہ سوم، ص ۳۷)

فسادات کے زمانے میں جب کبھی اور جہاں کہیں موقع ملے عام لوگوں کو اور اگر ممکن ہو تو فسادات بھڑکانے والے سرغنوں کو سمجھانے کی کوشش کی جائے، ان کو اللہ سے ڈرایا جائے۔

(روداد جماعت اسلامی، حصہ چہارم، ص ۱۲۷)

بہترین خدمت وہی ہوتی ہے جو انسان اپنے دلی جذبے اور ذمہ داری کے احساس سے کرتا ہے۔

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، روداد جماعت اسلامی، حصہ سوم، ص ۱۵۷)

فسادات ہی پر غور نہیں کرنا ہے بلکہ آئندہ کی خرابیوں پر بھی غور کرنا ہے، اور ایک سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق آپ کو اس طرح کا کام کرنا ہے کہ فساد کی جو فصل ہمارے لیڈروں کے ہاتھوں اس ملک میں بوئی گئی ہے وہ بڑھ پانے اور پھلنے اور پکنے سے پہلے لوگوں میں اس کے بس بھرے ہونے کا یقین پیدا ہو جائے، اور ساتھ ہی نجات کا وہ راستہ بھی لوگوں کے سامنے آجائے جس پر آپ چلنے

کی دعوت دے رہے ہیں تاکہ وہ لوگ ایک بہترین بدل کی حیثیت سے اسے قبول کرسکیں۔ اب ہمارے پروگرام کا مثبت پہلو لوگوں کے سامنے اچھی طرح واضح ہوکر آنا چاہیے تاکہ لوگ اس کو سامنے رکھ کر اپنے اختیار کیے ہوئے طریقے کی غلطیوں اور ہمارے بتائے ہوئے طریقے کی خوبیوں کا مقابلہ کرسکیں۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ موجودہ فسادات سے آپ دل برانہ کریں اور نہ مایوس ہوں، بلکہ پوری ہمت سے ان حالات کا مقابلہ کریں۔ لوگوں کو ان کے حقیقی اسباب کی طرف توجہ دلائیں اور ان کا صحیح علاج لوگوں کو بتائیں۔ اس میں شبہ نہیں ہے کہ تعصب کے اس ہنگامے میں لوگوں کو کسی صحیح بات کی طرف توجہ دلانا کوئی آسان کام نہیں رہا ہے۔ لیکن اصلاح کرنے والوں کی ہر جماعت کو اسی طرح کے حالات کے اندر اصلاح کی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ اس وقت اگر آپ کم زور پڑ گئے تو یاد رکھیے کہ آپ کے لیے کام کا کوئی اور موقع ملنے کی امید نہیں ہے اور بہت جلد بگاڑ کا یہ مادہ اس ملک میں ایسی جڑ پکڑ لے گا کہ اس کو اکھاڑنا ناممکن ہوجائے گا اور ساتھ ہی ساتھ آپ کے لیے بھی اپنے اصولوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہ جائے گا۔

یہ وقت آپ کے لیے ایک فیصلہ کن وقت ہے۔ یا تو آپ حالات کے آگے جھک جائیں اور اس دعوت کو، جس کو لے کر آپ اُٹھے تھے، چھوڑ دیں یا پھر اپنی پوری قوت کے ساتھ میدان میں آجائیں اور ایک ایک شخص کے سامنے اس فکر و فلسفہ کی غلطیاں واضح کردیں جس کی دعوت ہمارے اس ملک کے لیڈر اب تک دیتے رہے ہیں اور جس کے نتیجے اب سامنے آچکے ہیں۔

اللہ پر بھروسا اور اپنی قوت پر اعتماد

اس وقت اس کام کے سلسلے میں آپ کو صرف اللہ کی مدد اور اپنی محدود قوت ہی پر بھروسا کرنا ہے۔ اس ملک کی جماعتوں میں سے کوئی جماعت بھی ایسی نہیں ہے جس سے اس مقصد کے لیے کوئی مدد ملنے کی امید ہو۔ سب سے زیادہ جس قوم سے مدد ملنے کی امید ہوسکتی تھی وہ مسلمانوں کی قوم تھی۔ لیکن میں نہایت صفائی کے ساتھ بتادینا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں سے نہ صرف یہ کہ کسی مدد کی آپ کو امید نہیں لگانی چاہیے، بلکہ ان کی طرف سے ایک شدید مخالفت کے لیے تیار رہنا

چاہیے۔ حالات کا جو فلسفہ آج اس ملک کی غیر مسلم قوموں پر سوار ہے، ٹھیک وہی فلسفہ مسلمانوں پر بھی سوار ہے اور پروپیگنڈے کی قوت سے اس جاہلی فلسفے کو عوام کے اندر ایک دین بنادیا گیا ہے جس کے خلاف کچھ سننے کے لیے آپ کو مشکل ہی سے کوئی شخص تیار نظر آئے گا۔ اس توجہ سے اپنے فرض کو انجام دیتے ہوئے آپ کو اللہ کے سوا اور کسی سے کوئی امید نہیں رکھنی چاہیے تاکہ آپ کو مایوسی کا غم نہ اٹھانا پڑے۔ لیکن اللہ کی مدد بس ایک خیالی چیز نہیں ہے، بلکہ ایک حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر اچھے مقصد کی مدد فرماتا ہے اور جب وہ مدد فرماتا ہے تو ساری مشکلیں آسان ہوجاتی ہیں۔ آپ کو بھی امید رکھنی چاہیے کہ اس کی مدد سے آپ کی مشکلیں آسان ہوں گی اور اس ملک کے اندر اللہ کے ایسے بندے ملیں گے جو آپ کی بات سنیں گے اور سمجھیں گے۔ اور اگر یہ زمین ایسی ہی بنجر ہوچکی ہے کہ اس کے اندر حق کا بیج بونے کے لیے کوئی صلاحیت باقی نہیں رہ گئی ہے، تو آپ کے لیے کوئی شرمندگی کی وجہ نہیں ہے کیوں کہ اگر آپ اخلاص اور نیک نیت کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہے اور مخالفتوں اور رکاوٹوں سے نہیں گھبرائے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے آپ کی کامیابی کو کوئی چھین نہیں سکتا۔

آپ کا عقیدہ آپ کے لیے کسوٹی

دنیا میں بعض چیزیں گز سے ناپی جاتی ہیں اور بعض چیزیں پیمانے سے ناپی جاتی ہیں، لیکن افراد اور جماعتوں کو جانچنے کی کسوٹی وہ عقیدہ ہوتا ہے جس کا وہ اعلان کرتی ہیں۔ آپ نے بھی ایک واضح عقیدے کا دنیا کے سامنے اعلان کیا ہے اور دنیا آپ کو اسی عقیدے سے جانچے اور پرکھے گی۔ اب یہ دیکھا جائے گا کہ آپ نے اس عقیدے کے لیے کتنی قربانی دی ہے، مشکلات میں اس پر کس طرح جم کر دکھایا ہے، اس کے لیے کتنے خطرات کا مقابلہ کیا ہے اور اس کے عشق میں کیا کیا بازیاں کھیلی ہیں۔ اگر اس لحاظ سے آپ کا کوئی وزن ہوا، تو دنیا میں بھی آپ کا ایک مقام ہے اور آخرت میں بھی آپ کا ایک درجہ ہے۔ لیکن اگر اس لحاظ سے آپ بودے اور ناکام ثابت ہوئے تو نہ دنیا میں آپ کے لیے کوئی جگہ ہے اور نہ آخرت میں آپ کے لیے کوئی درجہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ دھوکے

میں پڑکر اپنے آپ کو کوئی بڑی چیز سمجھ بیٹھیں اور کچھ نہ کرکے بھی سمجھنے لگیں کہ آپ نے بہت کچھ کرلیا ہے، لیکن تمام دنیا کو آپ دھوکا نہیں دے سکتے اور اگر دنیا کو دھوکا دے سکتے ہیں تو اللہ کو تو دھوکا نہیں دے سکتے۔ بندوں اور اللہ کی طرف سے آپ کو وہی صلہ ملے گا جس کے واقعی آپ حق دار ہوں گے نہ کہ جس کا دعویٰ کریں گے۔ مجھے اس موقع پر امام احمد بن حنبلؒ اور مشہور ڈاکو ابوہیثم کا واقعہ یاد آگیا جو تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے اور جس کو آپ نے بھی شاید پڑھا ہو۔ امام احمد بن حنبلؒ جیسے عظیم محدث نے اس ڈاکو کی عزیمت سے سبق لیا، اور اس سبق کے لیے اس کے زندگی بھر شکر گزار رہے۔ کیوں کہ آدمی کا اصلی جوہر وہ عزیمت اور ثابت قدمی ہے جو وہ اپنے مقصد کے لیے رکاوٹوں کے مقابلے میں دکھاتا ہے۔ اگر ایک شخص ایک باطل مقصد کے لیے سچّا عزم و حوصلہ رکھتا ہے تو وہ بھی اس شخص کے مقابلے میں قدر کے قابل ہے جو دعویٰ تو ایک سچّے مقصد کا کرتا ہے لیکن اس کے لیے قربانی کا کوئی جذبہ نہیں رکھتا۔

اس اجتماع میں رپورٹوں پر مولانا امین احسن اصلاحیؒ کا تبصرہ

تحریک سے ہم دردی پر اکتفانہ کریں

میں جماعت کے ہم دردوں کو توجہ دلانے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں اور ان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ بس ہم دردوں کے حلقے میں رہنا کافی نہ سمجھیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ روز بروز یہ حلقہ بڑھتا جارہا ہے اور اس میں نئے نئے نام پیدا ہوتے جارہے ہیں، جیسے خاص ہم درد اور عام ہم درد اور قریبی ہم درد وغیرہ۔ میں اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ یہ حلقہ زیادہ بڑھے اور لوگ اس کو جماعت کا ایک نظام سمجھ کر دعوت کی اصلی ذمے داریوں سے بچنے کے لیے ایک چھپنے کی جگہ بنالیں۔ ہمارے نظام میں بعض مصلحتوں کی وجہ سے یہ شعبہ موجود تو ہے، لیکن اس کو انھی لوگوں کے لیے ہونا چاہیے جو لوگ واقعی اپنے سامنے کوئی بڑی مجبوری رکھتے ہیں، نہ کہ وہ لوگ اس کی آڑ میں چھپنے کی کوشش کریں جن کی مشکلیں تھوڑی ہمت سے دور ہوسکتی ہیں۔

ہمارے اور آپ کے لیے ایک فیصلہ کن گھڑی آگئی ہے، اب ہمیں یا تو حالات کے

سامنے جھک جانا پڑے گا یا ان کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ اس فیصلے میں اب ہمارے لیے زیادہ انتظار کی گنجائش نہیں ہے۔ حالات جس تیزی کے ساتھ بدل رہے ہیں ان کا تقاضا ہے کہ ہم جلد سے جلد یک سو ہو کر ایک راہ اختیار کر لیں۔ اگر ہم نے اس میں دیر لگائی تو ڈر ہے کہ حالات پر ہم نہیں قابو پائیں گے، الٹا حالات ہم پر قابو پالیں گے۔ اس فیصلہ کن گھڑی میں جس طرح ہم اپنے تمام ذرائع اور وسائل کا جائزہ لے رہے ہیں اسی طرح اپنے ہم دردوں کا بھی جائزہ لے رہے ہیں کہ ان کی ہم دردیاں کس قسم کی ہیں اور وہ پیش آنے والے حالات کے اندر کس حد تک ہمارا ساتھ دے سکیں گے۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ ہمارے تمام ہم درد اپنے آپ کو ایک مرتبہ اور تول کر دیکھ لیں کہ اس راہ کی مشکلات کے لیے ان کی ہمتوں کا کیا حال ہے۔

میرے ان الفاظ سے آپ کو یہ بد گمانی نہ ہو کہ اب ہم جماعت کے ارکان کی تعداد بڑھانے کی فکر میں پڑ گئے ہیں۔ ہم کو اپنے آس پاس کوئی بھیڑ اکٹھی کرنے کی خواہش نہیں ہے۔ ہم ان طریقوں سے بے خبر نہیں ہیں جن طریقوں سے بھیڑ اکٹھی کی جاسکتی ہے، لیکن ہم ان طریقوں میں سے کوئی طریقہ اختیار نہیں کریں گے۔ ہم کو صرف وہ صالح افراد چاہئیں جو ہمارے مقصد کے لیے صحیح طور پر کوششیں کر سکیں۔ اس وجہ سے ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارے اس توجہ دلانے سے آپ بھاگ کے جماعت میں داخل ہی ہو جائیں۔ بلکہ اپنی ہمت اور اپنے ارادے کو اچھی طرح تول کر آئیں اور اگر دل گواہی نہ دے تو خواہ مخواہ جماعت میں آنے کی کوشش نہ کریں۔

ہمارے ذمہ داران کا فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقے کے ہم دردوں کو ٹٹول کر اچھی طرح دیکھیں۔ اگر ان میں ایسے لوگ موجود ہوں جو جماعت کے کام کو ارکان کی طرح انجام دے رہے ہوں، یا ارکان سے بھی زیادہ جوش و سرگرمی اپنے اندر رکھتے ہوں اور صرف خود کو پیچھے رکھنے کے لیے جماعت کے نظام سے الگ ہوں، ان کو جماعت میں داخل ہونے کا مشورہ دیں، تاکہ جماعت کی قوت بڑھے اور وہ کام شروع ہو سکیں جو جماعت کی قوت کم ہونے کی وجہ سے اب تک شروع نہیں ہو سکے ہیں۔ ہمارے ہم دردوں کو یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ نہ تو ہم ان پر کوئی ذمے داری ڈال سکتے ہیں

اور نہ بڑے اقدام کے سلسلے میں ان پر بھروسا کر سکتے ہیں۔ اس وجہ سے نہیں کہ ان کی ہم دردی یا خیر خواہی میں ہمیں کوئی شبہ ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ یہ چیز ہماری جماعت کے نظام کے خلاف ہے۔ نیز یہ بات بھی کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتی کہ اس کے ساتھ ہمارا تعلق صرف ہم دردی والا ہو۔ مجھے تو اس لفظ کے اندر سے کچھ خراب سی بو آتی ہے۔ اللہ کرے کہ آپ بھی اس بو کو محسوس کرنے لگیں۔

عوام میں اپنا اثر بڑھائیں

عوامی لٹریچر کی تیاری کا کام ہو رہا ہے اور آہستہ آہستہ ہوتا رہے گا۔ اس کے انتظار میں آپ کو دعوت کا کام روکنا نہیں چاہیے۔ آپ کو دیہاتوں اور شہروں میں عوام کے پاس خود جانا چاہیے، ان کے ساتھ اپنے تعلقات بڑھائیے۔ ان سے گفتگوئیں کریں اور اپنی دعوت ان کے کانوں تک سیدھے پہنچائیے۔ عوام کے اندر کام کرنے کے لیے جس چیز کی سب سے بڑی ضرورت تھی، وہ یہ تھی کہ ذہین اور صالح لوگوں کی ایک جماعت تیار ہو جائے۔ اللہ کے فضل سے یہ جماعت اب تیار ہو گئی ہے۔ اس کی تعداد کم ہے، لیکن پھر بھی آپ کے ارکان اور ہم درد اتنی تعداد میں موجود ہیں کہ آپ اگر عوام کے اندر گھسنا چاہیں تو گھس سکتے ہیں اور لٹریچر کی مدد کے بغیر اس دعوت کو پھیلا سکتے ہیں۔

عوام کے لیے جس قسم کے آسان لٹریچر کا آپ مطالبہ کرتے ہیں اس کی تیاری میں دیر لگے گی اور اس کے بعد بھی شاید وہ لٹریچر عوام کے اندر دعوت کے لیے کافی نہ ہو سکے۔ یہ کام تو بس آپ کے ملنے جلنے سے اور گفتگوؤں اور تقریروں سے ہو گا۔ اس وجہ سے نہایت ضروری ہے کہ اپنے اندر مشنری (missionary) اسپرٹ پیدا کریں اور دیہاتوں میں نکل کر اور تکلیفیں اٹھا کر اس کام کو شروع کریں۔ اب وقت تو وہ آ گیا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو صرف اسی ایک کام کا عشق اور سودا ہو، اور باقی زندگی کے سارے مشغلے دوسرے نمبر کے ہو کے رہ جائیں۔ ہر جگہ، ہر وقت اور ہر مجلس میں اسی چیز کا چرچا اور اسی بات کی دعوت ہو، یہاں تک کہ تھوڑے دنوں کے اندر اس ملک کا کوئی گوشہ اس دعوت سے بے خبر نہ رہ جائے۔

تعلیم بالغان کی اہمیت

تعلیم بالغان کے سلسلے میں یہ شکایت عام طور پر کی گئی ہے کہ خشک اور بے مزہ ہونے کی وجہ سے نہ کارکنوں کا اس میں جی لگتا ہے اور نہ پڑھنے والے ہی اس کا کچھ شوق رکھتے ہیں۔ جہاں تک اس کام کے خشک اور بے مزہ ہونے کا تعلق ہے، یہ ہم بھی مانتے ہیں۔ یہ سخت محنت اور سر کھپانے کا کام ہے۔ لیکن اس کے فائدوں اور نتیجوں کی بہت زیادہ اہمیت ہے، اور اسی وجہ سے اس کو اختیار کیا گیا ہے۔ یہ کام اس وجہ سے نہیں کرنا ہے کہ یہ لذیذ اور دل چسپ ہے، بلکہ اس لیے کرنا ہے کہ ہماری دعوت کے لیے بہت زیادہ ضروری ہے۔

بڑوں کی تعلیم سے ہمارا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ ہر شخص کچھ لکھنا پڑھنا اور کچھ ریاضی اور جغرافیہ جان لے، بلکہ ان پڑھ لوگوں کے اندر صحیح فکر، صحیح تعلیم اور دین کی صحیح سمجھ بوجھ پیدا کرنی ہے۔ یہ چیز پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ جن لوگوں کے اندر دین کی چاہت ایک حد تک پیدا ہو جائے گی ان کے اندر کچھ پڑھنے لکھنے کا شوق بھی پیدا ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ اب آپ لوگوں کو اس راستے سے پڑھنے لکھنے کی طرف لانے کی کوشش کریں۔ اس سلسلے میں کسی ایک قاعدے اور طریقے پر جم جانا غلط ہوگا۔ آپ میں سے ہر شخص اپنے حالات اور اپنے ماحول کے لحاظ سے کوئی مناسب طریقہ اختیار کر سکتا ہے۔ میں نے جو مشورہ آپ کو دیا ہے اس پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ بہتوں کو پڑھنے لکھنے کا شوق ہوگا اور اگر نہ بھی ہو تب بھی یہ بات کچھ کم نہیں ہے کہ آپ لوگوں کے اندر دین کی کچھ سمجھ پیدا کر دیں گے۔ آپ لوگوں کے اندر اس دین کی سمجھ پیدا کریں جس دین کو وہ مانتے ہیں۔ یہ سمجھ جس رفتار سے پیدا ہوتی جائے گی اسی رفتار سے ان شاء اللہ لوگوں میں دین کو اور زیادہ تفصیل سے جاننے کا شوق بھی پیدا ہوتا جائے گا اور وہ خود آپ سے آپ مطالبہ کرنے لگیں گے کہ آپ ان کو پڑھنے لکھنے کا طریقہ بتائیں تاکہ دین کو جاننے کی راہ وہ اپنے لیے خود کھول لیں۔

اپنے اندر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا جذبہ پیدا کریں

اس میں شبہ نہیں ہے کہ اس جذبے کی ہمارے ارکان کے اندر کمی ہے لیکن الحمدللہ مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمارے ارکان کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس وقت ہمارے سامنے نہایت ضروری اور اہم کام ہیں اور ان سارے کاموں کو ہمیں اپنے ہی سرمائے سے انجام دینا ہے۔ ہم اپنے کسی کام کے لیے بھی کوئی عام اپیل نہیں کر سکتے۔ ابھی ابھی بہار کے سلسلے میں آپ نے لگ بھگ ۳۰ ہزار کی رقم جمع کی ہے، جس کے لیے ہم نے اپنی تمام شاخوں اور ہم دردوں کو گشتی مراسلے بھیج دیے تھے۔ یہی طریقہ ہم اپنے سارے کاموں کے لیے پسند کرتے ہیں۔ آگے ہمارے سامنے مرکز کی تعمیر کا مسئلہ ہے۔ اسی طرح پنجاب میں بھی ہمیں ریلیف کا کام کرنا ہے۔ ان سارے کاموں کے لیے سرمائے کی ضرورت ہے اور یہ سرمایہ ہمیں آپ ہی سے حاصل کرنا ہے۔ اسی طرح تعلیم گاہ کے لیے بھی ایک بڑی رقم کی ضرورت ہے۔ اب آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان تمام کاموں کو انجام دینے کے لیے کتنی ہمت اور کتنی فیاضی کی ضرورت ہے۔ آپ میں سے ہر شخص کو اپنی کمائی کا ایک حصہ خاص کرنا چاہیے اور دوسرے ساتھیوں کو بھی اس کے لیے ابھارنا چاہیے۔ آپ کی تعداد تھوڑی ہے اور آپ کی مالی حالت بھی بہت کم زور ہے، لیکن اگر آپ سچے جوش اور جذبے کے ساتھ اللہ کے دین کی مدد کریں گے تو آپ کے مال میں بھی برکت ہوگی اور اس کام میں بھی برکت ہوگی جو اس مال سے انجام پائے گا اور یہی انفاق ہے جو آپ کے اندر اللہ کے بھروسے کو بھی مضبوط کرے گا، جس کی مدد سے آپ آئندہ دین کے بڑے بڑے کام انجام دے سکیں گے۔ یہ بات یاد رکھیے کہ جو لوگ کسی سچّے مقصد کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر اس کے لیے انفاق نہیں کرتے وہ ضرور نفاق کا شکار ہو جاتے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم میں سے ہر شخص کو اس بیماری سے محفوظ رکھے۔

کہیں آپ کو یہ خیال نہ آئے کہ میں کوئی اپیل کر رہا ہوں۔ اس گزارش کا مقصد کوئی اپیل نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ آپ میں اپنے جماعتی مقاصد کا ایسا طاقت ور احساس پیدا ہو جائے کہ آئندہ

سرے سے کسی اپیل کی ضرورت ہی باقی نہ رہے اور آپ کے ذمہ داران کو اس معاملے میں آپ سے کوئی شکایت نہ پیدا ہو۔

دوسروں کے اداروں سے ہمارا تعلق

دوسروں کے قائم کیے ہوئے اداروں سے تعلق پیدا کرنے میں ہمارے ارکان کو لالچی نہیں ہونا چاہیے۔ جہاں ہم کو بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے مقصد کی تکمیل کا موقع مل رہا ہو وہاں ہمیں فائدہ اٹھانے سے بچنا نہیں چاہیے، لیکن جہاں اس بات کا اندیشہ ہو کہ ہم آزادی سے کام نہیں کر سکیں گے وہاں کوئی ذمے داری قبول کرنے سے بچنا چاہیے۔ اگر کوئی ادارہ کشادہ دلی سے بغیر کسی شرط کے آپ کے حوالے نہ کیا گیا ہو تو وہاں نہ آپ اپنا کام کر سکیں گے اور نہ دوسروں کا کام ہوگا۔ اس وجہ سے بہتر یہی ہے کہ آپ ایسے اداروں کی ذمے داریاں قبول نہ کریں۔ اب ہماری تحریک جس اسٹیج میں پہنچ گئی ہے وہاں ہمارے سامنے بہت سے اداروں اور اوقاف کی پیش کشیں ہوں گی، لیکن ہم کو انھیں قبول کرنے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے بلکہ پوری احتیاط کے ساتھ اپنے مقصد کو سامنے رکھ کر ان کو قبول یا رد کرنا چاہیے۔ ہمیں ہر شخص کو صاف صاف بتا دینا چاہیے کہ ہم انھی لوگوں کی پیش کش قبول کرتے ہیں جو ہمارے اوپر پورا اعتماد رکھتے ہوں اور اس مقصد کو صحیح سمجھتے ہوں جس کے لیے ہم کوشش اور محنت کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم کوئی پیش کش نہ قبول کرتے ہیں اور نہ اس کے لیے اپنے دل کے کسی گوشے میں کوئی لالچ رکھتے ہیں۔ ہمیں اطمینان ہے کہ ہم جو کام کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس میں خود مدد فرمائے گا اور ہمارے لیے اس کی مدد کافی ہے۔

ذکر کے دوسرے رائج طریقے*

بعض صاحبِ علم دوستوں کی طرف سے یہ شبہ ظاہر کیا گیا ہے کہ جب ہم ذکر کی اہمیت اور ضرورت اس درجہ محسوس کرتے ہیں تو آخر صوفیوں کے طریقوں سے ہم کو کیوں اختلاف ہے

* مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی اختتامی تقریر

اور ہم اپنے لٹریچر میں اس پر بار بار مخالفت والی تنقیدیں کیوں کرتے ہیں؟ جواب میں گزارش ہے کہ ہم صوفیائے کرام کی جن چیزوں کے مخالف ہیں وہ صرف وہ چیزیں ہیں جن کی قرآن وسنت میں کوئی بنیاد نہیں ہے بلکہ انھوں نے اپنی طرف سے ایجاد کرلی ہیں۔ باقی رہے وہ طریقے جن کا قرآن و سنت میں ذکر ہے، تو کوئی مسلمان ان سے اختلاف کی جرأت کیسے کرسکتا ہے، اور جو لوگ ہم کو ان کا مخالف سمجھتے ہیں وہ ہم پر ایک جھوٹا الزام لگاتے ہیں جس سے ہم بالکل پاک ہیں۔

ہمارے نزدیک نبی ﷺ کی تعلیم ہر پہلو سے پوری ہے۔ آپ نے جس طرح ہماری زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق ضروری ہدایات دی ہیں اسی طرح تزکیہ کے متعلق بھی وہ ساری باتیں بتادی ہیں جو ضروری ہیں۔ تزکیہ آپ ﷺ کی بعثت کے سب سے پہلے مقاصد میں سے ہے۔ اس وجہ سے یہ خیال کرنا سخت غلطی ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے کسی باب کو بھی ادھورا چھوڑا ہے اور اس میں دوسروں کے قول یا رائے کے لیے کوئی گنجائش ہے۔ جو لوگ ایسا خیال کرتے ہیں ہم کو ان کی جسارت پر سخت حیرت ہے۔ ہم اس معاملے میں وقت کے کسی بڑے سے بڑے شیخ کے تجربے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور نہ کسی بڑے سے بڑے پیر کے اجتہادات کو کوئی وزن دیتے ہیں، جب تک ان تجربات واجتہادات کی بنیاد قرآن اور سنت کی کسی بنیاد پر نہ ہو۔ جو چیزیں قرآن وسنت سے ثابت ہیں آپ ان کی پابندی کریں، ان کے خیر وبرکت ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ باقی جو چیزیں لوگوں نے بلادلیل گھڑلی ہیں ان میں کوئی خیر وبرکت نہیں ہے۔ وہ صرف دین کے اصلی مطالبات سے غافل کرنے والی اور تزکیے کی اصلی راہ سے ہٹادینے والی ہیں۔ جہاں تک صوفی بزرگوں کا تعلق ہے، ان کا طریقہ قرآن وسنت ہی کا طریقہ تھا۔ بعد میں لوگوں نے اس سلسلے میں بہت سی چیزیں گھڑلیں اور ان بزرگوں کے نام سے منسوب کردیں، جب کہ ان کا دامن ان بدعتوں سے بالکل پاک ہے۔ جو لوگ نبیوں اور صالحین کے طریقے پر ذکر کرتے ہیں ان کے دل ودماغ ہمیشہ روشن رہتے ہیں اور وہی لوگ کسی جماعت کے اندر نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے میں آپ میں سے ہر شخص کو اسی میدان میں مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔ آپ میں سے آج جو لوگ پیچھے ہیں، وہ اس چیز کو اختیار کرکے آگے ہوسکتے ہیں اور جو لوگ آگے ہیں وہ اس چیز سے

غفلت کر کے پیچھے ہو جائیں گے۔

اس سلسلے میں ایک بات کی طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ قرآن و حدیث اور سچے علما کی صاف باتوں سے میں جہاں تک سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ فکر کے ساتھ ذکر ہونا چاہیے۔ صرف ذکر جس کے ساتھ فکر نہ ہو بالکل فائدہ مند نہیں ہے، بلکہ اکثر حالات میں یہ زبان کا مشغلہ بن کے رہ جاتا ہے۔ ذکر کے لیے سب سے اچھی چیز قرآن میں تدبر ہے اور قرآن پڑھنے کے لیے سازگار وقت تہجد کا وقت ہے۔ ویسے قرآن کا تدبر ہمیشہ فائدے مند ہے، کوئی دوسری چیز اس کی جگہ نہیں لے سکتی۔

قرآن و حدیث کے ذکر کا ورد

ایک دوست نے سوال کیا ہے کہ قرآن و حدیث میں ذکر کے کلمات آئے ہیں، ان کے ورد کے متعلق ہمارا کیا خیال ہے؟

میں ان کے ورد کو صحیح سمجھتا ہوں اور جن اوقات میں آدمی کے لیے قرآن میں تدبر کا موقع نہ ہو، ان اوقات میں ان کی پابندی مفید ہے۔ اس سلسلے میں اصلی چیز یہ ہے کہ آدمی کا دل کسی وقت بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو۔ ہمیشہ اللہ کا کام کریں۔ اپنے نفس کے حقوق، خاندان کے حقوق، بیوی بچوں کے حقوق اور ملک اور قوم کے حقوق ادا کریں اور اللہ کو خوش کرنے کے لیے اور اس کی رضا پانے کے لیے کریں، آپ کا ایک ایک لمحہ اللہ کے ذکر میں شمار ہوگا۔

ہم تو اپنا تزکیہ چاہتے ہیں

بعض ساتھی کہتے ہیں کہ جماعت کے اندر تزکیے کی کمی ہے۔ ہم یہ بات پوری صفائی کے ساتھ خود مانتے ہیں۔ ہم کوئی تزکیہ پائی ہوئی جماعت لے کر نہیں اٹھے ہیں، بلکہ اپنے تزکیے کی تکمیل کے لیے اٹھے ہیں۔ ہمارے نزدیک تزکیے کا راستہ یہی ہے کہ ہم اللہ کے کام کریں، اور اس کی راہوں پر چلیں۔ اگر ہمارا تزکیہ پورا نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہمارے سارے کام غلط ہو گئے اور ہم کو دین کا کوئی کام کرنے کا حق ہی باقی نہیں رہ گیا۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کاموں

کو انجام دینے کی کوشش ہی سے ہمارا تزکیہ ہوگا نہ کہ ان سے الگ رہ کر خانقاہی طریق پر مراقبے اور ریاضتیں کرنے سے۔ دوسروں کے نزدیک تزکیے کا طریقہ یہ ہے کہ زندگی کے سارے معاملات سے الگ ہو کر اللہ کا ذکر کیا جائے، اور وہ ریاضتیں کی جائیں جو صوفیوں کے تجربے میں مفید ثابت ہوئی ہیں۔ ہمارے نزدیک تزکیے کے لیے اس کورس سے گزرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے اس چیز کو نبیوں کے طریقے میں نہیں پایا ہے۔ نبیوں کا طریقہ تو یہ تھا کہ وہ اپنے وقت کے اعمال وعقائد کا جائزہ لے کر ان کو غلطیوں اور خرابیوں سے پاک کرتے تھے اور ان کی جگہ پر لوگوں کو صحیح اعمال وعقائد کی تعلیم دیتے تھے۔ ہمارے نزدیک یہ تزکیے کا صحیح طریقہ ہے۔ ہم نبیوں کے طریقے سے ہٹ کر کوئی کام کرنا صحیح نہیں سمجھتے۔ اس وجہ سے ہم نے اس طریقے کو اختیار کیا ہے۔ ہم لوگوں کے عقائد، اعمال اور اخلاق کی غلطیوں کو قرآن کی روشنی میں واضح کر رہے ہیں اور لوگوں کو اس بات کی دعوت دے رہے ہیں کہ جس دین کو وہ مانتے ہیں اس کے مطالبوں اور تقاضوں کو پورا کریں۔ جو صالح افراد ہماری اس دعوت کو قبول کر لیتے ہیں، ہم ان کو منظم کر رہے ہیں تاکہ ان کی اجتماعی کوششوں سے سوسائٹی کو اللہ کے سوا دوسروں کی اطاعت سے آزاد کرایا جائے۔

دعوت دین، معیاری اور ترقی یافتہ طریقوں سے

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ دعوت و تبلیغ کے طریقے میں کچھ نیاپن ہے اور نبیوں کا طریقہ وہ ہے جو انھوں نے اختیار کیا ہے، ہم کو ان کے خیال سے اتفاق ہے۔ ہمارے نزدیک نبیوں کا طریقہ ہر پہلو سے زمانے کے معیار سے نہایت ترقی یافتہ ہوتا تھا۔ وہ اپنی دعوت کے سلسلے میں لوگوں کو اپروچ (approach) کرنے کے وہی طریقے اختیار کرتے تھے جو وقت کی علمی ترقیوں کے لحاظ سے معیاری ہوتے تھے۔ بس اتنا تھا کہ اگر ان طریقوں میں کوئی پہلو اخلاقی اعتبار سے قابلِ اعتراض ہوتا تو اس کی اصلاح کر دیتے۔ اس وجہ سے ہمارے نزدیک دعوت و تبلیغ کے کام کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی پُرانے ہی طریقوں پر اصرار کرے، چاہے وہ کتنے ہی بے فائدہ اور بے اثر ہو چکے ہوں۔ اسی طرح ہم اس بات کو بھی صحیح نہیں سمجھتے کہ آدمی دعوت کے کام میں اپنا اور دعوت کے

وقار کا لحاظ نہ رکھے۔ اللہ تعالیٰ کا دین ایک بہت بڑی نعمت ہے اور اس کو بندوں کے سامنے پیش کرنا ایک بڑا عظیم کام ہے۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کو اسی طریقے پر انجام دیا جائے جس طریقے پر بڑے اور اونچے کام انجام دیے جاتے ہیں۔ جو لوگ یہ سوچتے ہیں کہ دین کی دعوت کے لیے جوش اور جذبہ صرف اسی طرح ظاہر کیا جاسکتا ہے کہ بھیک مانگنے والوں کی طرح ہر راہ چلتے کا پیچھا کیا جائے اور اس کا پیچھا اس وقت تک نہ چھوڑا جائے جب تک اسے کچھ سنا نہ لیا جائے یا اس سے کچھ سن نہ لیا جائے، ہمارے نزدیک ان کی یہ سوچ غلط ہے۔ ہم اس طریقے کو دین اور داعی دونوں کی عظمت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ نبی ﷺ نے اسلام کے شروع میں اپنے خاندان کے بزرگوں کو دین کی دعوت دینے کے لیے ان کو کھانے پر بلایا اور جب سب لوگ کھانا کھا چکے تو ان کے سامنے آپ نے ایک تقریر فرمائی۔ کیا اس سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ دعوت کے جوش اور سرگرمی کے باوجود نبی ﷺ نے اسی طریقے کو اختیار کیا جو آپ کے زمانے میں سماج کی نظر میں ایک عمدہ طریقہ تھا۔

ایک گاؤں کو چن لیں، اور اس میں کافی مدت تک برابر کام کرتے رہیں، یہاں تک کہ کچھ آدمی وہاں آپ کے پختہ ہم خیال، اخلاقی طور پر بدلے ہوئے، اور ہماری تحریک کے کارکن بننے کے لیے مناسب تیار ہو جائیں، پھر ان کو خود ان کی بستی میں اصلاح و دعوت کا کام اسی طریقے سے کرنے کے لیے استعمال کریں۔

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، روداد جماعت اسلامی، حصہ سوم، ص ۱۴۹)

اسلام کی دعوت کیا اور کیسے؟*

ہماری دعوت کیا ہے؟

اگر کوئی شخص ہمارے لٹریچر کو کھلے دل کے ساتھ پڑھے تو اس پر آسانی سے یہ بات کھل سکتی ہے کہ ہمارا مقصد صرف ایک اچھا سیاسی نظام قائم کرنا نہیں ہے بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ فرد اور سماج کی پوری زندگی میں وہ تبدیلی آئے جو اسلام لانا چاہتا ہے، جس کے لیے اللہ نے نبی بھیجے، اور جس کی دعوت دینے اور کوشش و محنت کرنے کے لیے ہمیشہ نبیوں کی قیادت میں مسلم امت کے نام سے ایک گروہ بنتا رہا ہے۔

ہماری دعوت کے تین نکات

۱۔ ہم سارے انسانوں کو اللہ کی بندگی کی طرف بلاتے ہیں۔ اللہ کی بندگی کا مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کو پورے معنی میں الٰہ اور رب، معبود اور حاکم، آقا اور مالک، رہ نما اور قانون ساز، حساب لینے والا اور بدلہ دینے والا تسلیم کرے اور اپنی پوری زندگی کو چاہے وہ شخصی ہو یا اجتماعی، اخلاقی ہو یا مذہبی، تمدنی و سیاسی اور معاشی ہو یا علمی و نظری، اسی ایک خدا کی بندگی کے حوالے کر دے۔

۲۔ جو شخص مسلمان ہے یا مسلمان بنا ہے اسے دعوت دیتے ہیں کہ وہ مخلص مسلمان بنے اور اسلام کے رنگ میں رنگ کر ایک رنگ والا ہو جائے۔ وہ منافق والے رویے اور تناقض (contradiction) کے رویے سے بچے۔

منافق والے رویے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جس دین کی پیروی کا دعویٰ کرے اس کے

---

* مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تقریر

بالکل مخالف نظام کو اپنے اوپر سوار پاکر راضی اور مطمئن رہے، وہ اس کو بدل کر اپنے دین کو اس کی جگہ قائم کرنے کی کوئی کوشش نہ کرے، بلکہ اسی اللہ کی نافرمانی اور بغاوت والے نظام کو اپنے لیے سازگار بنانے اور اس میں اپنے لیے آرام کی جگہ پیدا کرنے کی فکر کرتا رہے۔ یا اگر اس کو بدلنے کی کوشش بھی کرے تو اس کی غرض یہ نہ ہو کہ اس نظام کی جگہ سچا دین قائم ہو، بلکہ صرف یہ کوشش کرے کہ اللہ کی نافرمانی والا ایک نظام چلا جائے اور نافرمانی کا دوسرا نظام اس کی جگہ لے لے۔

تناقض کے رویے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جس چیز کا زبان سے دعویٰ کرے عمل سے اس کی خلاف ورزی کرے، آدمی کا اپنا عمل ایک معاملہ میں کچھ ہو اور دوسرے معاملہ میں کچھ اور۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے اپنی پوری زندگی کو اللہ کی بندگی میں دے دیا ہے تو اسے جان بوجھ کر کوئی حرکت بھی ایسی نہیں کرنی چاہیے جو رب کی بندگی کے خلاف ہو۔

۳۔ زندگی کا نظام صالح مومنوں کے ہاتھ میں آئے، وہی اسے بنائیں، اور وہی اسے چلائیں۔ اس کے لیے ہماری دعوت یہ ہے کہ صالح لوگوں کا ایسا گروہ تیار کیا جائے جو اپنے ایمان میں پختہ ہو، اپنے اسلام میں مخلص اور یک رنگ ہو، اپنے اخلاق میں نیک اور پاکیزہ ہو، اور اس کے ساتھ وہ تمام خوبیاں اور قابلیتیں بھی رکھتا ہو جو دنیا میں زندگی کے نظام کو بہترین طریقے پر چلانے کے لیے ضروری ہیں۔ اور وہ ان خوبیوں اور قابلیتوں میں اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر ثابت کردے۔

یاد رہے ہماری دعوت کی طرح ہمارے کام کا طریقہ بھی اصل میں قرآن اور نبیوں کے طریقے سے لیا ہوا ہے۔

دعوت قبول کرنے کی آزمائشیں

جو لوگ ہماری دعوت کے طریقے کو قبول کرتے ہیں ان سے ہماری سب سے پہلی مانگ یہی ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو پورے طور پر رب کی بندگی میں دے دو، اپنے عمل سے ثبوت دو کہ تم مخلص اور یک سو ہو، اور ان تمام چیزوں سے اپنی زندگی کو پاک کرنے کی کوشش کرو جو تمھارے ایمان کے خلاف ہیں۔ یہیں سے ان کے اخلاق و سیرت کو بنانے اور ان کو پرکھنے کا سلسلہ شروع ہو

جاتا ہے۔ جن لوگوں نے بڑی بڑی امنگوں (ambitions) کے ساتھ اونچی تعلیم حاصل کی تھی، انھیں اپنے اونچے اونچے خوابوں کی عمارتیں اپنے ہاتھ سے ڈھادینی پڑتی ہیں اور اس زندگی میں قدم رکھنا پڑتا ہے جس میں اونچے عہدے اور خوش حالی انھیں اپنی زندگی میں کیا، اپنی دوسری اور تیسری پشت میں دور دور تک نظر نہیں آتی۔ جن لوگوں کی خوش حالی کسی رہن رکھی ہوئی زمین یا کسی قبضہ کی ہوئی جائیداد یا کسی ایسی وراثت پر کھڑی تھی جس میں حق داروں کے حقوق مارے گئے تھے، انھیں کئی بار دامن جھاڑ کر اس خوش حالی سے الگ ہو جانا پڑتا ہے۔ صرف اس لیے کہ جس اللہ کو انھوں نے اپنا آقا تسلیم کیا ہے اس کی مرضی کے خلاف کسی کا مال کھانا ان کے ایمان کے خلاف ہے۔ جن لوگوں کی زندگی کے ذریعے ناجائز تھے یا باطل کے نظام سے جڑے ہوئے تھے ان کو ترقیوں کے خواب دیکھنا تو دور کی بات، ان ذریعوں سے حاصل کی ہوئی روٹی کا بھی ایک ایک ٹکڑا حلق میں اتارنا ناگوار ہونے لگتا ہے اور وہ ان ذریعوں کو زیادہ پاک ذریعوں سے، چاہے وہ بہت زیادہ معمولی ہی کیوں نہ ہوں، بدلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگتے ہیں۔ پھر جیسا کہ ابھی میں آپ کو بتا چکا ہوں، اس راستے کو اپناتے ہی آدمی کا بالکل قریبی ماحول بھی اس کا دشمن بن جاتا ہے۔ اس کے اپنے والدین، اس کے بھائی بند، اس کی بیوی اور بچے اور اس کے جگری دوست سب سے پہلے اس کے ایمان سے ٹکراتے ہیں اور کئی بار اس راستے کا پہلا اثر ظاہر ہوتے ہی آدمی کا اپنا گھر جس میں وہ نازوں سے پالا گیا تھا اس کے لیے بھڑوں کا چھتہ بن کر رہ جاتا ہے۔ یہ ہے وہ تربیت گاہ جو نیک و مخلص اور بھروسے کے قابل کیرکٹر والے کارکن تیار کرنے کے لیے اللہ نے ہمارے لیے بنائی ہے۔ شروع کی ان آزمائشوں میں جو لوگ ناکام ہو جاتے ہیں وہ آپ سے آپ چھٹ کر الگ ہو جاتے ہیں اور ہمیں ان کو چھانٹ کر پھینکنا نہیں پڑتا ہے۔ اور جو لوگ ان میں پورے اترتے ہیں وہ ثابت کر دیتے ہیں کہ ان کے اندر کم از کم اتنا اخلاص، اتنی یکسوئی، اتنا صبر اور عزم، حق کی اتنی محبت اور کیرکٹر کی اتنی مضبوطی ضرور پائی جاتی ہے جو اللہ کی راہ میں قدم رکھنے اور امتحان کے پہلے مرحلے سے کامیاب گزر جانے کے لیے ضروری ہے۔ اس مرحلے کے کامیاب لوگوں کو ہم زیادہ بھروسے

اور اطمینان کے ساتھ لے کر اس دوسرے مرحلے کی طرف بڑھ سکتے ہیں جو آگے آنے والا ہے اور جس میں اس سے زیادہ آزمائشیں پیش آنے والی ہیں۔ وہ آزمائشیں پھر ایک دوسری بھٹی تیار کریں گی جو اسی طرح کھوٹے سکوں کو چھانٹ کر پھینک دے گی اور خالص سونے کو اپنی گود میں رکھ لے گی۔ جہاں تک ہمارا علم ساتھ دیتا ہے ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انسانی کانوں سے کام کے لوگوں کو چھانٹنے اور ان کو زیادہ فائدہ مند بنانے کے لیے یہی طریقہ پہلے بھی اختیار کیا جاتا رہا ہے اور صرف اسی طریقے پر تیار کیے ہوئے تقویٰ میں یہ طاقت ہو سکتی ہے کہ دنیا کے انتظام کی بھاری ذمہ داریوں کا بوجھ سنبھال سکے۔

دعوت دینے کی آزمائشیں

اس کے ساتھ دوسری چیز، جو ہم اپنے ارکان پر لازم کر لیتے ہیں، یہ ہے کہ جس حق کی روشنی انھوں نے پائی ہے اسے اپنے قریبی ماحول میں اور ان سب لوگوں میں جن سے ان کا رشتے دار یا دوست یا پڑوسی ہونے کا یا لین دین کرنے کا تعلق ہے، وہ روشنی پھیلانے کی کوشش کریں اور انھیں اس کی طرف بلائیں۔ یہاں پھر امتحانوں کا ایک سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ سب سے پہلے تو اس تبلیغ کی وجہ سے تبلیغ کرنے والے کی اپنی زندگی درست ہوتی ہے، کیوں کہ یہ کام شروع کرتے ہی بے شمار تیز آنکھیں اور سرچ لائٹیں اس کی طرف اپنا فوکس کر لیتی ہیں اور اس کی زندگی میں اگر کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس کے ایمان اور اس کی دعوت کے خلاف پائی جائے تو یہ مفت کے مانیٹر اسے کھول کر اس کے سامنے رکھ دیتے ہیں اور تازیانے لگا لگا کر اسے مجبور کرتے ہیں کہ اپنی زندگی کو اس سے پاک کرے۔ اگر تبلیغ کرنے والا اس دعوت پر سچے دل سے ایمان لایا ہو تو وہ ان تنقیدوں پر جھنجھلانے یا باتیں بنا کر اپنی غلطی کو چھپانے کی کوشش نہ کرے گا، بلکہ ان لوگوں سے فائدہ اٹھائے گا جو مخالفت کی نیت ہی سے سہی مگر اسے سدھارنے میں لگے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس برتن کو بیسیوں ہاتھ مانجھنے لگ جائیں اور مانجھتے ہی چلے جائیں، اس پر زنگ کی کتنی ہی موٹی پرت لگی ہو، آخر کار صاف اور چمک دار ہو کر رہے گا۔

پھر اس تبلیغ سے ہمارے کارکنوں میں بہت سی وہ خوبیاں اچھی طرح تیار ہوتی ہے جنھیں آگے چل کر دوسرے میدانوں میں کسی اور شکل سے ہم کو استعمال کرنا ہے۔ جب تبلیغ کرنے والے کو طرح طرح کے دل شکن حالات سے گزرنا پڑتا ہے، کہیں اس کی ہنسی اڑائی جاتی ہے، کہیں اس پر طعنے اور آوازے کسے جاتے ہیں، کہیں گالیوں اور دوسری جہالتوں سے اس کی خاطر کی جاتی ہے، کہیں اس پر الزامات کی بوچھاڑ کی جاتی ہے، کہیں اس کو فتنوں میں الجھانے کی نت نئی تدبیریں کی جاتی ہیں، کہیں اسے گھر سے نکال دیا جاتا ہے، وراثت سے محروم کیا جاتا ہے، دوستیاں اور رشتہ داریاں اس سے توڑلی جاتی ہیں اور اس کے لیے اپنے ماحول میں سانس لینا تک مشکل ہو جاتا ہے، تو ان حالات میں جو کارکن نہ ہمت ہارے نہ حق سے پھرے، نہ باطل پرستوں کے آگے سر جھکائے، نہ غصہ ہو کر اپنے دماغ کا توازن کھوئے، بلکہ حکمت اور تدبر اور ثابت قدمی اور راست بازی اور پرہیزگاری اور ایک سچے حق پرست کی سی ہم دردی و خیر خواہی کے ساتھ اپنے راستے پر قائم رہے اور اپنے ماحول کی اصلاح میں برابر کوشش کرتا رہے اس کے اندر ان اونچی خوبیوں کا پیدا ہونا اور ترقی پانا یقینی ہے جو آگے چل کر ہماری اس کوشش و محنت کے دوسرے مرحلوں میں اس سے بہت زیادہ بڑے پیمانے پر چاہیے ہوں گی۔

تبلیغ میں کن باتوں کا خیال رکھیں؟

اس تبلیغ کے سلسلہ میں ہم نے کام کا وہی طریقہ اپنے کارکنوں کو سکھانے کی کوشش کی ہے جو قرآن مجید میں سکھایا گیا ہے یعنی یہ کہ:

- ❑ سمجھ داری اور خوب صورتی کے ساتھ اللہ کے راستے کی طرف دعوت دیں۔
- ❑ ایک ایک درجہ آگے بڑھتے ہوئے اور مناسب ترتیب کا خیال رکھتے ہوئے لوگوں کے سامنے دین کے پہلے نمبر کے بنیادی اصولوں کو اور پھر رفتہ رفتہ ان کے تقاضوں کو پیش کریں۔
- ❑ کسی کو اس کے ہاضمے کی قوت سے بڑھ کر خوراک دینے کی کوشش نہ کریں۔

- ❑ شاخوں کو تنے سے اور چھوٹی باتوں کو بڑی باتوں سے اوپر نہ رکھیں۔
- ❑ بنیادی خرابیوں کو دور کیے بغیر اوپر کی برائیوں اور باہری شاخوں کو چھانٹنے اور کاٹنے میں اپنا وقت ضائع نہ کریں۔
- ❑ عقیدہ وعمل کی گم راہیوں اور غفلت میں پھنسے ہوئے لوگوں کے ساتھ نفرت کا برتاؤ کرنے کے بجائے ایک طبیب کی سی ہم دردی و خیر خواہی کے ساتھ ان کے علاج کی فکر کریں۔
- ❑ گالیوں اور پتھروں کے جواب میں بھلائی کی دعا کرنا سیکھیں۔
- ❑ ظلم اور تکلیف پہنچنے پر صبر کریں۔
- ❑ جاہلوں سے بحثوں میں نہ الجھیں۔
- ❑ بے فائدہ اور بے ہودہ باتوں سے شریف لوگوں کی طرح خود کو بچائیں۔
- ❑ جو لوگ حق سے منھ پھیرے ہوئے ہوں ان کے پیچھے پڑنے کے بجائے ان لوگوں کی طرف دھیان دیں جن کے اندر حق کی کچھ چاہت پائی جاتی ہو، چاہے وہ دین دار لوگوں کے یہاں بالکل توجہ کے قابل نہ سمجھے جاتے ہوں۔
- ❑ اپنی اس تمام کوشش و محنت میں دکھاوے اور نمائش سے بچیں۔
- ❑ اپنے کارناموں کو گنانے اور فخر کے ساتھ ان کا مظاہرہ کرنے اور لوگوں کی توجہ اپنی طرف کھینچنے کی ذرہ برابر کوشش نہ کریں، بلکہ جو کچھ کریں اس نیت اور یقین و اطمینان کے ساتھ کریں کہ ان کا سارا عمل اللہ کے لیے ہے اور اللہ ان کی خدمات جانتا ہے اور ان کی خدمات کی قدر بھی اسی کے ہاں ہونی ہے چاہے دنیا والے جانیں یا نہ جانیں اور ان کی طرف سے سزا ملے یا انعام۔

یہ صبر، برداشت اور لگاتار محنت کا راستہ ہے

کام کا یہ طریقہ بہت زیادہ صبر اور برداشت اور لگاتار محنت چاہتا ہے۔ اس میں ایک لمبی مدت تک برابر کام کرتے رہنے کے بعد بھی شان دار نتائج کی وہ ہری بھری فصل لہلہاتی نظر نہیں

آتی جو سطحی اور نمائشی کام شروع کرتے ہی دوسرے دن سے تماشائیوں اور مداریوں کا دل لبھانا شروع کر دیتی ہے۔ اس میں ایک طرف خود کارکن کے اندر وہ گہری نظر، وہ سنجیدگی، وہ پختہ کاری اور وہ سمجھ بوجھ پیدا ہوتی ہے جس کی ضرورت اس تحریک کے زیادہ سخت اور زیادہ محنت و حکمت چاہنے والے مراحل میں پڑنے والی ہے اور دوسری طرف اس سے تحریک اگرچہ آہستہ رفتار سے چلتی ہے مگر اس کا ایک ایک قدم مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے۔ تبلیغ کے صرف ایسے طریقے سے سوسائٹی کا مکھن نکال کر تحریک میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ اوچھے اور سطحی لوگوں کی بھیڑ جمع کرنے کے بجائے تبلیغ کے اس طریقے سے سوسائٹی کے سب سے اچھے افراد تحریک کی طرف کھینچتے ہیں اور سنجیدہ کارکن تحریک کو ملتے ہیں جن میں سے ایک ایک آدمی کی شرکت ہزار بے کار لوگوں کی بھیڑ سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔

ضرورت ہے کہ جماعت میں جو لوگ لکھنے کی قابلیت رکھتے ہیں، وہ اپنا جائزہ لے کر خود اندازہ کریں کہ وہ کس طبقے کے لوگوں کے لیے کس قسم کی چیزیں لکھ سکتے ہیں، اور اپنی قوتوں کو اس کام میں استعمال کرنا شروع کر دیں۔

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، روداد جماعت اسلامی، حصہ سوم، ص ۱۴۷)

ہمارے اجتماعات کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ اپنے کام کا اشتہار دیا جائے، بلکہ یہ کہ اپنے کارکنوں کو وقت وقت سے جمع کر کے ان کے کام کا جائزہ لیں، کوتاہیوں کو معلوم کر کے ان کو دور کرنے کی کوشش کریں اور آئندہ کام کا نقشہ بنالیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ مقصد بھی ہوتا ہے کہ مقامی لوگوں کو اپنے کام سے واقف کرائیں تاکہ اللہ کے جو بندے اس کام کو کرنا چاہتے ہوں وہ ہمارے کام کو دیکھیں اور سمجھیں اور اگر ان کا دل گواہی دے اور مطمئن ہو تو ہمارا ساتھ دیں۔

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، روداد جماعت اسلامی، حصہ پنجم، ص ۱۱)

قانونی اور حقیقی اسلام کا فرق*

دینی بھائیو! اللہ تعالیٰ اپنی پاک کتاب میں فرماتا ہے:

قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ. قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ. (الأنعام: ۱۶۱-۱۶۳)

"یعنی اے محمد (ﷺ) کہو، میری نماز اور میرے تمام مراسم عبودیت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو ساری کائنات کا مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں اس کی اطاعت میں آتا ہوں۔"

اس آیت کو نبی ﷺ کی یہ حدیث اور کھول کر بتاتی ہے:

مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الإِيمَانَ۔ (سنن ابی داود)

"جس نے کسی سے دوستی اور محبت کی تو اللہ کے لیے کی اور دشمنی کی تو اللہ کے لیے کی اور کسی کو دیا تو اللہ کے لیے دیا اور کسی سے روکا تو اللہ کے لیے روکا، اسی طرح اس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا، یعنی وہ پورا مومن ہو گیا۔"

پہلے جو آیت میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی بندگی کو اور اپنے جینے اور مرنے کو صرف اللہ کے لیے خالص کر لے اور اللہ کے سوا کسی کو اس میں شریک نہ کرے یعنی نہ تو اس کی بندگی اللہ کے علاوہ کسی کے لیے ہو اور نہ اس کا

---

* خطبہ جمعہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

جینا اور مرنا۔ اور نبی ﷺ کی جو بات میں نے آپ کو سنائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کی محبت اور دشمنی اور اپنی دنیوی زندگی کے معاملات میں اس کا لین دین صرف اور صرف اللہ کے لیے ہونا ہی ایمان کا تقاضا ہے۔ اس کے بغیر ایمان ہی پورا نہیں ہوتا، اس کے اونچے درجوں کا دروازہ کیسے کھلے گا۔ جتنی کمی اس معاملہ میں ہوگی اتنی ہی کمی آدمی کے ایمان میں ہوگی اور جب اس حیثیت سے آدمی پورے طور پر اللہ کا ہو جائے تب کہیں اس کا ایمان پورا ہوتا ہے۔

قانونی اسلام کی ضرورت

کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی چیزیں صرف اونچے درجوں کا دروازہ کھولتی ہیں، ورنہ ایمان و اسلام کے لیے انسان کے اندر یہ کیفیت پیدا ہونا ضروری نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ اس کیفیت کے بغیر بھی انسان مومن و مسلم ہو سکتا ہے۔ مگر یہ ایک غلط فہمی ہے اور اس غلط فہمی کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر لوگ قانونی اسلام اور اس حقیقی اسلام میں جو اللہ کے ہاں قبول کیا جائے گا فرق نہیں کرتے۔ قانونی اسلام میں آدمی کے دل کا حال نہیں دیکھا جاتا اور نہ ہی دیکھا جا سکتا ہے، بلکہ صرف اس کے زبانی اقرار کو دیکھا جاتا ہے اور یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنے اندر ان ضروری نشانیوں کو ابھارتا ہے یا نہیں جو زبانی اقرار کے پکا کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ اگر کسی شخص نے زبان سے اللہ اور رسول ﷺ اور قرآن اور آخرت اور ایمان کی دوسری باتوں کو ماننے کا اقرار کر لیا اور اس کے بعد وہ ضروری شرطیں بھی پوری کر دیں جن سے اس کے ماننے کا ثبوت ملتا ہے تو وہ مسلم مان لیا جائے گا اور سارے معاملات اس کے ساتھ مسلمان سمجھ کر کیے جائیں گے۔ لیکن یہ چیز صرف دنیا کے لیے ہے تاکہ قانونی لحاظ سے اس کی بنیاد پر مسلم سوسائٹی کا کام چلے۔ اس سے بس اتنا ہوتا ہے کہ ایسے اقرار کے ساتھ جتنے لوگ مسلم سوسائٹی میں داخل ہوں ان کو ایک دوسرے پر شرعی اور قانونی اور اخلاقی اور معاشرتی حقوق حاصل ہو جائیں۔ ان کے درمیان شادی بیاہ کے تعلقات قائم ہوں، وراثت کی تقسیم ہو اور دوسرے تمدنی رشتے پیدا ہوں، لیکن آخرت میں انسان کی نجات اور اس کے مسلم و مومن قرار دیے جانے اور اللہ کے مقبول بندوں میں گنے جانے کے لیے یہ قانونی

اقرار کام آنے والا نہیں ہے۔ بلکہ وہاں اصل چیز آدمی کے دل کا اقرار ہے، اس کے دل کا جھکاؤ اور اس کا اپنی خوشی سے اپنے آپ کو پورے طور پر اللہ کے حوالے کر دینا ہے۔

قانونی اور حقیقی اسلام کا فرق آخرت میں

دنیا میں جو زبانی اقرار کیا جاتا ہے وہ تو صرف قاضی کے لیے اور عام انسانوں اور مسلمانوں کے لیے ہے کیوں کہ وہ صرف نظر آنے والی چیز ہی کو دیکھ سکتے ہیں، مگر اللہ آدمی کے اندر دیکھتا ہے اور اس کے ایمان کو ناپتا ہے۔ اس کے ہاں آدمی کو جس حیثیت سے جانچا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ آیا اس کا جینا اور مرنا اور اس کی وفاداریاں اور اس کی اطاعت و بندگی اور اس کی زندگی کا پورا کارنامہ اللہ کے لیے ہے یا کسی اور کے لیے۔ اگر اللہ کے لیے ہے تو وہ مسلم اور مومن ہے اور کسی اور کے لیے ہے تو نہ مسلم ہے، نہ مومن۔ اس حیثیت سے جو جتنا کچا ہے اتنا ہی اس کا ایمان اور اسلام کچا ہے، چاہے دنیا میں وہ کیسے ہی بڑے مسلمانوں میں گنا جاتا ہو اور اس کو کتنے ہی بڑے مقام دیے جاتے ہوں۔ اللہ کے ہاں قدر صرف اس کی ہے کہ جو کچھ اس نے آپ کو دیا ہے وہ کچھ آپ نے اس کی راہ میں لگا دیا یا نہیں۔ اگر آپ نے ایسا کر دیا تو آپ کو وہی حق دیا جائے گا جو وفاداروں کو اور بندگی کا حق ادا کرنے والوں کو دیا جاتا ہے۔ اور اگر آپ نے کسی چیز کو اللہ کی بندگی سے الگ کر کے رکھا تو آپ کا یہ اقرار کہ آپ مسلم ہوئے یعنی یہ کہ آپ نے اپنے آپ کو بالکل اللہ کے حوالے کر دیا بس ایک جھوٹا اقرار ہے جس سے دنیا کے لوگ دھوکا کھا سکتے ہیں، جس سے فریب کھا کر مسلم سوسائٹی آپ کو اپنے اندر جگہ دے سکتی ہے، جس سے دنیا میں آپ کو مسلمانوں کے سے تمام حقوق مل سکتے ہیں، لیکن اللہ اپنے ہاں وفاداروں میں جگہ نہیں دے سکتا۔

قانونی اور حقیقی اسلام کا فرق دنیا میں

یہ قانونی اور حقیقی اسلام کا فرق جو میں نے آپ کے سامنے بیان کیا ہے اگر آپ اس پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کے نتائج صرف آخرت ہی میں الگ نہیں ہوں گے بلکہ دنیا میں بھی ایک بڑی حد تک الگ ہیں۔

دنیا میں جو مسلمان پائے گئے ہیں یا آج پائے جاتے ہیں ان سب کی دو قسمیں کی جاسکتی ہیں۔ ایک قسم کے مسلمان وہ جو اللہ اور رسول ﷺ کا اقرار کر کے اسلام کو بحیثیت ایک مذہب کے مان لیں مگر اپنے اس مذہب کو اپنی کل زندگی کا بس ایک حصہ ہی بنا کر رکھیں، اس خاص حصے میں تو اسلام کے ساتھ عقیدت ہو، عبادت گزاریاں ہوں، تسبیح و جانماز ہو، اللہ کا ذکر ہو، کھانے پینے اور کچھ رہن سہن میں پرہیزگاریاں ہوں اور وہ سب کچھ ہو جسے مذہبی اسٹائل کہا جاتا ہے، مگر اس کے سوا ان کی زندگی کے دوسرے تمام پہلو ان کے مسلم ہونے کی حیثیت سے باہر ہوں۔ وہ محبت کریں تو اپنے نفس یا اپنے مفاد یا اپنے ملک و قوم یا کسی اور کی خاطر کریں، وہ دشمنی کریں اور کسی سے جنگ کریں تو وہ بھی ایسے ہی کسی دنیوی یا نفسانی تعلق کی بنا پر کریں، ان کے کاروبار، ان کے لین دین، ان کے معاملات اور تعلقات، ان کا اپنے بال بچوں، اپنے خاندان، اپنی سوسائٹی اور اپنے محلہ والوں کے ساتھ برتاؤ سب کا سب ایک بڑی حد تک دین سے آزاد اور دنیوی حیثیتوں پر ہو۔ ایک زمین دار کی حیثیت سے، ایک تاجر کی حیثیت سے، ایک حکمراں کی حیثیت سے ان کی اپنی ایک مستقل حیثیت ہو جس کا ان کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے چاہے نام کا تعلق ہو لیکن حقیقت میں ان کو اسلام سے کچھ لینا دینا نہ ہو۔ دوسری قسم کے مسلمان وہ ہیں جو اپنے آپ کو اسلام کے اندر پوری طرح دے دیں۔ ان کی ساری حیثیتیں ان کے مسلمان ہونے کی حیثیت میں گم ہو جائیں، وہ باپ ہوں تو مسلمان کی حیثیت سے، بیٹے ہوں تو مسلمان کی حیثیت سے، شوہر یا بیوی ہوں تو مسلمان کی حیثیت سے، تاجر، زمین دار، مزدور، ملازم یا پیشہ ور ہوں تو مسلمان کی حیثیت سے، ان کے جذبات، ان کی خواہشات، ان کے نظریات، ان کے خیالات اور ان کی رائیں، ان کی نفرت اور چاہت، ان کی پسند اور ناپسند سب کچھ اسلام کے تحت ہو۔ ان کے دل و دماغ پر، ان کی آنکھوں اور کانوں پر، ان کے پیٹ اور ان کی شرم گاہوں پر اور ان کے ہاتھ پاؤں اور ان کے جسم و جان پر اسلام کا پورا قبضہ ہو، نہ ان کی محبت اسلام سے آزاد ہو نہ دشمنی، جس سے ملیں تو اسلام کے لیے ملیں اور جس سے لڑیں تو اسلام کے لیے لڑیں، کسی کو دیں تو اس لیے دیں کہ اسلام کا تقاضا یہی ہے کہ اسے دیا جائے اور کسی سے روکیں تو اس لیے روکیں کہ اسلام یہی کہتا ہے کہ اس سے روکا جائے۔ اور ان کا یہ انداز صرف انفرادی حد تک ہی

نہ ہو، بلکہ ان کی اجتماعی زندگی بھی سراسر اسلام کی بنیاد ہی پر کھڑی ہو۔ بحیثیت ایک جماعت کے ان کی ہستی صرف اسلام کے لیے قائم ہو اور ان کا سارا اجتماعی برتاؤ اسلام کے اصولوں ہی پر قائم ہو۔

یہ دو قسم کے مسلمان حقیقت میں ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں، چاہے قانونی حیثیت سے دونوں کو مسلمان کہا جاتا ہو۔ پہلی قسم کے مسلمانوں کا کوئی ایسا کارنامہ اسلام کی تاریخ میں نہیں ہے جس پر فخر کیا جائے یا جو بتانے کے قابل ہو۔ انھوں نے حقیقت میں کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے جس نے دنیا کی تاریخ پر کوئی اسلامی نقش چھوڑا ہو۔ اسلام اگر نیچے کی طرف گیا ہے تو ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے۔ مسلم سوسائٹی میں ایسے ہی مسلمانوں کے زیادہ ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کے نظام کی باگیں کفر کے قبضے میں چلی گئیں اور مسلمان اس کے ماتحت رہ کر صرف ایک محدود مذہبی زندگی کی آزادی پر مگن ہو گئے۔ اللہ کو ایسے مسلمان ہرگز نہ چاہئیں تھے۔ اس نے اپنے نبیوں کو دنیا میں اس لیے نہیں بھیجا تھا نہ اپنی کتابیں اس لیے اتاری تھیں کہ صرف اس طرح کے مسلمان دنیا میں بناڈالے جائیں۔ دنیا میں ایسے مسلمانوں کے نہ ہونے سے کوئی بڑی کمی نہ تھی جسے پورا کرنے کے لیے نبوت کو جاری کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ حقیقت میں جو مسلمان اللہ کو چاہیے ہیں، جنھیں تیار کرنے کے لیے نبیوں کو بھیجا گیا اور کتابیں اتاری گئیں اور جنھوں نے اسلام کی رو سے کبھی کوئی قابل قدر کام کیا ہے یا آج کر سکتے ہیں وہ صرف دوسری ہی قسم کے مسلمان ہیں۔

دنیا کا ہر طریقہ اخلاص اور قربانی مانگتا ہے

یہ چیز کچھ اسلام ہی کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ دنیا میں کسی طریقے کا جھنڈا بھی ایسے پیروؤں کے ہاتھوں کبھی اونچا نہیں ہوا ہے جنھوں نے اپنے طریقے کے اقرار اور اس کے اصولوں کی پابندی کو اپنی پوری زندگی کے ساتھ بس ایک اضافی چیز بنا کر رکھا ہو اور جن کا جینا اور مرنا اپنے طریقے کے سوا کسی اور چیز کے لیے ہو۔ آج بھی آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ایک طریقے کے حقیقی اور سچے پیرو صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جو دل و جان سے اس کے وفادار ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو پورے طور پر اس میں گم کر دیا ہے اور جو اپنی کسی چیز کو یہاں تک کہ اپنی جان اور اولاد تک کو اس کے مقابلہ میں پیارا نہیں رکھتے۔ دنیا کا ہر طریقہ ایسے ہی پیرو مانگتا ہے۔ اور اگر کسی طریقے کو دنیا میں

غلبہ نصیب ہو سکتا ہے تو وہ صرف ایسے ہی پیروؤں کی بدولت ہو سکتا ہے۔

اللہ کے لیے قربانی دینا اللہ کا حق ہے

البتہ اسلام میں اور دوسرے طریقوں میں فرق یہ ہے کہ دوسرے طریقے اگر انسانوں سے اس طرح سب کچھ لگا دینے، اور سب کچھ قربان کر دینے کی مانگ کرتے ہیں تو یہ حقیقت میں انسان پر ان کا حق نہیں ہے، بلکہ یہ ان کا انسان سے ایک بے جا مطالبہ ہے۔ لیکن اسلام اگر انسان سے اس کا مطالبہ کرتا ہے تو یہ اس کا حق ہے۔ وہ جن چیزوں کی خاطر انسان سے کہتے ہیں کہ تو اپنے آپ کو اور اپنی زندگی کو ان پر قربان کر دے، ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس کا سچ مچ انسان پر یہ حق ہو کہ اس کی خاطر انسان اپنی کسی چیز کو قربان کرے۔ لیکن اسلام جس اللہ کے لیے انسان سے یہ قربانی مانگتا ہے وہ حقیقت میں اس کا حق رکھتا ہے کہ اس پر سب کچھ قربان کر دیا جائے۔ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ کا ہے، انسان خود اللہ کا ہے، جو کچھ انسان کے پاس ہے اور جو کچھ انسان کے اندر ہے سب اللہ کا ہے اور جن چیزوں سے انسان دنیا میں کام لیتا ہے وہ سب بھی اللہ کی ہیں۔ اس لیے انصاف بھی یہی کہتا ہے اور عقل بھی یہی کہتی ہے کہ جو کچھ اللہ کا ہے وہ اللہ ہی کے لیے ہو۔ دوسروں کے لیے یا خود اپنے مفاد اور اپنے نفس پسندیدہ چیزوں کے لیے انسان جو قربانی بھی کرتا ہے اگر وہ اللہ کے لیے نہ ہو تو وہ اصل میں ایک خیانت ہے اور اللہ کے لیے انسان جب قربانی کرتا ہے تو وہ اللہ کا حق ادا کرتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کے لیے ان لوگوں کے عمل میں ایک بڑا سبق ہے جو اپنے باطل طریقوں کے لیے اور اپنے نفس کے جھوٹے معبودوں کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر رہے ہیں اور اس مضبوطی کا ثبوت دے رہے ہیں جس کی مثال مشکل ہی سے انسانی تاریخ میں ملتی ہے۔ کتنی عجیب بات ہوگی اگر باطل کے لیے تو انسان اس طرح اپنا سب کچھ لٹا دیں، اور اپنے آپ کو پورا لگا دیں، اور حق کے لیے اس کا ہزارواں حصہ بھی نہ ہو سکے۔

اپنے اسلام کا جائزہ لیں

ایمان و اسلام کا یہ معیار جو اس آیت اور اس حدیث میں بیان ہوا ہے، میں چاہتا ہوں کہ ہم سب اپنے آپ کو اس پر پرکھ کر دیکھیں اور اس کی روشنی میں اپنا حساب کریں۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ

آپ نے اسلام قبول کیا اور ایمان لے آئے تو دیکھیں کیا سچ میں آپ کا جینا اور مرنا اللہ کے لیے ہے؟ کیا آپ اسی لیے جی رہے ہیں اور آپ کے دل اور دماغ کی ساری قابلیتیں، آپ کے جسم اور جان کی ساری قوتیں، آپ کے اوقات اور آپ کی محنتیں کیا اسی کوشش میں لگ رہی ہیں کہ اللہ کی مرضی آپ کے ہاتھوں پوری ہو اور آپ کے ذریعہ سے وہ کام انجام پائے جو اللہ اپنی مسلم امت سے لینا چاہتا ہے؟ پھر کیا آپ نے اپنی اطاعت اور بندگی کو اللہ ہی کے لیے خاص کر دیا ہے؟ کیا نفس کی، خاندان کی، برادری کی، دوستوں کی، سوسائٹی کی اور حکومت کی بندگی آپ کی زندگی سے بالکل نکل چکی ہے؟ کیا آپ نے اپنی پسند اور ناپسند کو سراسر اللہ کی خوشی کے ماتحت کر دیا ہے؟ پھر دیکھیں کیا سچ مچ آپ جس سے محبت کرتے ہیں اللہ کے لیے کرتے ہیں؟ جس سے نفرت کرتے ہیں اللہ کے لیے کرتے ہیں؟ اور اس نفرت اور محبت میں آپ کے اپنے نفس کا کوئی حصہ شامل نہیں رہا ہے؟ پھر کیا آپ کا دینا اور روکنا بھی اللہ کی خاطر ہو چکا ہے؟ آپ اپنے آپ کو اور پھر دنیا میں جس کو جو کچھ دے رہے ہیں اسی لیے دے رہے ہیں کہ اللہ نے اس کا حق طے کیا ہے اور اس کو دینے سے صرف اللہ کی خوشی آپ چاہتے ہیں؟ اور اسی طرح جس سے آپ جو کچھ روک رہے ہیں وہ بھی اس لیے روک رہے ہیں کہ اللہ نے اسے روکنے کا حکم دیا ہے اور اس کے روکنے میں آپ کی یہ تمنا ہے کہ اس سے اللہ خوش ہوگا؟ اگر آپ یہ کیفیت اپنے اندر پاتے ہیں تو اللہ کا شکر کریں کہ اس نے آپ کو پورے ایمان کی نعمت دی۔ اور اگر اس حیثیت سے آپ اپنے اندر کمی محسوس کرتے ہیں تو ساری فکریں چھوڑ کر بس اسی کمی کو پورا کرنے کی فکر کریں اور اپنی تمام کوششوں اور محنتوں کو اسی پر لگا دیں، کیوں کہ اسی کمی کے پورا ہونے سے دنیا میں آپ کامیاب ہو سکتے ہیں اور آخرت میں آپ کو نجات مل سکتی ہے۔ آپ کو دنیا میں چاہے کچھ بھی مل جائے لیکن اس سے اس نقصان کی تلافی نہیں ہو سکتی جو اس کمی سے آپ کو پہنچے گا۔ لیکن اگر یہ کمی آپ نے پوری کر لی تو چاہے آپ کو دنیا میں کچھ نہ مل پائے پھر بھی آپ نقصان میں نہ رہیں گے۔

دنیا کی سب تحریکیں اور ان کے بڑے سے بڑے کام کرایے پر کروائے جاسکتے ہیں، مگر اس دعوت کا مزاج ہی اللہ تعالی نے کچھ ایسا رکھا ہے کہ جہاں اس میں کرایے کے آدمی داخل ہوئے وہیں یہ مرجھا گئی۔

(میاں طفیل محمدؒ، روداد جماعت اسلامی، حصہ سوم، ص ۳۰)

میں آپ لوگوں سے اکثر کہتا رہا ہوں کہ اسلامی انقلاب برپا کرنے کا جتنا امکان مسلم اکثریت کے علاقوں میں ہے قریب قریب اتنا ہی امکان غیر مسلم اکثریت کے علاقوں میں بھی ہے۔

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، روداد جماعت اسلامی، حصہ پنجم، ص ۱۶۸)

ہمیں تو اپنے حلال خور سے لے کر امیر جماعت تک سب کے سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے اور ایک ہی جنون رکھنے والے کارکن چاہیے ہیں۔

(میاں طفیل محمدؒ، روداد جماعت اسلامی، حصہ سوم، ص ۲۰)